# آنچل

AANCHAL

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز
رکن چیمبر آف کامرس

| | |
|---|---|
| جلد نمبر | 32 |
| شمارہ نمبر | 10 |
| جنوری | 2011 |

| | |
|---|---|
| پاکستان (فی پرچہ) | 45 روپے |
| پاکستان (سالانہ) | 600 روپے |

## ابتدائیہ



## دانش کدہ



## [illegible]



## سلسلہ وار ناول



## [illegible]



## ناولٹ



## افسانے




پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن۔ مطبوعہ ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی
دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی 74400


سرورق: سینا مارشل ...... بشکریہ: مین ز کرنچ آن لائن میگزین

## مستقل سلسلے




خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200، فون: 021-35620771/2
فیکس 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز ای میل info@aanchal.com.pk

"اے ایمان والو اللہ کی خاطر انصاف کے ساتھ گواہی دینے کے لیے تیار رہو۔ کسی کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اس کے معاملے میں انصاف نہ کرو۔ ہر حال میں انصاف کرو یہی بات پرہیزگاری کے قریب تر ہے۔ (سورۃ المائدہ ۸)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جنوری ۲۰۱۱ء کا آنچل حاضر مطالعہ ہے۔

آج محرم الحرام ۱۴۳۱ھ کی ۷ تاریخ ہے یہ قربانیوں ایثار اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کا مہینہ ہے۔ جس نے ہمیں قربانی' سچ' ایمان' صراط مستقیم کا درس دیا ہے۔ حیف ہم اس درس کو بھول گئے اور آج اسی جہالت کے دور میں داخل ہوگئے۔ جہاں سے ہمارے نبی کریم آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم' ہمیں ساتھ لے کر چلے تھے۔ جہالت' ناانصافی' سفا کی' ظلم وستم و بربریت' اللہ کی نافرمانی' نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے رشد وہدایت کے خلاف۔ یہی کر رہے ہیں نا؟ زلزلے' زمینی وآسمانی آفات' قتل و غارت گری' دنگا فساد' اچانک اموات' حادثات' یہ سب ہمارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہیں۔ ورنہ یہ سال بھی عبرت انگیز ہی ہوگا۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔ (آمین)



## اس ماہ کے ستارے

☆ خواب بننے سے پہلے — صبا جاوید کا نصیحت آموز ناول۔
☆ میں کہاں ہوں؟ — غزل صدیقی کا بہت خوب صورت افسانہ۔
☆ تم میرے ہو جاؤ — حنا عندلیب کا خوب صورت پیرائے میں لکھا ناولٹ۔
☆ تھیں قدم قدم پہ حقیقتیں — رشک حبیبہ کا قدم قدم پر حقیقتیں واضح کرتا افسانہ

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو فرحت باجی

نوٹ۔ تمام رائٹرز بہنوں سے التماس ہے کہ وہ "آنچل" کو اپنی نگارشات بھیجنے سے قبل ان کی فوٹو کاپی ضرور کرا کر اپنے پاس رکھیں اصل مسودہ ہمیں ارسال کریں۔ ادارہ نے ناقابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کردیا ہے۔



# حمد

کر رہے ہیں تری ثنا خوانی
سوچتی دھرتی' بولتا پانی

تو ہے آئینۂ ازل یا رب
اور میں ہوں ابد کی حیرانی

تیرے جلوؤں کے دم سے لیل و نہار
تیرے سورج کی سب درخشانی

پار ہوتی نہیں مرے مولا
درد کی سرحدیں ہیں طولانی

تجھ سے بخشش کا ہے تمنائی
تیرا بندہ صبیح رحمانی

# نعت

حضور ایسا کوئی انتظام ہو جائے
سلام کے لیے حاضر غلام ہو جائے

میں صرف دیکھ لوں اک بار صبح طیبہ کو
بلا سے پھر مری دنیا میں شام ہو جائے

حضور آپ جو سُن لیں تو بات بن جائے
حضور آپ جو کہہ دیں تو کام ہو جائے

مزا تو جب ہے فرشتے یہ قبر میں کہہ دیں
صبیح مدحت خیر الانام ہو جائے

(صبیح رحمانی)

# در جواب آں

**مدیرہ**

مس زاہدہ رشید علوی...... راولپنڈی

زاہدہ ڈیئر! سلامت۔ طویل عرصہ بعد آپ کا عنایت نامہ موصول ہوا۔ خوشی ہوئی ہم تو سمجھ رہے تھے کہ شاید آپ بیرون ملک چلی گئیں۔ کوئی رابطہ جو نہ تھا۔ آنچل میں شامل ہونے کے لیے آپ کو اجازت کی ضرورت ہے؟ آپ کا اپنا آنچل ہے۔ آپ کی سب چیزیں اگلے ماہ شائع ہوں گی۔ کام پورا ہوگیا۔ ہمارے ہاتھ میں ضرور "درجواب آں" رہ گیا ہے۔ جواب حاضر ہے۔ معذرت کے ساتھ ہم کسی رائٹر کا بھی نمبر نہیں دیتے ہیں۔ نہ آنچل میں چھاپتے ہیں لہٰذا آپ سے معذرت۔

انا احب

انا سلامت رہو۔ نمبر کے بغیر ساری عمر دعائیں دیجیے۔ خالص دعائیں۔ کراچی کے حالات چل رہے [illegible] نہ رابطے کے نمبر آنچل میں دونوں چیزیں نہیں چھپتیں۔ ہم معذرت کرتے ہیں۔ آپ کی خواہش پوری نہیں کرسکیں گے۔ آپ "دوست کا پیغام آئے" میں پیغام لکھ دیجیے۔ اگر انہیں آپ سے رابطہ قائم کرنا ہوگا کرلیں گے۔

صدف عبدالغنی...... کراچی۔

صدف خوش رہو۔ اللہ آپ کی زبان مبارک کرے اور نیا سال پاکستان کے لیے واقعی مبارک ثابت ہو۔ کہانی کے بارے میں فی الحال کچھ نہیں بتا سکتے۔ نئے سال کا آنچل ترتیب دینے میں مصروف ہیں۔ جب پڑھیں گے تو بتائیں گے۔ ناقابل اشاعت پر بھی نظر ڈالی رہے گا۔

ثناء لودھی...... خانیوال

ثناء سلامت رہو۔ آپ کی دعاؤں نے بہت متاثر کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان دعاؤں کا اجر عطا فرمائے۔ "آنچل" نے زندگیوں میں انقلاب پیدا کردیا۔ کئی زندگیوں میں آپ کا یہ جملہ پڑھ کر بہت زیادہ خوشی ہوئی اور یہ کہ آنچل کی پرانی قاری ہیں۔ کہانیاں ابھی نہ بھیجیں۔ پڑھنے کی بالکل فرصت نہیں۔ جیسے ہی فرصت ملی آپ کو کہانی بھیجنے کا لکھ دیں گے۔

شاہینہ خان...... کراچی۔

شاہینہ ڈیئر! خوش رہو۔ آپ کی آمد بہت اچھی لگی۔ غزل اور نظم کے بارے میں آپ کی اطلاع درست ہے۔ ہمیں چھپنے کی خبر نہیں۔ یہ تو شعبہ جانے اگر معیاری ہوئی تو ضرور چھپے گی کب؟ یہ نہیں بتایا جاسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کبھی نہیں۔ دونوں باتوں کی امید رکھیے۔

زاہدہ کنول...... دریا خان ضلع بھکر۔

زاہدہ دعا۔ پہلا خط اور وہ بھی آئندہ شرکت نہ کرنے کی دھمکی کے ساتھ ملا۔ دعاؤں کا شکریہ۔ غزلوں کے بارے میں [illegible] قابل اشاعت ہوتیں [illegible] تو چھپ جاتیں ورنہ معذرت [illegible] بہتر ہوگا کہ آپ اصلاح کرا کے بھیجیں ہمیں اتنی فرصت کہاں کہ غزلوں کی نوک پلک درست کریں۔ نوک پلک پر ایک دم خیال آیا کیوں نہ غزلوں کا "بیوٹی پارلر" کھول لیں۔ دیکھا کیسے بات سے بات نکلی ہے۔

حنیفہ سلیم...... چیچہ وطنی۔

حنیفہ جی! السلام علیکم! "عالم رویا" مل گیا۔ خط بہت تفصیل اور جذبوں سے بھرپور تھا۔ ہم بھی جذبوں کی پذیرائی کرنے میں بخل سے کام نہیں لیں گے۔ البتہ آنچل کی پالیسی آنچل کا مزاج قاری بہنوں کی پسند کا ضرور خیال رکھے گا۔ ایسا نہ ہو کہ ہمیں معذرت کرنا پڑے۔ اپنے شہر کے لوگوں کی ناراضگی بھی ملحوظ خاطر رہے۔ آپ کے خط سے اندازہ ہورہا ہے کہ آپ ایک بہت اچھی ٹیچر ہیں ہمیں بھی خوشی ہوئی ہے۔

رومان ملک...... جھنگ صدر

رومان! سلامت رہو۔ زندگی کٹھن اس لیے ہوگئی ہے کہ راستہ بدل گیا ہے۔ جس لیے آئے تھے وہ نہیں کر رہے۔ محبت بانٹنے آئے تھے نفرتیں بانٹ رہے ہیں۔ نتیجے میں زندگی کے مددگار دوست احباب عزیز و اقارب سب کو دور کرتے جارہے ہیں۔ عنبرین نواز کو خط لکھ دیجیے۔ چھپ جائے گا۔

طیبہ نذیر غفاری...... شادیوال گجرات۔

طیبہ! سلامت رہو۔ یقیناً ایسا لگتا ہوگا کہ آپ ہمیں دیکھ رہی ہیں ہر شخص اپنی تحریر میں پوشیدہ ہوتا ہے لفظ لفظ شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ محبت بھرے لفظوں سے محبت شہد کی مانند ٹپکتی ہے۔ تعارف دلچسپ ہوا تو چھپ جائے گا ورنہ نہیں۔

سیدہ امبر اختر...... چنڈی پور

امبر! خوش رہو۔ دعاؤں کا شکریہ۔ جنوری میں آپ [illegible] تعارف [illegible] چھپ [illegible] بہت پسند [illegible] ہے ورنہ چھاپ دیتے۔ اللہ آپ کی سب دعائیں قبول کرے آمین اور ان دعاؤں کا آپ کو اجر عطا فرمائے۔

فرزانہ...... فیصل آباد۔

فرزانہ دعا۔ خط ملا۔ دعاؤں کا بہت شکریہ۔ آپ کو بھی نیا سال مبارک۔ لیجیے خط شامل کردیا۔ سیرا آپی سے کہہ دیا کہ اب ناول ختم کردیں۔ زیادہ لمبا ہوگیا ہے۔ تعارف اگر اچھا ہوا تو چھپ جائے گا۔ مہنگائی والی بات آپ کی خود سمجھ میں آگئی ہے۔ ہم بھی کیا کریں۔ "میاں" محبت احترام کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ اسی لیے لوگ اللہ میاں بھی بولتے ہیں۔ یہ روزانہ کی زندگی میں شامل ہے اور کچھ علاقوں میں صرف اللہ میاں ہی بولا جاتا ہے۔ لہٰذا آپ اسے اسی طرح قبول کرلیجیے۔ سارے لفظ عزت و احترام کے ہوتے ہیں۔ صرف "میاں" ہی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ بہت سے لوگ تو "اللہ میاں جی" ملا کر بولتے ہیں۔

نجم انجم اعوان...... کراچی۔

نجم دعا۔ دعاؤں کا ڈھلا ہوا اور دعاؤں سے سجا ہوا خط ملا۔ آپ کی دعاؤں نے آنکھیں نم کردیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ اپنی رحمت کے سائے میں رکھے آمین۔ تعارف بھیج دیجیے۔ دلچسپ پیرائے میں لکھا ہوا بہنوں کو پسند ہے۔ مہنگائی کے بارے میں آپ نے ٹھیک تجزیہ کیا۔ یہ بھی اندازہ لگانا مشکل ہے کہ بات کہاں تک جاکر ٹھہرے گی۔

روبینہ ندیم...... کراچی۔

روبینہ ندیم ڈیئر! خوش رہو۔ دعاؤں بھرا خط ملا۔ شکریہ آپ کی ابتدائی تحریر میں اتنی پختگی نہیں تھی کہ ہر افسانہ چھپ جاتا۔ آپ کے دونوں ناولوں میں کاٹ چھانٹ کرنا ہے۔ جس کا وقت نہیں مل رہا۔ آپ کو چاہیے تھا کہ نیا افسانہ لکھ کر بھیج دیتیں۔ لکھنے والا لکھتا چلا جاتا ہے [illegible] آپ اپنے [illegible] لکھیے۔ ہوسکتا ہے۔ پرانے ناولوں سے نیا زیادہ مضبوط تحریر ہو۔ ارے یہ کیا لکھ دیا۔ خفا ہیں۔ نہیں بھی خفگی کیسی؟ ایسا مت سوچیے اور بہت اچھا سا افسانہ لکھ کر بھیج دیجیے۔

فرحت جٹ...... سیہر والا۔

فرحت دعا لیجیے جواب حاضر ہے۔ دوستوں سے داد وصول کیجیے۔ کوئی بھی ناول دوبارہ نہیں چھپتا۔ "محبت مر نہیں سکتی" بہت پرانی بات ہے۔ نئے نئے ناول پڑھیے۔ بہت کچھ بدل چکا ہے۔ لوگوں کی پسند، مزاج لکھنے والوں کا اسلوب وغیرہ یہ سب بدل چکا ہے۔

سائرہ زیدی...... جھنگ صدر

سائرہ ڈیئر! خوش رہو۔ کوشش کریں گے آپ کا صحیح نام چھپے۔ کبھی کبھی غلطی کو نظر انداز کر جایا کیجیے۔ تمام رائٹرز کو

آپ کی پسند پہنچ جائے گی۔ ہر کالم میں نام ہونا ضروری نہیں۔ البتہ کسی نہ کسی کالم میں آپ موجود ہوں گی۔ اداس نہ ہوں۔

تصویر العین...... اوکاڑہ سٹی

تصویر! سلامت رہو۔ ہاں ہاں آنچل پر آپ کا حق تسلیم کرتے ہیں۔ جو چاہیں بھیجیں نہ جانے کہاں کھو جاتی ہو۔ اقراء ملک دوسری ہیں۔ اقصیٰ اور شیبا کو ان کی شادی کی مبارک باد۔ ہماری طرف سے اور آپ کی جانب سے بھی۔ آنچل جیسی کہانیاں پیش کر رہا ہے وہ معیاری ہی ہیں۔ نئے نئے رائٹرز اتنی جلد پرانوں کی صف میں نہیں آ جاتے۔

نام نہیں لکھا......

پہچان لیا نام بھول گئے۔ محبت اپنی جگہ بھول چوک اپنی جگہ۔ پیاری سی نازک دل کش لڑکی اب اپنا نام بتا دو۔ ہاں یاد آیا۔ دو عدد کتب آپ نے بھیجی تھیں۔ آپ نے ہمیں ہنسا دیا۔ واقعی ذرا سی غلطی نے "پیا" کو "پپا" بنا دیا۔ [illegible] الی۔ نعت شریف دوسرے الگ صفحے پر لکھ کر بھیجنا چاہیے تھی۔ اب یہ نہیں چھپ سکے گی۔

شمائلہ اکرم......

شمائلہ! سلامت رہو۔ رونا دھونا منہ بسورتا خط موصول ہوا۔ دعاؤں کا شکریہ۔ اللہ آپ کو خوش و خرم رکھے آمین۔ ناراضگی بالکل نہیں کیسی ناراضگی؟ آپ کی آئی ہیں۔ ناراض کیسے ہو سکتے ہیں۔ اس خیال کو دل سے نکال دو اور وہی شمائلہ ہو جاؤ جیسی تھیں۔ اب بھی یہ نہ لکھنا "یہ میرا آخری لیٹر ہے۔" واپس لو اپنے الفاظ۔ تسلی ہوئی یا نہیں؟

شفق...... گوجرہ

شفق! دعا معصومانہ ناراضگی موصول ہوئی۔ بھی پسند معیار بھی دیکھا جاتا ہے خوب سے خوب تر کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اچھا ناراضگی ختم آنچل پسند کرنے کا شکریہ۔ آپ کے اس جملے نے سیروں خون بڑھا دیا۔ آنچل پڑھنے والی لڑکی بھٹک نہیں سکتی۔ آپ نے آنچل سے بہت سیکھا ہے۔ دعا کر رہے ہیں کہ آپ بہت اچھے نمبروں سے پاس ہو جائیں آمین۔

مسز نازیہ عابد...... حیدرآباد

نازیہ جی! سلامت رہو۔ بہت دنوں بعد خط موصول ہوا۔ ملک کے حالات بے شک اتنے ڈراؤنے ہو گئے ہیں کہ باہر نکلنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔ خاص طور پر چھوٹے چھوٹے بچے بہت متاثر ہیں۔ وہ ایک آزاد زندگی نہیں گزار سکتے۔ اپنی گلی کوچوں میں بھی نکلتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ آنچل میں کالم بڑھانے کی اب گنجائش نہیں ورنہ آپ کی تجویز پر غور کرتے جو مشورہ دیتے ہیں انہیں خود کسی سے مشورے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مسائل کے حل کے لیے "دینی" کتب پڑھیے۔

سیدہ شاہد...... فیصل آباد

سیدہ [illegible] ابھی [illegible] کہانیاں پڑھ کر لکھنا سیکھیے۔ ابھی شاعری نہ کیجیے۔ دوسروں کی شاعری پڑھ کر شاعری کرنا سیکھیے۔ آپ کو فی الحال شاعری کی اصلاح کے لیے کوشش کرنا چاہیے کسی استاد شاعر سے شاعری کی الف بے سیکھیے۔ امید ہے آپ کی سمجھ میں ہماری بات آ گئی ہوگی۔ آپ کو بھی نیا سال مبارک۔

رابعہ اکرم...... فیصل آباد

رابعہ ڈیئر! خوش رہو۔ پہچان گئے۔ کیوں نہ پہچانیں گے۔ قلم "رابعہ اکرم" لکھنے کا عادی ہے نا۔ سالگرہ کا مضمون بھیج دیجیے۔ اگر پسند آیا تو شائع کرنے میں تاخیر نہیں کریں گے۔ معذرت نازیہ کنول نازی کا ایڈریس فراہم نہیں کر سکتے۔ ان سے فون کے ذریعے رابطہ کر کے ایڈریس حاصل کر لیجیے دعاؤں کا شکریہ۔



ثمر زارہ...... پیرووال

ثمر ڈیئر! خوش رہو۔ آپ کا پہلا خط دعاؤں سے سجا ہوا مل گیا۔ آنچل پسند کرنے کا شکریہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کی دعائیں قبول کرلے اور آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے آمین۔ ہماری یہی کوشش ہوتی ہے کہ آنچل کے ذریعے "تفریح" کے ساتھ ساتھ زندگی کے رموز بھی آشکار کرتے رہیں۔ ایمان اور اخلاقی اقدار کو بھی واضح کرتے رہیں۔ جسے بھی راہ مستقیم مل جائے۔

سمیرا کاجل صدیقی...... جنڈانوالہ بھکر

کاجل! خوش رہو۔ دعاؤں سے سجا خط ملا شکریہ۔ ارے ارے ہم آپ کو کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کہانی بھیج دیجیے اگر قابل اشاعت ہوئی تو ضرور چھپ جائے گی۔ ورنہ "ناقابل اشاعت" میں جگہ بنا لے گی۔ یعنی کہیں نہ کہیں جگہ مل ہی جائے گی۔ ٹھیک جانتی ہو۔ ہم آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔

فرح طاہر...... ملتان

فرح ڈیئر! خوش رہو۔ ایک بہت نازک بات [illegible] غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے۔ بہرطور ان کو تنبیہ کر دی ہے۔ اپنے چھوٹے بھائی اویس کو بہت بہت سالگرہ مبارک۔ اللہ انہیں عمر دراز عطا فرمائے آمین۔ بہت سے خطوط سوچ سمجھ کر شائع کیے جاتے ہیں۔ امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی۔ حنیفہ سلیم کو "معرفت" کی پسند پہنچ جائے گی۔

مرینہ خان...... ملتان۔

مرینہ! دعا تعارف چھپ جائے گا۔ خط کا جواب حاضر ہے۔ آپ کی ہدایت کے مطابق ہم اپنا بہت خیال رکھیں گے۔ آپ ہمیں دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ نیا سال آپ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔ پڑھائی جاری رکھیے۔ موٹاپا اچھی چیز نہیں ورنہ ضرور موٹا کر دیتے۔ موٹاپے سے بہت سی بیماریاں آتی ہیں۔

ساجدہ زید...... ویرووالا چیمہ۔

ساجدہ جی! خوش رہو پہلا خط ملا۔ خوشی ہوئی۔ انتخاب اگلے ماہ چھپ سکے گا۔ فی الحال سب کام تیار ہو کر پریس چلا گیا۔ یہی کالم بچا ہے۔ لہٰذا آپ کے لیے جواب حاضر ہے۔ امید ہے آئندہ بھی شرکت جاری رہے گی۔

نادیہ نور...... زگوئی ترگ شریف۔

نادیہ! سلامت رہو طویل عرصہ بعد خط پڑھ کر خوشی ہوئی۔ مصروفیات اپنی جگہ رابطے اپنی جگہ دونوں کو آپ نے "گڈمڈ" کر دیا۔ گورنمنٹ جاب کی مبارک قبول کیجیے اور کوشش کیجیے دوبارہ رابطہ نہ ٹوٹے۔ جاب کے بعد فرصت ہی فرصت ہم اتنے مصروف بھی نہیں کہ خط نہ پڑھیں۔ خط کا ایک ایک لفظ پڑھتے ہیں۔ خط دل کی آواز ہوتا ہے۔ خلوص اور محبت میں گندھا ہوا۔ آپ کا کلام اور آپ کی دوست کا کلام شعبے کو بھیج رہے ہیں اگر معیاری ہوئیں تو منتخب ہو کر چھپ جائیں گی۔ تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا۔

شگفتہ خان...... ملتان

شگفتہ ڈیئر! [illegible] ضرورت نہیں چھپ جائے گا۔ جنوری میں متوقع ہے۔ بھولے نہیں ہیں آپ کو کیسے بھول سکتے ہیں۔ کبھی کبھی ڈھنگ ہو جاتی ہے انسانی ہاتھ ہیں۔ غلطی تو ہو گی جلدی بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اسی لیے ورکر غلطی کر جاتے ہیں۔

ناقابل اشاعت۔

قسمت کے کھیل نرپورٹ تم سے ہے زندگی تیرا ساتھ جو مجھ کو مل گیا خیر محبت اک داستان ادھوری سی انتظار ہے ساجن کا قافلے راہ بھول جاتے ہیں اجنبی پیاسن کو بھایا۔

# شیطان کی حقیقت قرآن کی روشنی میں

مولف: مشتاق احمد قریشی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو زمین پر آزمائش و امتحان کے لئے اتارا ہے اس امتحان کے لئے کہ وہ سیدھی اور راہ حق پہ خود اپنی کوشش سے کیسے قائم رہتا ہے اس کے اندر ایک نفسانی قوت بھی رکھی ہے جسے ہم انسان کے اپنے نفس کا شیطان بھی کہہ سکتے ہیں اس طرح باہر کا شیطان ہی انسان کو نہیں بہکاتا اس کے اندر کا شیطان بھی اسے بہکاتا رہتا ہے۔ جس کا علم ہمیں سورۃ ق کی اس آیت مبارکہ سے بھی ہو رہا ہے۔ ونعلم ما توسوس بہ نفسہ (ق۔۱۶) "ہم اس کے اپنے نفس سے ابھرنے والے وسوسوں کو جانتے ہیں۔"

اس طرح سے یہ بات یقین کو پہنچتی ہے کہ انسان کو شیاطین جن وانس ہی نہیں بلکہ خود اس کا نفس، اس کے اپنے غلط نظریات، ناجائز خواہشات بھی اس کی عقل کو گمراہ کرتے ہیں۔ انسان کی قوت ارادی، قوت تمیز، قوت فیصلہ اس کا شعور وادراک اس کی رہنمائی کرتے ہیں اور فیصلہ کرنے میں مدد دیتے ہیں سے اچھے برے کی بابت آگاہ کرتے ہیں اب انسان کا یہی کام رہ جاتا ہے کہ وہ اپنی قوت ارادی کو [illegible] درست کا انتخاب کرے [illegible] انسان [illegible] کردار اور [illegible] امتحان [illegible] اس دریا کو پار کرے [illegible] صرف خود کو محفوظ رکھے بلکہ اپنے پیروں کو بھی بچا لے۔ انسان کا نفس بھی اسی طرح وسوسہ اندازی کرتا ہے جس طرح شیطان وسوسہ اندازی کرتا ہے نہ شیطان نہ اس کی ذریات ہمیں نظر آتی ہیں نہ ہمارا نفس ہمیں دکھائی دیتا ہے اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:۔ وہ اور اس کا لشکر تمہیں اس طرح دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھتے (یاد رکھو) ہم نے شیطانوں کو انہی لوگوں کا دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔ (الاعراف۔۲۷)

آیت مبارکہ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ شیطان کا بس اہل ایمان اور متقی لوگوں پر نہیں چلتا، کمزور ایمان اور گمراہ لوگ ہی اس کا شکار بنتے ہیں وہی اس کی دوستی و رفاقت کا دم بھرتے ہیں وہ اپنا زور زیادہ تر اہل ایمان پر صرف کرتا ہے ان پر ڈورے ڈالتا رہتا ہے آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو شیطان اس کے قبیلے یعنی اس کے چیلے چانٹوں سے ڈرایا گیا ہے کہ کہیں کسی طرح وہ اہل ایمان کی غفلت سے کسی قسم کی سستی سے فائدہ اٹھا کر انہیں کسی طرح کسی فتنے اور گمراہی میں نہ ڈال دے جس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کو اس نے وسوسے میں ڈال کر جنت سے نکلوایا۔ شیطان انسان کا ایسا دشمن ہے جو نظر بھی نہیں آتا کب کس طرف سے کہاں سے حملہ آور ہوگا اس کی بھی خبر نہیں



ہوتی اس لئے اس سے بچنے محفوظ رہنے کا بندوبست و انتظامات بھی زیادہ کرنے کی ضرورت ہے ہر دم اس کے حربوں سے نفس کے ورغلانے بہکانے سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے یہ صرف اللہ کی اطاعت و بندگی پورے خلوص سے مسلسل کرنے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ شیطان کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ انسانوں کو اللہ کی راہ پر چلنے سے روکے گا اور انہیں گمراہ کر کے چھوڑے گا جیسا کہ سورۃ النساء میں آیا ہے۔

ترجمہ:۔ اور انہیں گمراہ کروں گا اور جھوٹی امیدیں دلاتا رہوں گا۔ (النساء۔۱۱۹)

قرآن کریم شیطان کے مخصوص انداز اور حربے سے اہل ایمان کو باخبر کر رہا ہے کہ شیطان کا یہ اولین کام ہے کہ وہ انسان کے دل و دماغ میں جھوٹی آرزو کو نہ صرف جنم دیتا ہے بلکہ ان کے حصول کے لئے جتنی کوششیں ہو سکتی ہیں انہیں خوش نما بنا کر پیش کرتا ہے تاکہ کسی بھی قدم پر انسان کو یہ محسوس نہ ہو سکے کہ وہ غلط راہ پر چل رہا ہے یا کوئی غلط کام کر رہا ہے انسان کو اس کے غلط کام اور برے اعمال کو خوشنما دل فریب بنا کر دکھانا ہی شیطان کا سب سے بڑا فریب ہے اس کی فریب کاریاں ایسی جاذب نظر، دل فریب ہوتی ہیں کہ انسان کو اس کے پیچھے چھپی حقیقت کا اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ درحقیقت کامرانی وکامیابی کے بجائے گمراہی کے گڑھوں میں گرنے کی اور جہنم میں جانے کی تیاری کر رہا ہے اور ایمان چھوڑ کر صراط مستقیم سے دور ہو رہا ہے اور شیطان کے پیچھے لگ کر خود اپنے اعمال سے خود اپنے قدموں پر چل کر اپنی دائمی تباہی و بربادی کا انتظام کر رہا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ جو بڑا ہی رحیم و کریم ہے وہ اپنے بندوں کی قدم قدم پر رہنمائی اپنی ہدایات کے ذریعے کر رہا ہے اور اپنی سزا و جزا کے بارے میں مطلع فرما رہا ہے سورۃ الانعام میں ارشاد ہو رہا ہے۔

ترجمہ:۔ تو جب ان کو ہماری سزا پہنچی تو انہوں نے عاجزی کیوں نہیں اختیار کی؟ بلکہ ان کے قلوب سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے خیال میں آراستہ کر دیا۔ (الانعام۔۴۳)

یہ حقیقت ہے کہ جب انسان کے برے اعمال اس کی نگاہوں میں اسے اچھے نظر آنے لگیں تو یہ وہ فریب ہے جس سے نکلنا ناممکن تو نہیں ہاں مشکل ضرور ہوتا ہے انسانی عقل حیلہ کرتی ہے اور اپنے غلط کاموں کے سلسلے میں ایسے ایسے دلائل تراش لیتی ہے کہ اسے کوئی غلطی نظر ہی نہیں آتی وہ دیدہ و دانستہ سب کچھ دیکھتے بھالتے سمجھتے ہوئے بھی شیطان کے فریب میں پھنس جاتا ہے۔ انسان تو انسان پوری پوری قومیں تک جب اخلاق و کردار کی پستی میں مبتلا ہو کر اپنے دلوں کو اپنی بداعمالی کے ذریعے اللہ کی راہ سے دور کر لیتی ہیں ان کے دل زنگ آلود ہو جاتے ہیں تو ایسے مدہوشی کے عالم میں انہیں عذاب الٰہی بھی خواب غفلت سے جھنجھوڑنے اور بیدار کرنے میں ناکام رہتا ہے اور ان کے ہاتھ نہ مغفرت کے لئے اٹھتے ہیں نہ ہی ان کے دل بارگاہ الٰہی میں جھکتے ہیں نہ انہیں اپنی بھلائی کی کوئی راہ سوجھتی ہے، کیونکہ ان کی بداعمالیوں، بدکاریوں پر تو شیطان نے سنہرے حسین ترین غلاف چڑھا رکھے ہوتے ہیں جن سے ان کے دل اپنی غلط کاریوں پر پوری طرح مطمئن ہوتے ہیں آیت مبارکہ میں ایسے ہی لوگوں اور قوموں کے احوال کے بارے میں ارشاد ہوا ہے یہی بات سورۃ النحل کی چوبیسویں آیت میں بھی دہرائی گئی ہے۔

ترجمہ:۔ شیطان نے ان کے (بد) اعمال انہیں خوش نما بنا کر دکھائے اور انہیں راہ حق سے روک د

یا سودہ سیدھی راہ نہیں چلتے۔ (النمل۔۲۴)

یہی بات سورۃ النحل میں بھی ارشاد ہوئی ہے۔

ترجمہ:۔شیطان نے ان کے اعمال بد ان کی نگاہوں میں آراستہ کر دیئے وہ شیطان آج بھی ان کا رفیق بنا ہوا ہے اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔ (النحل۔۶۳)

شیطان تو جس طرح روز اول سے انسان کا دشمن ہے ایسے ہی آج بھی وہ انسان کا دشمن ہے شیطان جس نے پچھلی امتوں کو گمراہ کیا وہ آج بھی ویسے ہی امت مسلمہ کو گمراہ کرنے پر کمربستہ و مستعد ہے اگر ہم اپنے چاروں طرف دیکھیں تو آنکھیں حیرانی سے پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں کہ شیطان کے یہ زینت اعمال کے مظاہرے کس طرح دل فریب انداز و خوبصورتی سے ہمارے سامنے پھیلے نظر آتے ہیں اور ہر طرف ابلیسی نظام کارفرما نظر آ رہا ہے اور اس کے کارپرداز اس نظام پر چلنے والے شیطانی نظام اعمال کی پیروی کرنے والوں سے اگر کچھ کہا جائے یا پوچھا جائے تو وہ اس کے حق میں ایسے ایسے دلائل فضائل بیان کریں گے اور اپنے لئے رحمت کا ذریعہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کیونکہ ان کے دلوں میں شیطان نے خود غرضی، حق ناشناسی، منفعت اور ہوس زر کے وہ سنہرے خواب بھر رکھے ہیں جس کے سبب وہ بے بنیاد خیالات و افکار کو بھی ٹھوس حقیقت ثابت کرنے سے دریغ نہیں کرتے اور اپنی تباہی و بربادی سے بے خبر اپنی دائمی بربادی پر شاداں و فرحاں نظر آتے ہیں اور آنے والے دائمی عذاب جس کی خبر آیت مبارکہ میں دی جاری ہے سے قطعی بے پروا اور بے خبر نظر آتے ہیں۔

انسانی زندگی کے ہر ہر شعبے میں شیطان مداخلت کرتا ہے لیکن [illegible] اس کی مداخلت [illegible]

[illegible] رسوم و معتقدات رسوم و رواج جو اس کے آباؤ اجداد سے موروثی طور پر چلے آ رہے ہوتے ہیں انسان ان کو اس قدر متبرک و مقدس خیال کرتا ہے اور انہیں دل کی انتہائی گہرائیوں میں جگہ دیتا ہے اور اس کے باوجود کہ ان اعتقادات کے بارے میں اللہ کے کھلے کھلے احکام موجود ہونے کے، شیطان کا ان اعتقادات کو خوش نما اور مقدس بنانے کی وجہ سے انسان انہیں ہر قسم کی تنقید سے بالاتر خیال کرنے کے باعث ان کے متعلق احکام الٰہی کے مطابق سوچنے کی نہ زحمت کرتا ہے نہ کسی طرح تیار ہوتا ہے کہ انہیں احکام الٰہی کی روشنی میں پرکھ تو لے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے عقل و فہم دے کر جو شرف بخشا ہے اسے کام میں لا کر راہ حق کو اپنا لے لیکن شیطان نے اسے اس طرح اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے کہ وہ قرآن کے احکام کی موجودگی کے باوجود شیطان کے پیچھے لگا رہتا ہے ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب الیم اور سزا کی خبر دی جا رہی ہے۔

(جاری ہے)

♥





# شگفتہ خان

ملیحہ احمد

آنچل فیملی کے روشن اور جگمگاتے ستاروں کی خدمت میں سلام اور ٹمٹماتے دیوں کو بہت سا پیار۔ ارے آپی جی.....! اپنی محفل میں جگہ دے بھی دیں سب کی مشتاق اور اشتیاق بھری نظریں ہم پر جمی ہیں (جن کے یہ دونوں بھائی ہیں ان سے معذرت)۔ میں اسم مسمٰی ہوں یعنی ”شگفتہ خان“ اپنے نام کی طرح ہی ہوں شگفتہ شگفتہ مگر بہت سنجیدہ بھی ہوں جن کے ساتھ Under Standing ہو جائے وہاں زبان کا رکنا محال اور جہاں نہ ہو وہاں زبان کا چلنا محال۔ میری ڈیٹ آف برتھ 21 ستمبر ہے۔ ہم ماشاء اللہ چار بہنیں اور چار بھائی ہیں اور ہم ان میں پانچویں نمبر پر ہیں۔ میں معمار قوم یعنی ٹیچر ہوں۔

[illegible]

اساتذہ سے سلام دعا ہے۔ بہنوں میں اپنی چندا باجی سے بہت کلوز ہوں۔ دوستوں میں طاہرہ جبیں سے سب کہہ سکتی ہوں۔ جو مجھے بہت پیاری ہیں اور جب بھی روتی ہوں تو سب سے پہلے باجو I.S یاد آتی ہیں۔ میرا نک نیم ”ٹونی“ ہے میرے بہت قریبی لوگ مجھے اس نام سے بلاتے ہیں جو مجھے بے حد پسند ہے۔ اپنا سا نام جو میں نے آج تک نہیں سنا۔ میں Un like تھوڑی سنجیدہ اور اکھڑ بھی ہوں لوگ کہتے ہیں ورنہ حقیقت میں ایسی نہیں ہوں باجی چندا اور شازی آپی اپنے بچوں کو ڈراتی ہیں۔ آ رہی ہیں ٹونی خالہ پوچھیں گی۔ میں معصوم سی بندی اور ظلم دیکھیں۔ جب غصہ آتا ہے تو لہجہ بہت زیادہ سرد اور مؤدب ہو جاتا ہے ثریا بھابی کہتی ہیں کہ تم بہت عزت سے بے عزتی کرتی ہو۔ غصے میں پورے نام سے بلاتی ہوں۔ صائمہ اقراء

اور بھتیجی لائبہ، عنبر سے نہیں ڈرتے مجھ سے ڈرتے ہیں۔ تعلیم کے حوالے سے کہوں گی کہ طفل مکتب ہوں۔ ویسے ایم۔ اے، بی۔ ایڈ ہوں اور ایم۔ اے بھی تین کر چکی ہوں۔ اردو، اسلامیات اور ایجوکیشن ہم مہاجر اور Urdu Speking ہیں اور یہ بھی ایم۔ اے اردو کا اثر کہ میری اردو بہت اچھی ہے۔ شاعری پڑھنے میں لہجہ اور تلفظ اچھا ہے۔ ایسا میں نہیں کہتی جو مجھے سن چکے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ”شاعر نے جو کہا سو کہا جو آپ کے لہجے نے ادا کیا اس کی کیا بات ہے۔“ (یہ بات میرے سر نے ہیڈ ٹیچرز ٹریننگ کی کلاس میں کہی تھی غلط نہیں سوچنا)۔ اپنی باجو کی بات مجھے نہیں بھولتی انہوں نے مجھ سے فون پر نظم سنی تو کہنے لگیں۔ ”تمہارے لہجے میں جذبے بولتے ہیں جیسے تمہارا پیار تمہارے سامنے ہو۔“ خیر جی تعریف کیا کرنی برائیاں بہت ہیں مجھ میں۔ میں جلد اعتبار کر لیتی ہوں اور آنچل نے دل کو صرف محبت کرنا سکھایا ہے سو مجھے

[illegible]

ہیں بھی چار دن کی زندگی ہے وہ [illegible] کی نذر کروں؟ ہنسو کھیلو پیار کرو اور مسکراہٹیں تقسیم کرو چاہتیں بانٹو بھلا نفرتوں کے لیے کہاں وقت ہے ہمارے پاس کچھ عادتیں بہت عجیب سی ہیں۔ جن پر ڈانٹ بھی کھاتی ہوں اور آپ لوگوں نے نہیں کہنا کہ ”عجیب ہو یار تم بھی۔“

میں سویٹ ڈش ہمیشہ کھانے سے پہلے کھاتی ہوں وہ بھی گرم یعنی کھیر، کسٹرڈ، حلوہ سب کچھ بعد میں بالکل نہیں چکھتی۔

میں نے آج تک کبھی چاول نہیں پکائے۔ میرا دل گھبراتا ہے روٹی شوق سے پکا لیتی ہوں۔

میں نے آج تک تربوز نہیں کھایا۔ چکھا بھی نہیں۔

اور میں چاول چائے میں ڈال کر بہت شوق سے کھاتی ہوں۔ جس پر چھوٹا بھائی زوبی اکثر پوچھتا ہے

ایسے کون کھاتا ہے اور میں فخر سے بتاتی ہوں کہ "شگفتہ
خان" کھاتی ہے۔ اور ایک بات جس پر میں اکثر بہت
ڈانٹ کھاتی ہوں کہ میرے سر سے دوپٹہ نہیں اترتا پتا
نہیں کیوں ایسا ہے کہ سر سے دوپٹہ اتارنا اچھا نہیں لگتا
شادی بیاہ میں تو خصوصاً لیڈیز گیدرنگ میں اکثر ڈانٹ
کھاتی ہوں کہ خیر ہے اگر اتر جاتا ہے تو کیوں تم پھر
سے اوڑھ لیتی ہو یار میں کیا کروں "میرے وس دی گل
نئیں۔" مجھے پنجابی نہیں آتی مگر چند جملے ضرور بولتی
ہوں جس کو سن کر سب بہت Enjoy کرتے ہیں۔
مجھے شاعری اور چائے بہت زیادہ پسند ہیں۔ رسالے
پڑھنا میرا جنون ہے اور محبت مجھے ہر رنگ ہر رشتے میں
بہت پسند ہے مجھے بارش، جگنو، چاندنی راتیں، بادل، ہوا،
پھول، خوش بو بہت خوش کر دیتی ہیں مجھے جذبوں کے
اظہار کے لیے کارڈز اور ایس ایم ایس کرنا بہت پسند
ہیں۔ مجھے گفٹ دینا اور لینا بہت پسند ہے مجھے لڑکیاں
پسند ہیں ہے ناں عجیب بات اور اصل میں شروع میں
ایسے تنگ لڑکوں والی کٹنگ اور Dresing میں رہی
[illegible]
ری تیاری بس اتنی سی ہوتی ہے دائیں بازو میں
بریسلیٹ یا دو باروں والا کڑا، بائیں ہاتھ میں دو گولڈ کی
رنگ بائیں پاؤں میں ایک پائل کانوں میں ٹاپس اور
شادی میں جانے کے لیے بس لپ اسٹک لگا لیتی
ہوں جو مجھے بہت سوٹ کرتی ہے ارے ہاں اکثر
لڑکیاں کہتی ہیں۔
مجھے بچے بہت پسند ہیں بیٹیاں تو بے انتہا پسند ہیں
میری امی بہت سلیقہ مند خاتون ہیں کڑھائی سلائی
کھانا پکانا سب میں بہترین ہیں اور ہم بیٹیاں یار تھوڑی
تھوڑی ان جیسی ہیں شک کی نظر سے کیوں دیکھ رہی
ہیں۔ سلیقہ مند نہیں مگر پھوہڑ بھی نہیں ہیں۔ کرنا چاہیں
تو سب کر لیں نہ چاہیں تو کچھ بھی نہیں۔ صنف مخالف
میں کوئی خاص دلچسپی نہیں بس کبھی "عباد عذیر" کو سوچتی

ہوں تو خواہش ہوتی ہے فرحت اشتیاق نے پتا
نہیں "عالی" جیسا بندہ کہاں سے ڈھونڈا تھا کیونکہ میں
بھی "عالی" جیسی ہی ہوں محبت کے معاملے میں اتنی
ہی شدت پسند اتنی ہی Caving اور اتنی ہی
Loving۔ میں نخرہ کسی بھی معاملے میں نہیں کرتی۔
مجھے فیروزی کلر بہت پسند ہے اور بلیک بھی باقی تمام
چیزوں میں کچھ بھی جنون کی حد تک پسند نہیں ہاں میں
اپنے رسالے کسی کو نہیں دیتی پڑھنے کے لیے بھی نہیں
کیونکہ لوگ ان کو خراب کر دیتے ہیں اور میرے پاس تو
1993ء کا رسالہ بھی ایسا ہے جیسے آج ہی لیا ہو اللہ تعالیٰ
سے اس کے محبوب اور اس کے محبوب کے پیاروں
سے بے پناہ عشق ہے میری شدید ترین خواہش ہے کہ
حج کر سکوں اور عراق جا سکوں اور جناب ماہ دولت تک
بندی بھی کر لیتے ہیں۔ شاعری اس لیے نہیں کہوں گی
کہ ان تک پہنچ نہیں سکتی بس کچھ بول پسند ہوں طاہرہ کو
دعا دیتی ہے کون اب ڈائریاں کھنگالے سیچ کرے اسی
وقت لکھا کرے۔

تیری آنکھوں میں سدا پیار کے گلشن ہیں
[illegible]
[illegible]

رضوانہ یاسمین کی شادی پر اس کی شادی سے تین
دن پہلے اس کو احساس دلاتا تھا کہ دن کم رہ گئے ہیں۔
ان کی رخصتی میں یہ لکھ دیا

ہر شام کا ڈھلتا ہوا سورج یہ بتاتا ہے مجھے
ایک دن اور قریب آ گئی ہے جدائی تیری
ہر گزرتا لمحہ دل کو رلاتا ہے مجھے
آخر اب سنی ہے اس دل کو دوائی تیری

یار اب کون ڈائریاں کھولے اور پھر لکھے۔ محفل
میں مزے سے لیتے ہیں جو دل چاہا وہ اس وقت کی
مناسبت سے لکھ دیا۔ میں اظہار کے معاملے میں
بہت بولڈ ہوں میری مسز کہتی ہیں نوٹی تم بے باک
ہو۔ دراصل جواب دینے سے میں چوکتی نہیں تو
انہوں نے مجھ معصوم کو بے باک بنا ڈالا ویسے میں



بہت شرمیلی ہوں (نحوست)۔ جن سے پیار ہوتا
ہے بلا جھجک کہہ دیتی ہوں یاد کر رہی ہوں یا اچھی لگ
رہی ہوں تو فوراً کہہ دیتی ہوں۔ ہمارے سر کہتے
تھے آپ میں بہت کانفیڈنس ہے جب کہ میرا ذاتی
خیال ہے مجھ میں نہیں ہے۔ رضوانہ یاسمین سے میں
نے پوچھا مجھ میں اچھا کیا ہے کہتی ہے بہت مشکل
سوال ہے بہت سوچنا پڑے گا۔ سوچ کے جواب ملا
کہ آپ کی آنکھیں پیاری ہیں ہاتھ پیارے ہیں
اور ہونٹ (بندہ پوچھے میری غریب ناک کا کیا
قصور) اور Simple اور Nice Dressing
آپ نے اوپر تو دیکھا نہیں ہوتا سب سے زیادہ اچھا
جو اسے لگتا ہے وہ میرا سر پر دوپٹہ لینا۔ رضوانہ سے
تعریف کروانا ایسے ہے جیسے جوئے شیر لانا۔ رضوانہ
میری دوست تو نہیں ہے بہن بھی نہیں اور کوئی لگ بھی
نہیں بس ایک بہت خوب صورت سا تعلق ہے میرا
اس کے دل سے جس کو وہ جانتی ہے یا میرا رب۔ ہم
دونوں جب بات کرتے ہیں تو ہیں ایک دوسرے کی
[illegible]
ہیں ایک دوسرے کی خوب عزت افزائی کرتے ہیں
سوائے حالات میں وہ مجھے "اچھا" کہہ دے تو کتا
چونے کے مترادف ہوتا ناں۔ دوستو! سب شعراء
سب رائٹرز سب ہی بہت پسند ہیں جیسے مالی کو اپنے
چمن کے ہر پھول سے بہت زیادہ پیار ہوتا ہے
چاہے وہ گلاب ہو یا گیندا موتیا ہو یا چنبیلی۔ مجھے بھی
اپنے "آنچل" کی ہر رائٹر ہر قاری سب بہت پسند
ہیں چلیں جلدی جلدی بتا دیں مجھ سے دوستی کس کس
نے کرنی ہے۔ تعارف بہت لمبا ہو گیا ایسا نہ ہو آپی
جی اٹھا کر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیں۔ آپی جی
ترتیب سے لکھنا مجھے آتا نہیں یعنی فارمل ہوتا کہ میں
ترتیب سے آپ کو گھڑے جواب دیتی جیسے
میں اپنی زندگی میں ہوں بس ایسے ہی مجھے لکھنا آتا
ہے لفظ، قلم، کتاب میرے بچپن کے ساتھی اور
میرے عزیز ترین دوست جو مجھے کبھی پریشان نہیں
ہونے دیتے۔ طاہرہ میری دوست کہتی تھی کہ
تمہارے لکھنے میں بہت روانی ہے اور تم ایسے لکھتی ہو
جیسے سامنے بیٹھی گفتگو کر رہی ہو آپ سب کو پسند
آئے تو ٹھیک نہ آئے تو مرضی اللہ کی۔ رضوانہ کو کہہ
دیتی ہوں کہ I dont care go to hell and
eat youo husband مگر آپ لوگوں کو تو نہیں
کہہ سکتی ناں۔ بس اتنا کہوں گی کہ اللہ صبر کرنے
والوں کو پسند کرتا ہے۔ سو پیارے بچوں صبر سے کام
لو کہ بس ہم جا ہی رہے ہیں اور میری دعائیں آپ
سب کے لیے اور آپ لوگ مجھے دعاؤں میں یاد
رکھیے گا۔ پلیز پلیز نفرتیں کم کم کریں اور محبت کرنا
سیکھیں کہ زندگی بہت مختصر ہے بے لوث بے تحاشا
اور بے غرض محبتیں کریں "انا" کو چھوڑ دیں یہ بس
دکھ ہی دیتی ہے۔ اجازت دیں اللہ حافظ۔



## عاصمہ اشرف

السلام علیکم! کیا حال چال ہیں۔ خوب بن سنور
کر آئے ہیں "ہمارا آنچل" میں ڈھیر ساری دوستوں
کو جانتے ہیں اجنبی بالکل نہیں ہم بھی تعارف اپنا
ساتھ لائے ہیں پیارے پڑھنے والو غصے سے نہیں جی تو ما
بدولت کو "عاصمہ اشرف" کہتے ہیں مگر گھر والوں نے
پیار سے بگاڑ کر "عاصی" رکھ دیا جو بالکل پسند نہیں بڑی
مشکل سے آج کل گھر والوں کو اپنا اصلی نام یاد
کروانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن تین سالہ
"عبدالوہاب" کے منہ سے عاصی آنی سننا ہی اچھا
لگتا ہے۔ چودہ جنوری کو گھر کی رونق بڑھانے اور
امی کو تنگ کرنے دنیا میں تشریف لائے اسٹار کیپری
کورن ہے واسطے تعلق ہے جو کہ جان سے پیارا
ہے تین بہنیں اور ایک بھائی ہے ہمارا نمبر دوسرا ہے۔

سو گھر والوں سے خوب لاڈ اٹھوائے اور اب بھی امی جان کا پیار سمیٹنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ چاہے پیار کے بدلے ڈانٹ ہی کیوں نہ پڑے۔ بہنوں کی شادیاں ہو چکی ہیں ایک ہم ہیں طرح طرح کے مشق ستم سہتے ہیں سارا دن امی جان کے ہاتھوں گھر [illegible] بی بننے کی کوشش کرتے ہیں چاہے کام پہلے سے بھی زیادہ بگاڑ کر رکھ دیں لیکن [illegible] بنا شرط ہے تعلیم کے بارے میں یہی کہیں گے کہ آسمان سے گرے کھجور میں اٹکے نہ نیچے اتر سکے ہیں نہ اوپر جا سکتے ہیں، بس وہیں بیٹھے کھجوریں کھا رہے ہیں اب آپ سے کیا چھپائیں سمجھ تو آپ گئے ہوں گے خامیاں لکھنے کے لیے اگر صائمہ سے پوچھوں تو اس نے بھی لسٹ بنا کر دیوار پر چپکا دینی ہے تاکہ رات دن اپنی خامیوں پر نظر رہے لیکن یہ غلطی نہیں کی کیونکہ [illegible]یں فوراً غصہ آ جاتا ہے تنقید برداشت نہیں ہوتی [illegible]ں اور اگر کوئی مشورہ مانگے پھر رد کردے تو بہت [illegible]صہ آتا ہے۔ ایک گلاس ٹھنڈا پانی پی کر بھی غصہ ختم نہ [illegible] لے یا بے ایمانی کرے تو بہت دکھ ہوتا ہے اور یہ [illegible] ایسا ہوتا ہے کہ پھر کسی سے بات کرنے کو دل بھی [illegible] نہیں چاہتا۔ رازداں بالکل اچھی نہیں ہوں فوراً پیٹ [illegible] درد ہونے لگتا ہے سو ہم کسی کے راز کی بھاری [illegible] نوکری نہیں اٹھاتے اور نہ ہی اپنا راز کسی کو دیتے [illegible] (عقل مند جو ہوئے) یہ تو بہت عام سی خامیاں [illegible] اصل خامی تو یہی ہے کہ نماز کی پابندی نہیں کرتی [illegible] یہ خامی سب خامیوں پر بھاری ہے آپ سے التجا [illegible] ہے کہ آپ دعا کریں کہ میں نماز کی پابند ہو جاؤں [illegible]یاں لکھنے کے لیے تو حافظے کی ٹوکری کھنگالنی [illegible] گی۔ تھوڑا انتظار کریں چند ایک ہی برآمد ہوں گی [illegible] چلیں کوئی بات نہیں ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہی [illegible] ہوتا ہے امی کہتی ہیں کہ میری بیٹی بہت اچھی ہے کیونکہ ماں سے زیادہ کوئی اپنی اولاد کے بارے میں نہیں جانتا کسی کا دکھ اور پریشانی برداشت نہیں ہوتی دل چاہتا ہے کہ ان کے سارے دکھ اور پریشانی خود لے لوں اور ان کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دوں قناعت پسند ہوں تھوڑے میں بھی خوش رہتی ہوں۔ لالچ، حرص، ہوس اور حرام رزق سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں جو دنیا اور آخرت میں رسوا کرے۔ خواب دیکھنے کا ٹائم ہی نہیں ملتا کیونکہ آج کل اتنی مہنگائی اور مسائل ہیں کہ خواب بھی بلیک اینڈ وائٹ نظر آتے ہیں۔ کھانے میں میٹھی چیزیں بہت پسند ہیں مرچ مسالے والی بالکل نہیں لیکن پھر بھی کھانی تو پڑتی ہیں لیکن میٹھا زیادہ کھاتے ہیں اور پھر بولتے اتنی مٹھاس سے ہیں کہ سامنے والا بھاگنے کے چکر میں ہوتا ہے کہ کہیں ادھار ہی نہ مانگ لے خیر ایسی نوبت تو کبھی نہیں آئی اور خدا ایسی توفیق ہی نہ دے فیشن کے وائرس کا کچھ پتا نہیں چلتا کہ کون سی بیماری آئی ہوئی ہے امی خود ہی کپڑے [illegible] ہوتی ہیں ہم اس جھنجھٹ سے [illegible] دوستوں میں مصباح [illegible] دوست [illegible] بات شیئر کرتی تھی لیکن مصباح کی شادی کے بعد بھانجے صاحب کی آمد نے ساری دوستی کو چھڑوا دیا اس جیسی دوست چراغ لے کر ڈھونڈنے گئے پھر وہ تو نہ ملی لیکن ”رومان ملک“ مل گئی اور ہم اسی پر صبر و شکر کر کے بیٹھ گئے (ہاہاہا) ایک بار رومان نے تعریف کر دی تو ہم اصلی جھوٹی تعریف جاننے کے چکر میں اس کے چہرے کو اتنے غور سے دیکھا کہ ناراض کر بیٹھے لیکن کسی کی ناراضی برداشت نہیں ہوتی۔ سو فوراً منا بھی لیا آپ سب کی طرح مجھے بھی رات کو چاند دیکھنا بہت اچھا لگتا ہے اور چاند کو تسخیر کرنا چاہتے ہیں لیکن اپنی اس خواہش کا اظہار کر کے ہم پاگل مشہور نہیں ہونا چاہتے جس پر پہلے ہی دشمنوں کو شک ہے پھول پودوں کا بہت شوق ہے جی بھر کے اس شوق کو پورا کیا لیکن



حسرت غنچوں پر جو بن کھلے مرجھا گئے لیکن کوئی بات نہیں جب تک زندگی نے وفا کی ہم بھی اپنے اس چھوٹے سے باغ سے وفا کریں گے اور شعیب سے مالی کا لقب سنتے رہیں گے ”مسکان“ ”اسا ورہ“ اور ”مرحب“ بہت پسند ہیں۔ مسکان نام اپنا رکھ لیتے مگر ہماری فیملی کو اعتراض ہوتا کہ پہلے کم ہنستی ہو جو اب نام بھی مسکان رکھ لیا ہے کیونکہ دل ہر وقت ہنسنے ہنسانے کو چھوٹی چھوٹی شرارتیں کرنے کو مچلتا ہے کتابیں پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ دل چاہتا ہے کہ اپنی ذاتی بہت بڑی لائبریری ہو لیکن کیا کریں ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے۔ جنگل دیکھنے کا بہت شوق ہے لیکن جنگلی جانوروں سے دو، دو ہاتھ کرنے کا نہیں۔ (ٹارزن کی رشتہ دار مت سمجھنا) اف کہیں شعیب نے پڑھ لیا تو حقیقت میں کسی جنگل میں نہ چھوڑ آئے کیونکہ شعیب اور میری بہت لڑائی ہوتی ہے۔ سردیوں کی بارش بہت پسند [illegible] بہت لگتا ہے۔ وادی [illegible] سیر دیکھنے کا بہت شوق ہے کیونکہ جتنا اس کے حسن کے بارے میں پڑھا ہے اتنا ہی شوق بڑھا ہے حسن پرست بس اتنی ہی ہوں کہ خوب صورت آنکھیں بہت پسند ہیں یا پھر جن کے ڈمپل پڑتے ہوں شاعری سے تھوڑا بہت لگاؤ ہے مجھے بدذوق ہی ہوں۔ انا پرست بہت ہوں کسی سے ادنیٰ چیز بھی مانگنا گوارا نہیں کسی شاہی خاندان سے تعلق نہیں آپ غلط سمجھے ”ملک“ کہلاتے ہیں اپنے والدین سے بہت محبت ہے ان کے متعلق کوئی بھی بری بات برداشت نہیں ہوتی فوراً آنکھوں میں انتقامی خون اتر آتا ہے۔ (آپ ڈریں)۔ زندگی کی تین خواہشیں ہیں ایک کے پورا ہونے کی دعا مانگی ہے کہ قرآن ترجمے کے ساتھ پڑھوں اور ایک ایک لفظ سمجھ کر عمل کروں آمین۔ باقی دو دل کے گھر میں رہتی ہیں اور ستاتی ہیں دعا تو کرتے ہیں مگر چاہتے ہیں کہ وہ آخرت میں کام آئیں (نیک خواہشات ہیں) کیونکہ اگر ہر خواہش پوری ہو جائے تو پھر زندہ رہنے کی جستجو نہ رہے کیونکہ خواہش ہی تو زندہ رکھتی ہے حال دل تو آپ سے کہہ دیا اب آپ کی دعاؤں میں شامل ہونے کی درخواست ہے آگے آپ کی مرضی یاد رکھیں یا نہ رکھیں ہم کو تو جب آپ سے ملنے کی خواہش ستائے گی آنچل کے کسی نہ کسی سلسلے میں آپ سے ملتے رہیں گے ذرا اپنی تیاری پر بھی نظر ڈال لیں کیونکہ گھر سے تو خوب بن سنور کر آئے تھے مگر آپ نے لفٹ ہی نہیں کروائی اسی لیے ناراض ہو کر جا رہے ہیں کم از کم یہ شعر تو آپ پڑھ ہی سکتے ہیں۔

یوں بات بات پر روٹھنا اچھا نہیں فراز
ہم نہ ہوں گے تو کون منائے گا تمہیں

(ہاہاہا) اب اتنی بھی ناراض نہیں چاہیے آپ [illegible]

[illegible]

[illegible] ہوں آنکھوں کا منظر ملے گا
گھر چھوڑ کے مت جاؤ کہیں گھر نہ ملے گا
پھر یاد بہت آئے گی زلفوں کی گھنی شام
جب دھوپ میں کوئی سایہ سر پہ نہ ملے گا
آنسو کو کبھی اوس کا قطرہ نہ سمجھنا
ایسا تمہیں چاہت کا سمندر نہ ملے گا
اس خواب کے ماحول میں بے خواب ہیں آنکھیں
جب نیند بہت آئے گی تو بستر نہ ملے گا
یہ سوچ لو اب آخری سایہ ہے محبت
اس در سے اٹھو گے تو کوئی در نہ ملے گا

# خواب بنے پہیلے

صبا جاوید

جو کچھ بھی ہیں رنج و راحت
تیری نوازش، تیری عنایت
سب کچھ ہے تیری بدولت
ورنہ کیا ہے میری حقیقت

آگ اگلتی زمین، شعلے برساتا آسمان۔ گرمی میں جھلستے دو نازک وجود اور سنسان علاقہ اِکا دُکا گاڑیاں گزر جاتیں۔ رمشہ نے یمنی کا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ جیسے ذرا سا ڈھیلا چھوڑا تو وہ بھاگ جائے گی۔ اندھا دھند وہ سڑک پر چل نہیں بلکہ دوڑ رہی تھی۔

"رمشہ میں مزید نہیں چل سکتی۔" یمنی نے [illegible] قریباً ہانپتے ہوئے کہا۔ چہرہ پسینے سے تربتر تھا اور دھوپ کی تمازت سے سرخی بھی دوڑنے لگی تھی۔ رمشہ کا حال بھی کچھ مختلف نہ تھا۔

"چل نہیں سکتی تو گود میں اٹھالوں۔ بے شک یہ سین فلموں جیسا حادثاتی ہے لیکن یہاں ہماری مدد کے لیے کوئی ہیرو انٹری نہیں مارنے والا۔" وہ مزے سے بولی۔

"اتنی بڑی مصیبت میں پھنسنے کے باوجود تم کتنی پُرسکون ہو۔ کم از کم اس وقت تو اپنے افسانوی خیالوں سے باہر نکل آؤ۔ ہم پورے پچیس منٹ لیٹ ہیں۔" یمنی نے اسے حالات کی سنگینی کا احساس دلایا تو وہ کچھ سیریس ہوئی۔

"اب کیا کریں یار۔ یہاں سے وہاں تک لمبی سڑک کے علاوہ کچھ دکھائی ہی نہیں پڑتا۔"

"سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ کیا ضرورت تھی لاسٹ ڈے انجوائے کرنے کی۔ کالج میں لاسٹ ڈے تھا لیکن سارے ارمان تو آج ہی نکالنے تھے میڈم کو...... لیٹ ہوئے اور اب اس گرمی میں جھلس رہے ہیں۔ ایک ساتھ اتنے عذابوں کا نزول صرف تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔" ایک جھٹکے سے ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کر کے وہ سڑک کے بیچوں بیچ رُک کر تمام حساب بے باق کرنے لگی۔ رمشہ نے خاموشی سے منہ موڑ لیا۔ بہر حال غلطی تو اس کی تھی۔

وہ پچھلے پانچ منٹ سے سڑک کے کنارے دبک کر کھڑی تھی۔ لیکن حل نہیں سوجھ رہا تھا۔ ہر گزرتا لمحہ ان کی گھبراہٹ میں اضافہ کر رہا تھا۔

رمشہ اور یمنی آئی سی ایس کی طالبات تھیں۔ آج کالج میں ان کا لاسٹ ڈے تھا۔ چنانچہ تمام سہیلیوں نے مل کر پارٹی کا پروگرام بنالیا اور ساتھ میں ان دونوں کو بھی گھسیٹ لیا۔ رمشہ اور یمنی ایسی خرافات کی قائل نہ تھیں کچھ ان کے حالات بھی اجازت نہ دیتے تھے۔ لیکن پھر رمشہ جی کڑا کر کے ان کے ساتھ ہوگئی۔ یمنی نے لاکھ آنکھیں دکھائیں لیکن

اس نے ہمیشہ کی طرح نظر انداز کر دیا۔ باتوں باتوں میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا حتیٰ کہ ان کی پوائنٹ کی آخری بس بھی نکل گئی۔ کینٹین میں دیوار گیر گھڑی پر نظر پڑتے ہی دونوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ ان کے پوائنٹ کو نکلے آٹھ منٹ گزر چکے تھے۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئیں بس اسٹاپ پر پہنچیں اس امید پر کہ شاید آج گھڑی کا ٹائم غلط ہو یا بس لیٹ ہو جائے مگر گھڑی بھی ٹھیک تھی اور بس بھی ان ٹائم تھی۔ لیٹ تھیں تو وہ دونوں۔ وہ مسلسل بیس منٹ سے پیدل چل رہی تھیں۔ نہ قدموں کی رفتار نے مسافت سمیٹی نہ پریشانی نے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کبھی بھی گھر نہیں پہنچ پائیں گی۔ یمنیٰ تو باقاعدہ رونے لگی تھی۔

"سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ بہت اڑنے لگی ہو۔ یہ تھرڈ کلاس ناولوں نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے۔" وہ ایک بار پھر اس پر برس پڑی۔

[illegible] ہے ان یا میری غلطی [illegible] اب تم [illegible] ہو کر یوں رو رہی ہو تو۔

"تو اور کیا کروں بھنگڑے ڈالوں تمہارے شاندار کارنامے پر۔" اس نے چلا کر کہا۔ ابھی وہ اسے ڈانٹنے کے عظیم مرحلے سے گزر رہی تھی کہ اچانک ایک سفید کار ان کے قریب آ کر رکی۔ وہ دبک کر دو قدم پیچھے ہٹیں اور گاڑی کو دیکھنے لگیں۔ فرنٹ ڈور کھول کر باہر آنے والی شخصیت بلاشبہ مسحور کن تھی۔ چند لمحے تو وہ پلکیں جھپکانا ہی بھول گئیں۔ رمشہ کو لگا جیسے وہ اپنے کسی خواب میں سفر کر رہی ہوں۔

"ایکسکیوزمی آپ کو کوئی پرابلم ہے تو اسے کسی ڈھنگ کی جگہ ڈسکس کریں۔ یوں سڑک کے بیچوں بیچ کھڑے ہو کر آپ کیا ثابت کرنا چاہتی ہیں۔" مقابل کافی غصے میں معلوم ہوتا تھا۔ رمشہ اور یمنیٰ کو واقعی ڈھیروں ڈھیر شرمندگی اور خفت نے آ لیا۔ وہ واقعی مناسب جگہ پر کھڑی تھیں۔

"سوری..... وہ ایکچوئلی ہماری بس مس ہو گئی۔" بالآخر رمشہ نے ہی بولنے کی ہمت کی۔ گرتے پڑتے ایک آدھ جملہ زبان سے پھسل ہی گیا۔

"اوہ ویری بیڈ لیکن محترمہ مسائل یوں ڈسکس نہیں کرتے ورنہ وہ تو حل ہوتے نہیں البتہ ہم ضرور خدا کا گھر دیکھ لیتے ہیں۔" اس کا انداز ناصحانہ تھا۔ "اینی وے اب یہاں آپ کو کوئی کنوینس ملنا تو مشکل ہے آیئے میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں۔"

"نہیں ہم چلے جائیں گے۔" یمنیٰ نے پہلی بار لب کشائی کی اور رمشہ کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔ لیکن یمنیٰ پہلے ہی رمشہ کی بے وقوفی کا خمیازہ بھگت رہی تھی اب مزید کی گنجائش نہیں تھی وہ ایک اجنبی پر [illegible]

"[illegible] پرابلم سمجھ سکتا ہوں میڈم۔ میں آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

"یمنیٰ میں تیرا سر توڑ دوں گی اب اگر تو نے کوئی پرابلم کھڑی کی۔ وہ سیدھا سیدھا ہمیں گھر چھوڑ دے گا۔ شکل دیکھ کتنا شریف آدمی ہے۔ تو خدا کا شکر ادا کر یہ آدمی مل گیا ہے۔ ورنہ آئندہ گھر والوں کو شکل نہیں دکھا پائیں گے۔" اس نے یمنیٰ کو سرگوشی میں سمجھانے کی کوشش کی جو اب بھی متذبذب تھی۔

"اب چل بھی۔"

اس نے زبردستی اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے بیک ڈور کھول کر گاڑی میں دھکیل دیا اور خود بھی بڑی شان سے براجمان ہو گئی۔ نو وارد نے بھی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔



"دیکھیے آپ دونوں میں سے کسی ایک کو فرنٹ سیٹ پر بیٹھنا ہو گا۔ ورنہ میں آپ کا شوفر لگوں گا۔" کتابی داڑھیوں کے گوشوں پر مسکراہٹ کے شگوفے نمودار ہوئے تھے۔ وہ براہ راست رمشہ کو دیکھ رہا تھا۔ یمنیٰ تو یوں لاتعلق ہو کر بیٹھی تھی جیسے گاڑی میں ان دونوں کے سوا کوئی ہے ہی نہیں۔ اس نے مدد طلب نگاہوں سے یمنیٰ کو دیکھا لیکن اس کا انداز ایسے تھا جیسے کہہ رہی ہوں "خود ہی مصیبت گلے باندھی ہے اب بھگتو۔"

رمشہ لاکھ بولڈ سہی۔ ایڈونچرز کی دلدادہ اور خوابوں میں رہنے والی ہی لیکن جب حقیقت میں مشکل کی گھڑی آئی تو قدرے گھبرا گئی مگر یمنیٰ کی طرف سے مدد کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔ ناچارہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ رمشہ تقریباً فرنٹ ڈور کے ساتھ چپکی ہوئی تھی اور آدھی سیٹ خالی تھی۔ اسے اس لڑکی کے گھبرائے گھبرائے انداز پر بری طرح ہنسی آئی لیکن اس کا اظہار کر کے وہ اسے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ [illegible] مسکراہٹ دبا لیا۔

"آپ آرام سے بیٹھیں۔" گاڑی تیز رفتاری سے سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

"میں نقاش علی خان ہوں۔" اس نے رخ موڑ کر قدرے گہری نگاہوں سے رمشہ کا جائزہ لیا۔ وہ کافی نروس تھی اور کنفیوز بھی۔

دوپٹے کے ہالے میں چمکتا گلابی چہرہ کچھ گھبراہٹ لیے تھا۔ شہد رنگ آنکھوں میں خوف کی تصویر ڈگمگا رہی تھی۔ وہ بلاشبہ معصومیت اور حسن کا حسین امتزاج تھی وہ دل میں اعتراف کے بغیر نہ رہ سکا۔

"جی میں..... رمشہ اور یہ میری فرینڈ یمنیٰ۔"

"رمشہ بہت اچھا نام ہے بالکل آپ کی طرح۔"

اس نے زیر لب رمشہ کا نام دہرایا اور براہ راست تعریف بھی کر ڈالی۔ یمنیٰ نے کن انکھیوں سے رمشہ کو دیکھا جو جل بھن سی ہو گئی۔ پھر وہ ان سے راستا پوچھنے لگا تو رمشہ بڑے زور و شور سے ہاتھ ہلا ہلا کر اسے راستا بتانے لگی۔ اس کے بچکانہ انداز پر اسے جی بھر کر ہنسی آئی جسے اب چھپانے کی اس نے قطعاً ضرورت محسوس نہ کی۔

"آپ پڑھتی ہیں۔" اس کا اشارہ رمشہ کی گود میں دھری کتابوں کی طرف تھا لیکن اب وہ پوچھ یمنیٰ سے رہا تھا۔

"جی..... ہمارے کمپیوز سبجیکٹ ہیں۔" اس نے مختصر جواب دیا اور گردن باہر بھاگتے دوڑتے مناظر کی طرف موڑ دی جب کہ رمشہ نے دل میں شکر ادا کیا کہ اس نے جواب دیا تو سہی بے شک روکھا پھیکا سا ہی تھا۔

"بہت خوب۔" اس نے تعریفی انداز میں سر [illegible]

"اس [illegible] ہیں۔ ہمارا گھر ادھر ہی ہے۔" نقاش نے فوراً بریک لگا دیے۔

"آپ یہاں رہتی ہیں؟" اس نے ناک سکیڑ کر حیرت سے پوچھا اور نگاہیں پسماندہ علاقے میں سر جھکائے کھڑے مکانوں پر تھیں۔ یمنیٰ کو نقاش علی خان کے اس انداز پر کافی غصہ آیا لیکن خاموش رہی۔

"نہیں اصل میں ہمارا گھر تو تھوڑا اندر کی طرف ہے۔ پہلے ہی ہم لیٹ ہیں اوپر سے امی کو پتا چل گیا کہ لفٹ لے کر آئے ہیں تو یقیناً خوب پٹائی ہو گی۔" اس نے معصومیت سے پوری سچائی سے اعتراف کیا اور یمنیٰ کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔ اس بے وقوف لڑکی کی وجہ سے۔

"اوکے بائے۔ اینڈ گڈ لک۔ امی سے پٹائی کے

بے ''وہ شریر ہوا۔

''تھینکس۔'' رمشہ کی باچھیں ایک بار پھر کھل گئیں۔

''ویسے شکریہ ادا کرنے کا فرض تو آپ کا بھی بنتا ہے لیکن جانے دیں۔'' اس نے منہ پھلائے کھڑی یمنٰی کو مخاطب کیا۔ جواباً اس نے نگاہیں جھکا دیں۔

''پھر سہی۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑے فوکل گلاسز آنکھوں پر چڑھائے اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔ وہ چلا گیا تو رمشہ نے بھی قدم گھر کی طرف بڑھائے۔

''رمشہ! آج تو میں تمہاری حرکات آنٹی کو بتاؤں گی۔ کیا ضرورت تھی ایک اجنبی کے ساتھ یوں ہنس ہنس کر باتیں کرنے کی۔ بلکہ سب سے پہلی بات ہمیں لفٹ ہی نہیں لینی چاہیے تھی۔'' یمنٰی نے چھوٹتے ہی لتاڑنا اپنا فرض سمجھا۔

''یار کوئی ہیلی کاپٹر تو ہمیں ریسیو کرنے آنے والا نہیں تھا۔ غنیمت جانو خدا نے نقاش علی کی صورت میں بروقت مدد [illegible] [illegible] وقت گدھے کو بھی باپ بنانا پڑتا ہے۔ لیکن وہ ازرم گدھے سے بہت اچھا تھا۔'' اس نے چٹکیوں میں بات اڑائی۔ جواباً یمنٰی نے اسے گھورا اور اپنے گھر کا دروازہ کھول کر اندر گھس گئی۔

☆……☆☆……☆
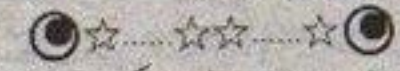
بڑی شان سے سر اٹھائے کھڑے بلند و بالا پہاڑ۔ ہواؤں کی سرگوشیوں پر سر دھنتے درخت' پہاڑ کا سینہ چیر کر اپنی راہ ہموار کرتا سانپ کی طرح بل کھاتا جھرنا جس کے کنارے مختلف رنگوں کے پھول یوں معلوم ہو رہے تھے جیسے رنگ برنگی وردیاں پہنے فوجیں اپنی سرحد کی حفاظت پر مامور ہوں۔ پرندوں کے خوش الحان گیت عجیب سا ساز چھیڑ رہے تھے۔

ایک بڑے سے پتھر پر سفید فراک میں ملبوس وہ حسین لڑکی کہیں مرغزاروں میں سفر کرتی دکھائی دیتی تھی۔ وہ اپنی ہی دھن میں مگن تھی کہ کسی دوسرے وجود کے احساس نے اسے چونکا دیا۔ پلکوں کی باڑ اٹھا کر اس نے اس احساس کو دیکھا تو بس دیکھتی ہی رہ گئی۔

''وہی چوڑی پیشانی پر چمکتے سیاہ بال' وہی شہد رنگ شرارت چھلکاتی آنکھیں' کٹاؤ دار لبوں پر مچلتی شریر مسکان۔ چہرے پر نمایاں اور قدرے اوپر کو اٹھی مغروری ناک۔''

وہ احساس جسے اس نے ہر پل محسوس کیا تھا آج حقیقت کی تصویر بنا اس کے سامنے تھا۔ وہ اس سحر میں جکڑی ہوئی تھی اور وہ بچ بچ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ اس کے اتنا قریب پہنچ گیا کہ اس کی آنکھیں صرف اسی ساحر کے عکس سے بھر گئیں۔

''مشی…… ارے مشی بیٹا اٹھ جاؤ۔''

[illegible] آواز [illegible] حسیات نے بلبلا کر دہائی دی۔

''مشی اب اٹھ بھی جا۔ کب سے تجھے اٹھا رہی ہوں مگر جانے کیوں نہیں اٹھ رہی۔ ایسے بستر سنبھالا ہے جیسے گھوڑے بیچ کر سوئی ہے۔'' اماں نے پوری قوت سے اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔ رمشہ نے خواب دیدہ آنکھیں پوری قوت سے کھول ڈالیں اور دیدے گھما گھما کر اطراف کا جائزہ لینے لگی۔ وہی درو دیوار وہی کمرہ' کونے میں پڑی رائٹنگ ٹیبل' باہر سے اندر کو جھانکتی لوہے کی سلاخوں والی کھڑکی اور ادھر ادھر بکھری بہت سی چیزیں جنہیں وہ کاٹھ کباڑ تو کہہ سکتی تھی لیکن ضرورت کی اشیا ہرگز نہیں۔

جھرنا' پرندوں کی ساز بجاتی آواز۔ پھولوں کا



رقص' ہوا کی اٹکھیلیاں' شرارت کرتی ہوا' سرسراتے ہوئے خوشبو بکھیرتے پھول ہر منظر غائب تھا۔ کچھ بھی تو نہیں تھا۔ اس نے ایک بار پھر آنکھیں رگڑ رگڑ کر دیکھا لیکن سب کچھ ویسا ہی تھا۔ شاید اس کا ذہن قبول نہیں کر پا رہا تھا کہ وہ خواب تھا۔ اس نے بے ساختہ سر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔

''کیا ہوا مشی طبیعت تو ٹھیک ہے نا بیٹا۔ ایسے یوں ٹکر ٹکر دیکھ رہی ہو۔ وہی گھر ہے جس میں برسوں سے رہ رہی ہو۔'' اس کے یوں عجیب نظروں سے دیکھنے پر اماں بری طرح متفکر ہو گئیں۔

''کچھ نہیں ہوا مجھے بالکل ٹھیک ہوں اور مجھے بھی پتا ہے یہ وہی کٹیا ہے جس میں برسوں سے رہ رہی ہوں۔'' اس نے جلے کٹے انداز میں کہا۔ اتنے اچھے سپنے میں سے اماں کی مداخلت بہت کھلی تھی۔

''پتا نہیں بے چارا کیا کہنے والا تھا۔ ایک منٹ اماں نہ [illegible] تو قیامت تھوڑی آ جاتی۔'' اس نے [illegible] پورے نہیں ہوتے مگر اس کا ایک خوابیدہ [illegible] ہوتے ہیں۔ حقیقت کو شکست دینے کی خوب صورت کڑی۔

''تجھے ہوا کیا ہے۔ کل بھی کالج سے لیٹ آئی تھی۔ تب سے منہ سر لپیٹ کر لیٹی ہے۔ اب اٹھی ہے تو کاٹنے کو دوڑ رہی ہے۔ چل اٹھ منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کر لے پھر گھر کی صفائی ستھرائی کر لے۔''

''کیا صفائی کروں اس ڈربے کی۔ بے کار پڑی بے ہر چیز۔ یہاں سے اٹھا کر وہاں رکھ دو پھر بھی وہی رہے گی۔'' وہ اکثر قسمت سے شاکی رہتی تھی لیکن آج یہ شکایت خوب امڈ امڈ کر باہر آ رہی تھی۔ شاید دنیا کی چکا چوند نے اس کی سوچ اندھیری کر ڈالی تھی۔

''مشی اب تو بری طرح پٹے گی مجھ سے۔ تُو نے ہی نحوست بکھیر رکھی ہے ہر طرف۔ جب دیکھو ناشکری کے الفاظ منہ سے بکے گی۔ اتنا سب تو دے رکھا ہے خدا نے۔ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ عزت سے کٹ رہی ہے اور تجھے کیا چاہیے۔ ایسے ہر وقت ناشکری مت کیا کر۔'' اماں کا انداز آخر میں کچھ نصیحت آمیز ہو گیا۔ اس بار رمشہ نے کچھ نہیں کہا۔ منہ بسورتی' سلیپر پاؤں میں اڑس کر باہر نکل گئی۔ اماں نے ایک طائرانہ نظر اس پر ڈالی اور پھر گھر کی حالت درست کرنے لگیں۔

رضا علی معاشرے کے اس طبقے سے تعلق رکھتے تھے جس میں زندگی گزاری نہیں جاتی بلکہ مجبوراً زندگی کی گاڑی کھینچنی پڑتی ہے۔ سفید پوشی کا بھرم قائم رکھنے میں زندگی تمام ہو جاتی ہے لیکن مسائل کم نہیں ہوتے۔ رضا علی کا آنگن رمشہ' ناصر اور یاسر کی معصوم قلقاریوں سے گونجتا تھا۔ رمشہ' ناصر اور یاسر سے بڑی تھی۔ لہٰذا دونوں کی لاڈلی بھی تھی۔ اس سے پانچ [illegible] استطاعت کے مطابق ہر والدین کی طرح اپنے بچوں کی خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ یہ الگ بات ہے اس کوشش میں اس کی جائز ضروریات بھی رک جاتیں۔ رضا علی چاہتے تھے کہ رمشہ میٹرک کے بعد تعلیم کو خیرآباد کہہ دے مگر اس نے ضد کر کے کالج میں ایڈمیشن لے لیا۔ غربت کی اس زندگی سے اور کج روی پر وہ اکثر نالاں رہتی۔ اس کے والدین کیسے حالات کا مقابلہ کرتے ہیں؟ ان کی خواہشات وہ کیسے پوری کرتے ہیں؟ اسے مطلق پروا نہ تھی۔ وہ سپنوں میں رہنے والی بے ضرری لڑکی تھی۔ خوب صورت خواب ہی اس کا اوڑھنا بچھونا تھے۔ وہ اس سپنوں کی وادی میں اکثر دھندلے سائے کے ساتھ

قدم سے قدم ملا کر چلتی تھی جو کبھی آنکھوں کے پردے پر واضح نہ ہوا تھا۔ آج وہ پوری مردانہ وجاہت سمیت اس کے سامنے تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس سے شناسائی ہوئے چوبیس گھنٹے بھی نہ گزرے تھے۔ جو شاید اسے بھول بھی چکا تھا۔

"نقاش علی خان۔" اس نے زیر لب اس کا نام دہرایا۔ چہرہ ہاتھوں کے پیالوں میں سجائے وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ لب خود بخود مسکرا اٹھے۔ سفید رنگت دہکنے لگی تھی۔

"کیابات ہے اکیلے تنہائی میں مسکراہٹ کی وجہ جان سکتی ہوں۔" رمشہ آنگن میں چار پائی بچھائے بیٹھی تھی۔ عیسہ خاتون درزی کے پاس جاچکی تھی۔ یاسر اور ناصر پڑھنے جاچکے تھے۔ داخلی دروازہ کھلا تھا لہٰذا یمنی بلا اجازت داخل ہوگئی اور چوری چوری مسکراتی رمشہ کی چوری بھی پکڑ لی۔ یمنی اس کی پڑوسن ہونے کے ساتھ ساتھ رمشہ کی بہترین دوست [illegible] دیا اور پلکوں کی جھالر گرادی۔ یمنی کو اس کے انداز پر حیرت نے گھیرا لیکن وہ نظر انداز کرگئی۔

"کچھ نوٹس ڈسکس کرنے تھے۔ کالج سے فری ہیں۔ ایگزامز ہونے والے ہیں۔ میں نے سوچا تم سے کچھ ہیلپ لے لوں۔" یمنی نے نوٹس پھیلاتے ہوئے کہا۔

"رہنے دو یار۔ ابھی ایگزامز میں کافی دن ہیں۔ پڑھ لیں گے۔"

اس نے بیزاری سے کہا اور چار پائی سے اٹھ گئی۔

"شرم کرو کچھ پہلے کیسے تڑپ رہی تھی کالج جانے کے لیے اور ساتھ مجھے بھی گھسیٹ لیا۔ اب جب امتحان کی گھڑی آئی ہے تو لال جھنڈی دکھا رہی ہو۔"

یمنی بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تمہیں پتا ہے یمنی میں نے خواب دیکھا اور خواب میں جسے دیکھا وہ کون تھا؟"

"نقاش علی خان۔"

اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ خود ہی بول اٹھی۔ وہ زیادہ دیر تک اپنے جذبات یمنی سے چھپا نہیں سکتی تھی۔ یمنی کے منہ پر ایسے تاثرات ابھرے جیسے کڑوا بادام منہ میں آگیا ہو۔

"اجنبیوں کو یوں اپنے خوابوں میں لاتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آئی۔" اس نے جھڑک کر کہا۔

"یمنی میں کیا کروں یار میں ایک منٹ کے لیے بھی اس کو اپنے دل و دماغ سے جھٹک نہیں پا رہی۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"رمشہ تم ایسی خواہش کر رہی ہو۔ جس کے پورے ہونے کا امکان ہی نہیں تم اپنے حال پر خوش کیوں نہیں ہوتیں؟ کیوں ہر بار اوپر ہی اوپر آسمان کی [illegible]

"کیا غلط کیا ہے میں نے؟ بچپن سے لے کر آج تک گھٹ گھٹ کر زندگی گزار رہی ہوں۔ چھوٹی چھوٹی خواہشوں کے لیے انتخاب کے مرحلے سے گزرنا پڑا ہے۔ یہ محرومی یہ تشنگی مجھے چبھنے لگی ہے۔" وہ تقریباً چلا اٹھی آواز بھی ڈبڈبائی تھی۔

"رمشہ تعیشات زندگی ہی تو سب کچھ نہیں ہوتے۔ زندگی کے اور بھی اصول اور ضابطے ہیں۔ خدا اگر آج مشکلات دے رہا ہے تو کل خوشیاں بھی دے گا اس نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ "وہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" اس نے رسانیت سے اسے سمجھانا چاہا۔

"یا آزمائش ہمارا مقدر ہی کیوں یمنی۔ ان لوگوں



کے لیے کیوں نہیں۔ جو لمبی لمبی گاڑیوں پر سفر کرتے ہیں۔ بڑے بڑے محلوں میں رہتے ہیں مخمل کے بستر پر سوتے ہیں۔ خواہشات کے لیے انہیں انتخاب کے مرحلے میں نہیں داخل ہونا پڑتا۔" رمشہ نے غم و غصے سے جواب دیا۔

"اس بات کا کیا ٹھوس ثبوت ہے کہ وہ روحانی طور پر آسودہ اور قلبی طور پر پرسکون ہیں اور اگر تم بھی عام لڑکیوں کی طرح ان مادی اشیاء کی تمنا کرنے لگیں تو کیا فرق ہوگا تم میں اور ان عام لڑکیوں میں۔ کیا فرق ہوگا بولو۔"

"یمنی میں بھی عام لڑکی ہوں اور ہر سپنا سجانے کا حق مجھے بھی ہے اور اگر میں خاص ہوں تو میری ہر آرزو پر پہرہ کیوں؟ میں ہی ہر ایک کی گرفت میں پنچھی بن کر پھڑپھڑاؤں اگر میں خاص ہوں تو نقاش علی میرا کیوں نہیں ہوسکتا۔"

آخر اس نے وہ بات کہہ ڈالی جو اصل [illegible] تھی۔

وہ اتنی نڈر اور بے باک کب سے ہوگئی کہ اپنے منہ سے ایسی بات کرنے لگی۔ یمنی نے تلملا کر سوچا۔

"رمشہ تم ایک لاحاصل تمنا کر رہی ہو۔ اگر میں تمہارے جذبات کی ترجمانی کر بھی دیتی ہوں ان کی سچائی پر ایمان لے آتی ہوں تو اس یک طرفہ محبت کا انجام کیا۔ تم اس کے حصار میں جکڑی ہو جو اجنبی ہے۔ جو شاید تمہیں ایک بے چاری لڑکی سمجھ کر لفٹ دے بیٹھا اور اب تک تمہیں بھول بھی چکا ہے۔ ایک ایسے شخص سے دل لگا بیٹھی ہو جو تمہاری رسائی سے بہت دور ہے۔" اس نے رمشہ کو دوسرے طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی۔

رمشہ خاموشی سے تکتی رہی۔ تصویر کے دوسرے پہلو نے اس کی آنکھوں کو پانیوں سے بھر دیا۔ یمنی کو وہ ایسے مسافر کی طرح لگی جو گھر سے تو چل پڑا لیکن راستہ بھول کر بھٹک گیا ہو۔ اس کی بے بسی دیکھ کر یمنی کے دل کو کچھ ہوا اسے نجانے کیوں اپنے الفاظ پر افسوس ہوا۔

"ارے پگلی...... کیسے رو رہی ہے۔ اگر تمہاری لگن سچی ہے تو وہ ضرور کھنچا چلا آئے گا اور ہوسکتا ہے قدرت نے اسی لیے تمہیں اس سے ملوایا ہو۔" اس نے ناولوں کے گھسے پٹے ڈائیلاگ بولنے شروع کردیے جنہوں نے رمشہ سے حقیقت کو چھپایا تھا۔ وہ اسے جھوٹی تسلی دینے لگی حالانکہ وہ جھوٹی امیدوں پر مینار کھڑا کرنے والوں میں سے نہ تھی۔ لیکن شاید بعض اوقات عزیز از جان لوگوں کی خوشی کے لیے انہیں ہی دھوکا دیا جاتا ہے۔ یمنی نے تھک کر سوچا۔

"چل پڑھنے آئی ہے نا تھوڑا سا پڑھ لیتے ہیں۔ نقاش علی کے ساتھ سر اٹھا کر چلنے کے لیے مجھے کچھ نہ کچھ تو حاصل کرنا ہے۔" ہاتھوں کی پشت سے [illegible] اس نے [illegible] کہا۔

جواباً یمنی [illegible] کر ہنس پڑی اور [illegible] رمشہ ایسی ہی تھی پل میں تولہ پل میں ماشہ۔ کبھی شعلہ کبھی شبنم شوخ و شنگ اور چنچل۔

"خدا کرے تمہاری مسکراہٹ ہمیشہ برقرار رہے۔" یمنی نے اس کے گلابی چہرے پر نظر دوڑا کر چپکے سے دل میں دعا کی جو اب رونے کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں بالکل نارمل انداز میں پڑھائی کر رہی تھیں۔ کچھ دیر پہلے کی تلخ کلامی کا شائبہ تک نہ تھا۔ شاید سچی دوستی اسے ہی کہتے ہیں۔ جو غلط راستے میں دوست کی رہنمائی کرکے اسے واپس لے آئے۔ بے شک عارضی طور پر ہی سہی۔

☆☆......☆......☆☆

دروازے کا ہینڈل تھامے وہ ساکت سی دہلیز پر کھڑی شخصیت کو دیکھ رہی تھی۔ دل کے سمندر میں تلاطم برپا تھا۔ جس میں اس کا وجود ہچکولے کھا رہا تھا۔ دعائیں یوں بھی مستجاب ہوتی ہیں۔ اتنی جلدی مقبولیت کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ گنگ سی کھڑی تھی۔ وہ پلکیں جھپک کر حقیقت کا یقین کر لینا چاہتی تھی لیکن پلک سے پلک ملنے کو تیار نہ تھی۔

”نہیں...... یہ دھوکا ہے۔ یہ خواب ہے بھلا تم ایسے کیسے؟“ اس نے سرگوشی میں جنبش دینا شروع کی۔ اس کی سوچ بے ربط ہو کر رہ گئی۔

”نقاش کیا دیوار بن کر راستے میں کھڑے ہو۔ اب باہر کوئی آ گیا ہے تو بات کرو نا۔“ نقاش کے عقب سے ابھری نسوانی مگر سخت آواز نے ثابت کر دیا کہ یہ کوئی سپنا نہیں۔ نقاش علی جو کافی دیر سے ابرو سکیڑے اس کے کپکپاتے لبوں اور بت بنے [illegible] طاری تھا۔

”بیٹے! آپ کے گھر میں کوئی بڑا ہوگا۔“

”وہ جی...... جی آپ اندر آئیں نا۔“ رمشہ نے خشک لبوں پر زبان پھیری اور بالآخر اسے مہمان نوازی کا خیال آ ہی گیا۔ رائل بلیو شفون کی ساڑھی زیب تن کیے۔ نک سک سے تیار خاتون کا چہرہ کافی تکبر و رعونت لیے تھا مگر اس کا شیریں لہجہ اس کے تاثرات کی نفی کر رہا تھا۔ انہوں نے نزاکت سے گھر کے اندر قدم رکھا اور رمشہ کی معیت میں چلتے ہوئے بڑے کمرے میں چلی گئیں۔ جہاں امیمہ خاتون شام کے کھانے کے لیے چاول چن رہی تھیں۔ اتنی ماڈرن اور فیشن ایبل خاتون کو دیکھ کر وہ بے ساختہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”یا اللہ...... یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ یہ لوگ یہاں کیا کرنے آئے ہیں؟“ رمشہ نے ہاتھ مسلتے ہوئے سوچا اور ان دونوں کو چھوڑ کر پانی وغیرہ کا انتظام کرنے باہر نکل گئی۔

☆☆......☆☆......☆☆

ارشان وجدان نقاش علی کی خالہ تھیں اور شہر کی سب سے بڑی این جی او کی صدر بھی۔ غریب لوگوں کے مسائل حل کرنے میں قطعاً کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن ہر طرف سے خود کو طاقت ور اور دوسروں کو حقیر سمجھنے کی بڑی خامی خوب پھل پھول چکی تھی۔ اس لیے جب سیماب ظفر ان کے مقابل آ ٹھہریں تو انہیں اپنی حکمرانی خطرے میں دکھائی دینے لگی کیونکہ وہ بہت اچھی طرح یہ جان چکی تھیں کہ فنڈز کا استعمال درست طریقے سے نہیں کیا جاتا اور نا ہی غربا کی ضرورتوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ارشان وجدان کے خلاف [illegible] صرف انہوں نے پوری ٹیم کو مستعد کر دیا بلکہ خود شہر کے ڈل اور پسماندہ علاقوں کی بہتری اور ترقی کے لیے دورے کرنے لگیں۔ اسی مقصد سے وہ ادھر آ نکلیں اور ساتھ میں نقاش علی خان کو بھی گھسیٹ لائیں۔ وہ ہر ممکن طریقے سے امیمہ خاتون کو قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھیں اور اپنے آنے کی وجہ بھی بتا چکی تھیں۔

”دیکھیے ہم لوگوں کا تو فرض ہے آپ جیسے لوگوں کا خیال رکھنا آپ لوگوں کے حقوق کا خیال رکھنا۔ کل ہماری کانفرنس ہے۔ آپ ضرور آئیے گا۔ اپنے مسائل بتائیے گا۔ جنہیں ہم بہتر طریقے سے حل کرنے کی کوشش کریں گے۔“

رمشہ بددلی سے اٹھ کر باہر چلی آئی۔ نقاش علی



خان ابھی تک دروازے پر کھڑا تھا۔ کچھ سوچ کر رمشہ نے قدم دروازے کی طرف بڑھا دیے۔ اس کی توقع کے عین مطابق وہ دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ ذرا سی آہٹ پر مڑ کر دیکھا۔

”آنٹی کو اور کتنی دیر لگے گی؟“ اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

”بس آ رہی ہیں۔“ اس نے نروٹھے پن سے جواب دیا۔ اس کی آنکھوں میں شناسائی کی ہلکی سی رمق بھی نہ تھی۔ وہ واپس پلٹنے ہی والی تھی لیکن اس کی آواز نے اس کے قدم زنجیر کر دیے۔

”کیا آپ کے ہاں کسی کو دوسری بار بھی گھر بلانے کا رواج نہیں۔“

”دوسری بار سے آپ کیا مراد لیتے ہیں؟“

”اچھا تو آپ کو پہلی ملاقات بھی یاد نہیں۔ بندہ پرور سوچ رہا تھا کہ محترمہ اتنی بروقت مدد پر کچھ احسان کے زیر بار ہوں گی اور ہمیں بھی نہیں بھولیں گی لیکن [illegible] فراموش ہیں۔“ اس نے مزید کہا۔ رمشہ جواباً دھیرے سے مسکرا دی۔ کچھ دیر پہلے کا بوجھل پن اچانک کہیں غائب ہو گیا۔ دل کی کلی کھل کر گلاب بن گئی۔

”مجھے آپ بہت اچھی طرح یاد ہیں اور آپ کا احسان بھی۔“

”اچھا...... تو پھر احسان کا بدلہ چکانے کا کچھ رواج ہے یا نہیں۔“

”ہے۔ بالکل ہے کہیے میں آپ کے لیے کیا کر سکتی ہوں۔“ اس نے معصومیت سے کہا۔ رمشہ کافی خوش مزاج لڑکی تھی۔ دوسرا نقاش علی کا اپنائیت کا انداز اسے بے تکلفی پر اکسا رہا تھا۔

”آپ یہ احسان اتار سکتی ہیں۔ مجھے اپنے گھر مہمان کر کے اور اچھی سی کافی پلا کر۔“ اس نے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔ رمشہ نے گڑبڑا کر نگاہیں جھکا لیں۔ نقاش نے قدرے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ وہ اپنی پہلی ملاقات سے بھی زیادہ حسین اور مختلف لگ رہی تھی۔ آج تک اس کا جتنی لڑکیوں سے واسطہ پڑا تھا ان میں سے کوئی بھی یوں نگاہوں کے تصادم سے نہ گھبرائی تھی۔ یہ لجائی شرمائی سی لڑکی اسے دنیا سے الگ لگی۔ مسکراہٹ اس کے لبوں پر چپک کر رہ گئی۔

”یہ تو بہت آسان طریقہ ہے۔ چلیے میں ابھی کافی پلاتی ہوں۔“

”جی نہیں ایسے نہیں۔ یہ تو میں اتفاقاً چلا آیا۔ کبھی خصوصاً آؤں گا تو پھر خاطر داری کیجیے گا۔“ اس نے رمشہ کی طرف جھک کر کہا تو وہ بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹی۔ ارشان وجدان کو باہر نکلتے دیکھ کر وہ گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ [illegible] رخ موڑ لیا۔

”اچھا امیمہ جی۔ میں چلتی ہوں۔“ ارشان وجدان نے سن گلاسز آنکھوں پر لگائے اور تیز تیز قدم اٹھا کر باہر نکل گئیں۔

”آنٹی کیا ضرورت آ پڑی ہے آپ کو ایسے تھرڈ کلاس ایریا میں گھومنے کی۔ کب سے مجھے گرمی میں کھڑا کر رکھا تھا آپ نے۔“ کچھ دیر پہلے کی خوش گوار گفتگو کو فراموش کیے وہ بگڑ کر بولا۔

”سوری مائی سن۔ مجھے تو خود ان بورنگ لوگوں سے بات چیت کرنے کا کوئی شوق نہیں۔ ان سے فاصلے پر رہو تو ہی اچھا ہے۔ ورنہ خود کو پتا نہیں کیا سمجھنے لگتے ہیں۔ جب سے وہ سیماب ظفر آئی ہے

میری صدارت خطرے میں پڑ گئی۔ بس اسی سے نمٹنے کے لیے یہ دکھاوا دو چار دن تک جاری رہے گا اس کے بعد فل اسٹاپ۔"

"لیکن آپ کو ان چیزوں کی کیا ضرورت ہے آنٹی۔ آپ این جی اوز کے بغیر بھی بہت مشہور ہیں۔"

"پبلسٹی ڈارلنگ اور میری ریپوٹیشن بھی تو یوں نکالے جانے پر خراب ہوگی۔" وہ کلس کر بولیں۔ جواباً نقاش نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی۔

نقاش علی خان کے دیدار سے رمشہ کا پور پور کھل اٹھا تھا وہ بہت خوش تھی۔ اتنی خوش کہ ارشان وجدان کے آنے کا مقصد ان کی باتوں کا مقصد۔ ان کی باتوں کا مطلب سب فراموش کیے بیٹھی تھی۔ اسے یاد تھیں تو وہ بھوری آنکھیں اور ان کی مچلتی شناسائی۔ وہ سچ مچ خود کو ایک آزاد پنچھی کی طرح محسوس کر رہی تھی۔ جس کی اڑان پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ وہ جلد از جلد [illegible] نقاش علی خان [illegible] گئے۔ لیکن ہزار آوازیں دینے کے باوجود یمنی باہر نکل کر نہیں آرہی تھی۔ پھر یہ سوچ کر کہ شاید وہ گھر نہ ہو۔ رمشہ دیوار سے ہٹ گئی۔ دل میں پنپتے جذبات بڑی بے باکی سے نمو پا رہے تھے۔ پیار کی ترنگ کچھ اور ابھرتی جا رہی تھی۔ جس کو روکنے یا دبانے کی رمشہ نے قطعاً کوشش نہیں کی۔

"یمنی اب تم بری طرح مجھ سے مار کھاؤ گی۔"

یمنی نے ابھی ابھی فرش دھویا تھا تبھی سرخ اینٹیں دمکنے لگی تھیں۔ اب وہ پائپ ہاتھ میں پکڑے دیواروں کے ساتھ سجاوٹ و خوب صورتی کے لیے رکھے گئے گملوں کو پانی دے رہی تھی۔ جو یمنی کی اس نگاہِ التفات پر خاصے مسرور دکھائی دے رہے تھے اور خوب جھوم رہے تھے۔

"کیوں..... اب مجھ سے کیا گناہ سرزد ہو گیا؟" یمنی نے پائپ چھوڑ دیا اور نل بند کر کے دیوار پر ٹنگی غصے سے لال بھبھوکا ہوتی رمشہ سے پوچھا۔ لہجے میں شرارت ناچ رہی تھی۔

"ہاں ہاں تم نے تو کچھ کیا ہی نہیں۔ میں ہی بے وقوف ہوں جو تمہارے بغیر ایک لمحہ نہیں رہ سکتی۔" وہ الٹا اپنے آپ کو ہی کوسنے لگی۔

"ارے باپ رے۔ اتنی سخت ناراضی کی کوئی وجہ بھی ہوگی۔" وہ ہنسنے لگی اور دوپٹے کے پلو سے ہاتھ پونچھنے لگی۔

"کل سے تمہیں آوازیں دے رہی ہوں۔ بلا رہی ہوں بار بار دیوار سے سر پٹخا لیکن میڈم ملکہ وقت ہیں جو عام لوگوں سے ملنے سے تو کیا دیکھنے سے بھی گریزاں ہیں۔" اس نے جلے کٹے انداز میں بہر حال کہہ ہی ڈالا۔

"[illegible] کی بات [illegible]" [illegible] اوڑھا اور رمشہ کے گھر چل دی۔ دونوں فیملیز میں اچھا خاصا آنا جانا تھا۔ ہر گزرتے لمحے نے ان کے درمیان محبت کی تراوٹ میں اضافہ کیا تھا۔ لہٰذا کسی کو بتائے بغیر نکل آئی۔

"اچھا تو کیا تمہارے پیروں میں مہندی لگی تھی۔ جو بس اوپر اوپر سے آوازیں دیتی رہیں۔ گھر نہیں آسکتی تھیں۔" یمنی نے آتے ہی اس کے خوب لتے لیے۔ رمشہ جواباً کھلکھلائی۔

"اچھا اب ہنسنا چھوڑو۔ بتاؤ کس لیے اتنا ارجنٹ بلوایا ہے۔"

"ہاں یمنی تمہیں پتا ہے آج تمہاری کہی ہوئی باتیں سچ ہوگئیں۔ آج مجھے یقین ہوا کہ دعائیں



مستجاب بھی ہوتی ہیں۔" وہ اٹھ کر اس کے قریب چلی آئی اور ٹھہرے ٹھہرے سے لہجے میں بولنے لگی۔ یمنی نے چونک کر رمشہ کی طرف دیکھا۔

"کیا پہیلیاں بجھوا رہی ہو۔ سیدھی طرح بتاؤ ہوا کیا ہے؟"

"یمنی تجھے پتا ہے۔ تقدیر آج اسے پھر ہمارے گھر کی دہلیز پر لے آئی۔ اس نے مجھے شناسا نگاہوں سے دیکھا۔ اس نے مجھ سے ایسے بات کی جیسے ہم دونوں صدیوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔" اس نے فرطِ مسرت سے یمنی کے ہاتھ پکڑ لیے۔ ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں یمنی اصل بات کی تہہ تک پہنچ گئی۔

"وہ یہاں کیا کرنے آیا تھا؟" یمنی نے اپنے اندر اٹھتے ابال پر قابو پاتے ہوئے فی الوقت ٹھنڈے لہجے میں پوچھا۔ رمشہ نے جواباً تمام روداد یمنی کو سنا دی۔ جواباً [illegible] طبیعت کے برخلاف بہت تحمل [illegible]

رمشہ! یہ غلط ہے۔ تم یوں خود کو دھوکا دے رہی ہو۔ میں جانتی ہوں تمہیں نقاش علی سے کوئی محبت وحبت نہیں۔ تمہارا برسوں سے ایک سپنا ہے۔ سب کچھ پالینے کا سپنا۔ جسے حاصل کرنے کے لیے تم نقاش علی کو سیڑھی بنا رہی ہو۔" یمنی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے جھنجوڑ کر رکھ دے۔

"ایسا کچھ نہیں یمنی۔ پہلے پہل مجھے بھی ایسا ہی احساس بھگو لے دیتا تھا لیکن یہ ماورائی محبت تو اب مجھ پر قابض ہوگئی ہے۔ وہ مجھے مٹی کے کچے مکان میں رہنے کو کہے گا تو میں ہنسی خوشی اپنی زندگی بتا دوں گی۔" اس کے لہجے میں اس کی محبت کا یقین بول رہا تھا۔

یمنی کو ایسے لگا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں لے لیا ہو۔

"کاش رمشہ تم سمجھ سکتیں کہ بند آنکھوں سے دیکھے گئے خواب بہت خوب صورت لگتے ہیں۔ جب یہی خواب حقیقت کے عکس میں مدغم ہو جاتے ہیں تو یہ سراب یہ دھوکا آنکھوں سے ساون رواں کر دیتا ہے۔ ان ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں پلکوں کی چادر کو سرخ و لہولہان کر دیتی ہیں۔ ان کے درد سے روح میں کانٹے سے چبھ جاتے ہیں۔ میں تمہیں اسی کرب سے بچانا چاہتی ہوں۔ کیونکہ تمہاری شکستہ چال مجھ سے میری بہت اچھی دوست چھین لے گی۔" یمنی گہری سوچ میں مستغرق تھی۔ آنکھوں میں منفی سوچ کا تلاطم برپا تھا۔

"رمشہ تم جو بھی فیصلہ کرو لیکن اس سے قبل اتنا ضرور خیال رکھنا کہ نقاش علی کی سوچ تم پر ضرور واضح ہو جائے کیا گلی کے کنکر کو سر پر اٹھا کر چلنے کو تیار ہو جائے گا [illegible]

منجمد سی نظر ان سی یمنی رمشہ پر ڈالی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ رمشہ کا چہرہ یک دم ہی متغیر ہو گیا۔ وہ دھواں دھواں چہرے کے ساتھ ساکت دہلیز پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ غیر شعوری طور پر دو سفید موتی عارض بھگو گئے۔ اسے یمنی سے اتنی کسیلی بات کی توقع نہیں تھی۔ وہ اسے کتنی خوشی سے اپنے جذبات سے آگاہ کر رہی تھی اور وہ ایک لمحے میں اس کی ضرورت و مسرت کی عمارت کو زمین بوس کر کے اسے اپنے قدموں تلے روند گئی۔ اس کی سماعتیں منجمد سی ہوگئیں۔ لمحہ بہ لمحہ رمشہ کو یمنی کی آوازیں تیز تیز سنائی دینے لگیں۔ جیسے کان کے پردے پھٹ جائیں گے۔ لیکن وہ بے حس سی بیٹھی رہی۔ اس کے وجود میں ایک لحظہ کو بھی جنبش نہ ہوئی۔

✤......☆☆☆......✤

"دھی رانی' پتر کیا بات ہے اٹھ شاباش۔ آج بابا جان سے کوئی فرمائش نہیں کرے گی۔" رضا علی اس کا سر ہولے ہولے تھپتھپا رہے تھے۔

یمنیٰ کے جانے کے بعد وہ اپنے حواسوں میں تھی ہی کب۔ اسے یمنیٰ سے اس قدر بے مروتی کی توقع نہ تھی۔ وہ اسے اس قدر چھوٹا اور نیچ سمجھ لے گی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ پہر بھر وہ روتی رہی تھی۔ شاید اسے یمنیٰ کے الفاظ سے زیادہ اس کی نقاش علی پر تنقید نے دکھ پہنچایا تھا۔ ان بے رحم لمحات کو یاد کرکے اس کا دل ایک بار پھر بھاری سا ہونے لگا۔ رمشہ نے تمام سوچوں کو فی الوقت جھٹک دیا اور بال درست کرتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ بیڈ کے ایک سائیڈ سے چادر سمیٹ کر رضا علی کے لیے بیٹھنے کی جگہ بنائی۔

"بابا جان! آپ کب آئے؟ مجھے تو پتا ہی نہیں چلا۔" وہ سنبھل کر بولی۔

"کافی [illegible] تیری بات [illegible] شاید تیری طبیعت ناساز ہے۔ میں نے سوچا کہ اپنی دھی رانی کو ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں۔" ان کے لہجے میں فکر اور محبت تھی۔ نجانے کیوں رمشہ کو محسوس ہوا جیسے اس کے اندر دور دور تک خالی پن نے بسیرا کرلیا ہو۔ وہ بری طرح گھبرا اٹھی۔

"نہیں بابا جان۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ بس موسم کی تبدیلی کا اثر ہے۔ جلد زائل ہوجائے گا۔" اس نے مصنوعی بشاشت لہجے میں سمو کر انہیں مطمئن کرنا چاہا۔

"اچھا۔ اور بتاؤ تمہاری پڑھائی تو ٹھیک ٹھاک جا رہی ہے نا۔" رضا علی نے ایک شفیق تاثر سجائے نرم لہجے میں کہا۔

"جی بابا جان۔ بس ایگزامز ہونے والے ہیں۔"

"دل لگا کر پڑھائی کرنا پتر۔ اللہ تجھے کامیاب کرے۔ تیرے بھاگ سونے کرے۔" وہ صدق دل سے دعائیں دینے لگے۔ ان کی پُرخلوص قربت میں چند لمحوں کے لیے وہ ہر احساس' ہر دکھ' ہر لمحے کو فراموش کرگئی اور چپکے سے ان کے قلبی سکون کی دعا کر ڈالی۔ اتنے میں اماں بھی دودھ کا گلاس اور رضا علی کے لیے چائے کا کپ ٹرے میں اٹھائے وہیں چلی آئیں۔

"چل بیٹھی بیٹا۔ یہ دوائی کھالے اور ساتھ نیم گرم دودھ کا گلاس پی لے۔ خود ہی طبیعت ٹھیک ہوجائے گی۔" اماں متفکر سی تھیں۔

"میری اماں پیاری اماں میں بالکل ٹھیک ہوں۔" ان کے گلے میں لاڈ سے بانہیں ڈال کر رمشہ مخمور سے لہجے میں بولی۔ اس سے پہلے رمشہ نے کبھی بے وجہ لاڈ دکھانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی لیکن جانے کیوں آج اسے [illegible] اچھی [illegible]

"تو پھر یوں منہ سر لپیٹے اوندھی پڑی تھی۔" اماں جرح کرنے لگیں۔

"بس ایسے ہی کچھ تھکاوٹ محسوس ہو رہی تھی۔"

"بس تھکاوٹ محسوس ہو رہی تھی چل ہٹ پرے۔" اماں زیر لب بڑبڑاتی ہوئیں چائے ابا کو تھما کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ جب کہ رضا علی خاموشی سے دونوں ماں بیٹی کی گفتگو سن رہے تھے۔

"یہ گاڑیاں کس سلسلے میں آج آئی تھیں؟" کچھ یاد آنے پر انہوں نے اماں سے پوچھا۔ اماں کے تاثرات ایک دم سخت ہوگئے۔

"کچھ نہیں جی۔ بس لوگوں کی امداد کرنے کے حوالے سے ایک میٹنگ تھی اس کے لیے غریب اور ضرورت مندوں کو لینے گاڑیاں بھیجی تھیں' لیکن ہمارے یہاں سے چند ایک لوگوں کے علاوہ سب نے جانے سے انکار کردیا۔ پتا نہیں ان لوگوں کو دوسروں کا مذاق اڑانے کا شوق کیوں ہوتا ہے۔ دولت اور امارت میں ڈوبے خوددار لوگوں کی خودداری کو قدموں تلے روند دیتے ہیں۔ آج ہم اپنی ضروریات سے انہیں آگاہ کریں۔ کل کو چار لوگوں میں بیٹھ کر نشر کریں۔ جو خدا نے دیا ہے اس پر ہم خوش ہیں۔ ہمیں کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔" اماں نے قدرے سخت لہجے میں تفصیل سے جواب دیا۔

"بس بھئی بیگم یہ لوگ ملکی سطح پر تو کچھ کر نہیں سکتے اور یونہی دولت کی چمک دمک دکھا کر خود کو بڑا ثابت کرنے کی کوشش میں سرگرداں رہتے ہیں۔" انہوں نے تاسف کا اظہار کیا۔ "مجھے کچھ کام ہے اب میں چلتا ہوں۔ تم اچھی طرح دروازہ بند کرلو۔ مجھے آنے میں دیر ہوجائے گی۔"

[illegible] باتوں کے دوران چائے [illegible] اور باہر نکل گئے۔ اماں بھی ان کی معیت میں باہر نکل گئیں۔ رمشہ نے جلدی جلدی دودھ ختم کیا ورنہ کچھ بعید نہ تھا کہ اماں اسے تاڑ دیتیں۔ وہ ایک بار پھر بیڈ پر دراز ہوگئی اور ان گنت سوچیں اس کے ذہن کی آماجگاہ بن گئیں۔

"تم نے کیا سوچا یمنیٰ۔ نقاش علی خان پیسے کا پجاری ہے وہ مجھے ٹھکرا دے گا صرف اس لیے کہ میں اس کے اسٹیٹس سے میچ نہیں رکھتی۔ تم نے کہا کہ کیا وہ گلی کے پتھر کو سر پر اٹھا کر چلنے کو تیار ہوجائے گا۔ تم دیکھنا وہ تمہاری ہر سوچ کو غلط ثابت کردے گا۔ تمہارا ہر ڈر بے بنیاد ریت کی طرح ہوا ہوجائے گا۔" وہ یک طرفہ محبت کا شکار ہوچکی تھی۔ وہ سوچے سمجھے بغیر یمنیٰ کا مقابلہ نقاش علی خان سے کررہی تھی وہ نقاش علی کی خاطر اپنی سب سے قیمتی متاع یعنی اپنا دل داؤ پر لگا رہی تھی۔ یہ سوچے بغیر کہ جب دل ٹوٹتا ہے تو ذات کی دھجیاں بکھر جاتی ہیں۔ ہر خواب ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے۔ وجود بھربھری ریت کی طرح حالات اور ہوا کے دوش پر انجانے راستوں کا سہرا بن جاتا ہے۔

"نقاش علی خان۔ اگر قسمت نے مجھے تم سے ملایا دیا ہے اور تم سے محبت میرا مقدر بن گئی ہے تو خدارا مجھے دھوکا مت دینا۔ اگر تم نے مجھ سے محبت کا اقرار نہ کیا تو میں مرجاؤں گی۔" اس کے جذبے شدت اختیار کر رہے تھے۔ وہ ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ لے کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ وہ اس شدت کو کم نہیں کرسکتی تھی۔ وہ اس معاملے میں بے بس تھی اور یہ بے بسی بھی رمشہ کے بس میں نہیں تھی۔ وہ کچھ نہیں سوچنا چاہتی تھی۔ وہ بس ڈھیر سارا رونا چاہتی تھی اور رمشہ بھی کررہی تھی۔ [illegible] تو محبت سے اس کا تعلق [illegible] ایک احساس [illegible] اور سکون [illegible] اس سے [illegible] پے میں سرایت کررہی تھی۔ اس لمحے اسے یمنیٰ کی کمی بری طرح کھل رہی تھی۔

"یمنیٰ ساری دنیا میری محبت کا مذاق اڑاتی' لیکن تم تو کم از کم ایسا نہ کہتیں۔" اس پر ایک نیا درد آشکار ہوگیا اس کے اشکوں میں کچھ اور روانی آگئی۔

......☆☆☆......

آج بہت دنوں بعد اس کے قدم نہ چاہتے ہوئے بھی مانوس راستوں کی طرف سفر کرنے لگے تھے۔ اس نے انہیں واپس موڑنے کی کوشش شعوری طور پر بھی نہیں کی۔ دل کی دھک دھک کسی سریلی تان کی طرح بج رہی تھی۔ مسکراہٹ یہ خود لبوں کی زینت بن گئی۔ وہ بالوں میں انگلیاں چلاتا خوش تھا۔ بے انتہا خوش۔ چند منٹوں کے خوش گوار سفر کے بعد وہ

اپنی منزل پر پہنچ چکا تھا اور توقع کے عین مطابق رمشہ کی آنکھیں اس کے ہونے کا یقین کر رہی تھی۔

"بس کرو یار یہ میں ہی ہوں۔" اس کی شوخ آواز رمشہ کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ "حالانکہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم ایسے ہی ری ایکٹ کرنے والی ہو۔ لیکن پھر بھی چلا آتا ہوں۔ شاید یہی ری ایکٹ دیکھنے کے لیے۔" وہ شگفتگی سے بولا۔

"وہ اصل میں مجھے لگا کہ اب آپ نہیں آئیں گے۔" بالآخر اس کی حیرت ٹوٹی اور زبان چھوٹی۔

"ارے ایسے کیسے نہیں آتا۔ میری کافی تم پر ادھار ہے۔ ایسے ہی تھوڑی تمہیں چھوڑ دیتا۔"

آسمانی اور ہلکے سبز امتزاج کے سوٹ میں دھلا دھلایا۔ خوشی سے جگمگاتا چہرہ جذبات کے بدلنے پر بضد تھا۔ باوجود کوشش کے وہ نظریں ہٹا نہیں پا رہا تھا۔

"کون ہے رمشہ؟" دروازے پر دستک سن کر [illegible] بیگم باہر ہی چلی آئیں۔

"وہ امی... [illegible]" نقاش علی خان نے آگے بڑھ کر وضاحت دے کر اس کی مشکل آسان کر دی۔

"السلام علیکم آنٹی۔ میں نقاش علی ہوں اور ایک بہت اچھا کالم نگار بھی ہوں۔ اکثر فطری موضوعات پر لکھتا ہوں اور فطرت کی قدرتی خوب صورتی سے مواد اکٹھا کرتا ہوں آج کل "مشرقی لڑکی" کے عنوان پر ایک فیچر لکھ رہا ہوں بس اسی کے بارے میں کچھ میٹریل جمع کر رہا ہوں جس میں کچھ بھی بناوٹی نہ ہو لفظ لفظ سچے موتی کی طرح سچ ہو۔" وہ قدرے سنجیدگی سے مؤدب سا ہو کر اپنی آمد کی وجہ بتا رہا تھا۔

امیمہ بیگم کے ذہن میں کئی سوال اٹھ رہے تھے۔ لیکن فی الوقت سب نظر انداز کر کے اپنا حجاب اٹھا کر باہر نکل گئیں۔

"رمشہ بیٹا میں تمہارے بھائیوں کے اسکول جا رہی ہوں۔ تم اپنے پاس یمنیٰ کو بلا لو۔ بس کچھ ہی دیر میں لوٹ آؤں گی۔" رمشہ ابھی تک اپنی جگہ چور سی بنی کھڑی تھی جیسے بہت بڑی چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی ہو۔

"آپ باہر کیوں کھڑے ہیں اندر آئیں نا۔" امیمہ بیگم کے نکلنے کے بعد بالآخر اسے مہمان نوازی کا خیال آ ہی گیا۔

"نہیں میرے خیال میں یہ مناسب نہیں شاید تم گھر پر اکیلی ہو۔ اٹس او کے میں پھر بھی آ جاؤں گا۔" اس کی ہچکچاہٹ بھانپ کر وہ جلدی سے بولا۔

رمشہ کے اندر ڈھیروں سکون اتر آیا اگر وہ اندر آ جاتا تو شاید سینے میں پھانس سی اٹک جاتی لیکن اب وہ مطمئن تھی۔

اتنے میں یمنیٰ بھی چلی آئی۔ شاید امیمہ بیگم جاتے جاتے [illegible] تھیں۔

"یہ کیا؟ بدھوؤں کی طرح دروازے پر کھڑی ہو کر گپیں ہانک رہی ہو۔ چلو اندر بیٹھ کر انسانوں کی طرح بات کرو۔" اس نے آتے ہی رمشہ کو ڈانٹنا اپنا فرض جانا۔ وہ رمشہ سے نارمل انداز میں بات کر رہی تھی۔ جیسے دونوں کے درمیان کبھی کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"آپ ہر وقت غصے میں کیوں رہتی ہیں؟" یمنیٰ نقاش کو پوری طرح نظر انداز کر گئی تھی۔ لیکن اس نے پھر بھی برا نہیں مانا اور بڑے دوستانہ انداز میں پوچھنے لگا۔

"جی نہیں ایسی بات تو نہیں۔" اس کے انداز سے کی زبردستی کی گئی۔ انداز بھرپور بیگانگی لیے تھا البتہ کچھ نرمی لہجے میں حائل تھی۔

"آپ یہاں سچ سچ اپنے فیچر کے لیے میٹریل



لینے آئے ہیں۔"

رمشہ نے صحن میں بید کی کرسیاں بچھا دیں۔ جب رمشہ نے ڈرتے ڈرتے نگاہ اٹھا کر پوچھا۔

"ہاں سچ پوچھو تو یہاں آنے کا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا۔" اس نے شرافت سے درست جواب دیا۔

"تو پھر یہ اتفاق ہوا نا۔ بھرپور پلاننگ تو نہیں۔ جس طرح آپ اتفاقاً ملاقات پر خاطرداری کا موقع نہیں دیتے اسی طرح میں بھی اتفاقاً آنے والوں کی مہمان نوازی کی قائل نہیں ہوں۔ کبھی اسپیشلی آئیں گے تو پھر سوچیں گے۔"

"یعنی مجھے ڈائریکٹ تم سے ملنے آنا چاہیے۔" اس نے براہ راست اس کی آنکھوں پر قابض ہو کر کہا۔ چند لمحے وہ لاجواب سی اسے تکتی رہی اور پھر گھبرا کر اٹھ گئی۔ نقاش علی خان نے اس کی اس کنفیوز سی حالت سے بھرپور حظ اٹھایا۔

[illegible] ترمیم ہو گی۔" رمشہ نے جھٹ سے کہا۔ نقاش علی کو بھی گزشتہ گفتگو یاد آ گئی۔

"آپ کی یادداشت کافی برائٹ ہے۔" نقاش علی رمشہ کی اس خصوصیت سے کافی متاثر نظر آیا تھا کہ اس نے اتنی پرانی بات بھی یاد رکھی۔

"اچھا ترمیم کیا ہو گی یہ بھی بتا دیں۔"

"ترمیم یہ ہے کہ آپ کو کافی کی جگہ چائے پینی پڑے گی۔ وہ بھی میرے ہاتھ کی بنی ہوئی۔"

"آپ کو پتا ہے کہ رمشہ آپ کو چائے کیوں پلا رہی ہے۔" یمنیٰ نے پہلی بار ہونٹوں کو جنبش دی۔

"اف آپ اتنا نرم بھی بول سکتی ہیں۔ یقین نہیں آ رہا۔" اس نے حیران ہونے کی زبردست ایکٹنگ کی۔ یمنیٰ اپنی جگہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"جب آپ کو کوئی بات سننی ہی نہیں تو پھر مجھے بھی نہیں کرنی چاہیے۔" وہ اپنے سابقہ موڈ میں آ گئی اور درشتی سے کہتی اندر کی طرف بڑھ گئی۔

"اوہ یہ تو پھر ناراض ہو گئی۔"

"آپ فکر مت کریں یہ خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔"

"ویسے آپ چائے تو پی لیتے ہیں نا؟" اس نے بولتے بولتے ایک دم کچھ مشکوک اور پُر جھجک انداز میں پوچھا۔ رمشہ کے سہمے سہمے انداز پر اسے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

"ویسے بھی پی تو نہیں لیکن اب آپ نے آرڈر دیا ہے تو پینی تو پڑے گی نا۔"

لہجہ مان سے پُر تھا۔ رمشہ جانے کیوں سر جھکا گئی۔ خفیف سی مسکراہٹ لبوں کا پیرہن بن گئی۔

"وہ اصل میں مجھے کافی بنانا نہیں آتی۔ اسی لیے [illegible]" اس کی معصومیت اور سادگی پر نقاش علی خان بے ساختہ چونک اٹھا۔ اتنی شفاف، پاکیزہ اتنی مقدس، سادہ سچی اور کھری لڑکی اس نے آج تک نہیں دیکھی تھی۔ کچھ کچھ جھجکتی اپنی خامیوں کا دھیرے سے اعتراف کرتی سیدھی دل میں اترتی اسے اپنی دھڑکنوں میں محسوس ہوئی۔ یہ صرف انجوائے منٹ نہیں تھی۔ یقیناً اس کے دل میں کچھ اور جذبات بھی پنپ رہے تھے۔ جو بھرپور جذبات سے اس کا ساتھ محسوس کر رہا تھا۔

"اب یہاں کھڑی ہی رہو گی یا کچھ کام بھی کرو گی۔" اپنے اندر اٹھتی سرکشی اور بغاوت کی لہر کو بمشکل دباتا وہ دھیرے سے بولا۔ جواباً وہ سر ہلاتی فوراً اندر کی طرف چل دی۔ وہ اسے سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ رمشہ سے ایسا کوئی بندھن نہیں باندھنا چاہتا

تھا۔ جس کا کوئی انت نہ ہو۔ جس کا کوئی نام نہ ہو۔ جس بندھن کے احساس کے بعد اسے ان دیواروں کو پھلانگنا پڑے جو بچپن سے لے کر آج تک اس کے گرد مضبوط کھڑی تھیں۔ ایک دم ہی سینے میں جلن بڑھنے لگی اور ہر طرف حبس محسوس ہونے لگا۔

"تم یہاں کچن میں کیا کررہی ہو؟" رمشہ نے کچن کا رخ کیا اور اسے وہیں پایا۔ جب یمنی نے گزشتہ کسی بات کا ذکر نہیں کیا تو رمشہ نے بھی مسئلے کو طول دینا مناسب نہ سمجھا۔

"میں نے سوچا جب تک تم باتیں کررہی ہو تب تک میں چائے بنالوں۔" کیتلی چولہے پر رکھتے ہوئے یمنی نے مصروف سے انداز میں جواب دیا۔

"ویری گڈ۔ دوست ہو تو تمہارے جیسی۔" وہ چہکی۔ گالوں پر چھلکتی سرخی، ہونٹوں پر مچلتی مسکراہٹ، آنکھوں کی روشنی چال کا بانکپن ہر اک ادا سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ نقاش علی خان کی آمد سے کتنی خوش تھی۔

یمنی نے [illegible] اس کا جائزہ لیا اور ایک ٹھنڈی [illegible] چائے کے کھولتے پانی کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"یمنی مجھے چائے بنانے دو۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔ کچھ کام کاج آتا نہیں کرنے کے دعوے ہیں تمہارے پاس۔ اگر نقاش علی نے تمہارے ہاتھ کی چائے پی لی تو پھر کبھی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔" یمنی جانتی تھی رمشہ نے کبھی کوئی امورِ خانہ داری سرانجام نہیں دیے اس معاملے میں وہ کوری تھی۔

"اف...... اتنی منحوس باتیں تو منہ سے مت نکالو۔ انسان کی شکل اچھی نہ ہو تو کم از کم بات ہی اچھی کرلے۔" اس نے یمنی کی اچھی خاصی خوب صورت شکل کو بدصورت بنادیا اور بے ساختہ دہائی دی۔

"ارے واہ اب تمہیں اس شکل میں نقص نظر آنے لگے۔ چار دن کی محبت میں برسوں کی دوستی بھول گئی۔ بہت احسان فراموش ہو۔" یمنی نے زوردار مکا اس کی کمر پر جڑ دیا۔ جواباً وہ مصنوعی درد سے بلبلا اٹھی۔

"چار دن کی محبت، برسوں کی دوستی پر بھاری ہے۔ زیادہ خوب صورت اور خوش گوار احساس سے مربوط ہے۔ قسم لے لو اتنے برسوں میں میں نے بھی اتنی خوشی تمہارے چہرے پر محسوس نہیں کی جتنی اب چند روز سے کرنے لگی ہوں" رمشہ نے اسے چڑایا۔

"زیادہ بننے کی ضرورت نہیں۔ یہ لو چائے اور اب مجھے یہاں نظر مت آؤ۔ فی الفور رفو چکر ہوجاؤ۔ ورنہ کچھ بعید نہیں کہ میرے ہاتھوں تمہاری درگت بننے کے بعد تم چلنے پھرنے کے قابل نہ رہ سکو۔" یمنی نے ٹرے رمشہ کو تھمائی اور ساتھ زبردست دھمکی بھی دے ڈالی۔

"اس کا مطلب ہے [illegible] سلامت رکھنے کے لیے [illegible] صفت خونخوار تیری سے دور رہنا چاہیے۔" رمشہ نے اسے زچ کرچھوڑا۔

"دفع ہوجاؤ یہاں سے اور بکواس بند کرو۔" یمنی اب باقاعدہ جوابی کارروائی کے لیے کوئی ہتھیار ڈھونڈنے لگی تھی لیکن اس کے حملے سے قبل ہی رمشہ کچن کی دہلیز عبور کرچکی تھی۔

□ ♥♥ □

"حارث یار میرے ضبط کا اب مزید امتحان مت لے۔ ورنہ میں تجھے......" وہ لب بھینچ کر اگلا جملہ منہ میں دبا گیا۔

"یار مجھے نہیں پتا تھا میرے اتنے چھوٹے سے سچ سے تو بھڑک اٹھے گا۔ کسی نے سچ کہا ہے سچ بہت کڑوا ہوتا ہے۔" حارث دھپ سے صوفے پر گرا اور



سکون سے بولا۔ جب کہ نقاش علی خان سلگ اٹھا۔

"تمہیں وہاں بیٹھے میرے جذبات الہام ہو رہے ہیں۔ جو بنا سوچے سمجھے اپنے نادر خیالات کا نزول جاری کیے جارہے ہو" اپنے ابلتے غصے کو برف کے مساج سے وہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش میں بولا۔

حارث اس کا بہت اچھا دوست کم کزن تھا۔ بچپن سے لے کر جوانی تک وہ دونوں ایک دوسرے سے خاصے قریب رہے تھے۔ ایک دوسرے کی عادات، مزاج، پسند ناپسند کے بارے میں کم و بیش سبھی کچھ جانتے تھے۔ حتیٰ کہ کچھ پرسنل ہوتو وہ بھی جب تک آپس میں شیئر نہ کرلیتے انہیں چین نہ ملتا۔ چنانچہ نقاش علی خان، حارث احمد کو نا صرف لفٹ کا واقعہ بلکہ اس کی دوسری ملاقات کے بارے میں بھی بتاچکا تھا۔

اب جب اس کا فون آیا اور اس نے بتایا کہ وہ لفٹ والی لڑکی کے [illegible] حارث [illegible] کے گھر پہنچ گیا۔ یقیناً یہ غیر معمولی بات تھی۔ اب وہ مسلسل اسے مجنوں کے لقب سے نواز رہا تھا۔ جب کہ نقاش علی خان کافی چڑا بیٹھا تھا۔

وہ تو خود ان ہلچل مچاتے خیالات سے چھٹکارا پانے کی سعی میں مصروف تھا۔ اوپر سے حارث انہیں احساسات کو برانگیختہ کرنے پر تلا بیٹھا تھا۔ وہ خوامخواہ ہی چڑنے لگا اور غلط ثابت کرنے کی کوشش میں ہلکان ہورہا تھا۔

"یار اس میں اتنا اوور ری ایکٹ کرنے والی کون سی بات ہے۔ اگر وہ اچھی لڑکی ہے۔ تجھے پسند ہے اور سب سے بڑی بات اگر تجھے لگتا ہے بقول تیرے کہ وہ تجھے پسند کرتی ہے تو تمہیں خود کو ایک موقع دینا چاہیے۔" وہ مسلسل شرارت پر آمادہ تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے یار میں صرف اپنے فیچر کے لیے کچھ میٹریل کی تلاش میں ہوں۔ تو جانتا ہے میں نے ہمیشہ فطری خیالات و جذبات کی عکاسی کی ہے۔ ہمیشہ وہی لکھا ہے جس کا وجود دنیا میں ہو۔ جو کہیں نہ کہیں وقوع پذیر رہا ہو۔ جس کی اصلاح و درستی کی ضرورت ہو۔ اب کی بار جو ٹاپک میں نے چوز کیا ہے۔ وہ بہت ٹف ہے۔ میں جتنی لڑکیوں کو جانتا ہوں ان میں سے کوئی بھی مشرقی لڑکی کے سانچے میں پوری نہیں اترتی۔ سب ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ میں عورت کی صحیح تخلیق اور خوب صورتی بتانا چاہتا ہوں اور یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ دنیا کی ہر عورت میں مشرقی عورت کیسے منفرد ہے اور وہی آئیڈیل عورت ہے۔ باحیا، باوقار احساسات کو سب سے اونچی مسند پر رکھنے والی۔ لکھنے کو تو میں بہت کچھ لکھ سکتا ہوں مگر جو کشش، خوب صورتی، سچائی اس [illegible]

[illegible] بھاگ رہا تھا تو پھر ایک دم سے کیسے اقرار کرلیتا۔ وہ آزاد پنچھی نہیں تھا۔ وہ کچھ اصول و ضوابط کی بنیادوں پر پروان چڑھا تھا اور وہی اس کی جڑوں میں جذب تھیں۔ جو ہر چیز پر حاوی تھیں خود اس کی اپنی خوشی سے بھی۔ وہ اقرار کررہا تھا اور انکار بھی۔ عجیب گومگو کیفیت تھی۔ وہ الجھا ہوا تھا۔ بری طرح کشمکش کا شکار تھا۔ ایسے میں حارث کا اصرار چھیڑ چھاڑ اسے کوفت میں مبتلا کررہی تھی۔

"اچھا۔ تو تو مشرقی لڑکی کی تلاش میں اتنے بیک ورڈ ایریا میں جا نکلا۔" اس کا انداز سراسر مذاق اڑانے والا تھا۔ "اور تو اور اسی حسینہ کا گھر ہی تجھے اپنے مسئلے کا حل لگا یہ تو سونے پر سہاگہ والی بات ہوئی۔" اس نے خفیف سی چوٹ کی۔

''بکواس بند کر حارث میرا ٹیسٹ اتنا لو نہیں ہے کہ یوں راہ چلتی لڑکی کو اپنا ہم سفر بنالوں۔ وہ کسی طرح بھی میرے آئیڈیل سے میچ نہیں کرتی۔ کوئی ڈھنگ کی بات نہیں ہے اس میں۔'' یہ جملہ ادا کرنے سے پہلے وہ بھول گیا کہ ادھر آنے کے بارے میں حارث کو بتاتے ہوئے وہ کتنے زور و شور سے مشرقی لڑکی کے میٹریل کے بارے میں بتا رہا تھا کہ وہ اسے صرف یہیں مل سکتا تھا۔ نقاش علی خان کے اطراف میں کوئی لڑکی اس قابل نہیں تھی جو اس کے فیچر کے لیے پرفیکٹ ہو اور اب صرف اپنے احساس کو جھٹلانے کے لیے وہ کسی کے خوابوں کی زمین کو بنجر کر رہا تھا۔

''لیکن یار بقول تیرے اچھی خاصی خوب صورت ہے۔'' اس کا تپا ہوا موڈ وہ اسے ہی میں بیٹھا بھی محسوس کر سکتا تھا۔ لہٰذا کچھ سنجیدہ لہجے میں کہتے ہوئے اس نے گفتگو کا رخ موڑنے کی کوشش کی۔

''خوب صورتی کوئی بات نہیں ہے۔ دنیا میں لڑکی سے زیادہ لڑکیاں خوب صورت ہیں اس کا یہ قطعاً مطلب نہیں کہ میں ان سب سے پیار کرتا ہوں اور جیون ساتھی کے روپ میں قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میں جانتا ہوں یار رمشہ بہت خوب صورت ہے معصوم بھی لیکن یار تُو تو جانتا ہے جو تی جتنی بھی خوب صورت ہو آخر پہنی تو پیروں میں ہی جاتی ہے نا۔ سوسائٹی میں ہماری بھی کوئی عزت ہے یار۔ اس جیسی تھرڈ کلاس لڑکی کو اپنے گھر کی مہارانی بنانے کا میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ مما تو اسے ہمارے گھر کی نوکرانی بنانے پر بھی راضی نہ ہوں گی۔'' وہ پے در پے تیروں کی بوچھاڑ کر رہا تھا اور رمشہ اس کے عقب میں کھڑی ہراں تیروں کا سامنا کر رہی تھی جو اس کی زبان سے نکل رہے تھے۔ اپنا نام نقاش علی خان کے لبوں پر سن کر بے ساختہ اس کے قدم جم گئے لیکن اگلے جملے نے اسے لہولہان کر ڈالا تھا۔ وہ اس بے رحم گھڑی سے دور بھاگ جانا چاہتی تھی لیکن قدم من من بھاری ہو رہے تھے۔ وجود مزاحمت سے انکاری تھا۔ آنسوؤں نے کب نرم گلابی رخساروں پر غلبہ پایا اسے احساس ہی نہ ہوا۔ پھول جب شاخ سے جدا ہوتا ہے تو اس وقت پودا کس تکلیف سے دو چار ہوتا ہے رمشہ بخوبی جانتی تھی کیونکہ وہ خود بھی اسی درد کی منزل سے گزر رہی تھی۔ لیکن وہ سنگ دل انسان رمشہ کی غیر ہوتی حالت سے انجان مسلسل اس کی شہد رنگ آنکھوں میں سجے سپنوں کو ایک ایک کر کے توڑنے میں مصروف تھا۔

''یار تجھے ذرا شرم نہیں آتی۔ اسی کے گھر کھڑا ہو کر اسی بے چاری کا پوسٹ مارٹم کر رہا ہے۔'' اس کا انداز شدید نہیں تھا۔ حارث بھی اسی ماحول کا پروردہ تھا۔ بھلا اسے کسی کی فکر کیوں ہوتی۔ اس نے محض قیاس آرائی کی۔

''اور ان کے [illegible] تمہیں یہ سب [illegible] کیا تو کچھ بعید نہیں تمہیں واپس اپنی ٹانگوں پر چل کر نہ آنے دے۔'' وہ مزید گویا ہوا۔

''ایکسکیوزمی مسٹر حارث۔ ابھی نقاش علی خان کی اتنی پرسنالٹی ہے کہ شہر کی آدھی لڑکیاں اس کے پیچھے پاگل ہیں۔ رہی بات رمشہ کی تو یہ بے چاری ہی لڑکی تو محض میرے پیار سے دیکھنے پر ہی اپنا سب کچھ میرے قدموں میں ڈھیر کر دے۔ اینڈ یو نو ان جیسی لڑکیوں کو لڑکوں سے زیادہ ان کی دولت سے محبت ہوتی ہے ایک ہی جھٹکے میں سب کچھ پالینے کا اس سے بہتر موقع اور کہاں مل سکتا ہے۔'' وہ کیے بعد دیگرے شعلے برسا رہا تھا۔ جس میں رمشہ کا وجود جل رہا تھا۔ نقاش علی خان سے محبت کے احساس نے

اسے ساتویں آسمان پر بٹھا دیا تھا۔ اسی محبت کے پجاری نے ایک لمحے میں اسے زمین پر لا پٹخا۔ اس کے اندر توڑ پھوڑ مچی تھی۔ نازک بدن مارے غم و غصے سے بری طرح کپکپا رہا تھا۔ اگر اس سے نقاش علی خان عقب میں لرزتے وجود کو دیکھ لیتا تو شاید اپنے ہر خیال کو جھٹلا دیتا۔

"یہ تم نے کیا کیا نقاش علی خان میرے مخلص جذبات کو یوں پامال کرو گے۔ میرے انمول پیار کا یہ مول لگاؤ گے۔ میرے پیار کی عمارت کو اپنی امارت کے بے رحم الفاظ سے یوں زمین بوس کردو گے۔" بے ساختہ درد کی لہریں اسے ادھ موا کررہی تھیں۔

اس سے پہلے کہ ظالم صیاد اپنے محبت کے حصار میں قید اس بلبل کی قابل رحم حالت دیکھ لیتا وہ بے اختیار لمبے لمبے ڈگ بھرتی داخلی دروازے کی اوٹ میں ہوگئی۔ سائیڈ پر پڑی ٹیبل پر چائے چھلکانی [illegible] عزت و آبرو تھی تو اب اس کی جھولی میں باقی [illegible] وہ بھی اس ظالم کے قدموں میں ڈھیر کردیتی تو رمشہ خود کو کبھی معاف نہ کرپاتی۔ اس نے تو اسے ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ گھٹی گھٹی سی چیخیں سینے میں دبک کررہ گئیں۔ گالوں پر پھسلتے اشکوں کو بے دردی سے اس نے رگڑا اور خود کو سنبھالتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی ایک لمحے میں فیصلہ ہوا تھا۔

"میں تمہارے سارے غلط خیالات کی تردید کردوں گی۔ تم نے میرا تاریخ تجزیہ کرکے مجھے میری ہی نظروں سے گرا دیا ہے میری محبت کے سامنے مجھے سر جھکانے پر مجبور کردیا ہے۔ میرے انتخاب کو غلط ثابت کیا ہے۔ لیکن میں خود کو تمہاری نظروں میں ثابت کردوں گی۔" آنسو پونچھ کر اس نے دوپٹہ درست کیا۔ دوسری بار چائے بنائی اور پُر اعتماد قدم اٹھاتی صحن میں چلی آئی۔ صدف شکر کہ یمنی کمرے میں کتابوں میں مستغرق تھی۔ اسے کسی قسم کی کارروائی کی خبر نہ تھی۔

"ارے مجھے تو لگا کہ اب دوپہر کا کھانا ہی بنے گا۔" وہ فون کال سے فارغ ہوچکا تھا۔ وہ ایک بار پھر شگفتہ لہجے میں بولا۔ رمشہ کا جی چاہا تھا نچوں سے اس کا چہرہ سرخ کرڈالے۔ اس کے کونپلوں کی طرح نازک سپنوں کو نوچتے اسے ذرا رحم نہ آیا اور اب ایک اور خوش مزاجی کا نقاب پہن کر کھلم کھلا اپنی سفاکی کا اعلان کررہا تھا۔

آنکھوں میں پھیلی سرخی اس کے مسلسل رونے کی چغلی کھارہی تھی آنسوؤں سے دھلا دھلا چہرہ اور پُرکشش لگ رہا تھا۔ مگر نجانے کیوں اس چہرے پر وہ قوس قزح کے رنگ مفقود تھے جو نقاش علی خان کی [illegible] ہونے لگی۔

"کہیں اس نے میری باتیں تو نہیں سن لیں۔" ایک خوف بجلی کی طرح کوندا لیکن اس کا نارمل انداز نقاش علی خان کے ہر واہمے، ہر وسوسے پر اس کی نفی کررہا تھا۔

"چائے۔" اس نے مسلسل گھورتے ہوئے نقاش کی توجہ چائے کی جانب مبذول کروائی مگر نجانے کیوں اب ان نظروں سے وہ خائف نہ ہوئی بلکہ درد کی ایک چنگاری بھڑک کر اسے سلگانے لگی۔ بے ساختہ لبوں کو ایک دوسرے میں پیوست کرکے اس نے اس تپش کو اندر اتارا۔

"میں تو آپ کے کام سے بہت انسپائر ہوں۔ زندگی کی تلخ حقیقتوں کو یوں زیر قلم لانا وہ بھی بہت دلیری اور بے باکی کے ساتھ فنٹاسٹک۔"

اس نے چائے کی سپ لی اور خاموشی سے گہرے ہوتے وقفے کو توڑا۔

"تھینک یو۔" وہ مختصر سا جواب دے پایا۔ مگر نجانے کیوں شعوری طور پر بھی مسکرا نہ سکا۔

"محبت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

نجانے کون سی چیز اسے یہ سب کہنے پر اکسا رہی تھی۔

"محبت۔" اس نے پُرسوچ انداز اختیار کیا۔ "محبت کا اس دنیا میں کوئی وجود نہیں۔"

"واٹ۔" وہ اس سے ایسے غیر متوقع جواب کی توقع نہیں کررہا تھا۔ اس لیے اچھل کر بولا۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔ جس ماحول میں ہماری پرورش ہوتی ہے وہاں ہم فطری طور پر محبت سے گندھے رشتوں سے منسلک ہوتے ہیں لیکن یہ محبت نہیں ہوتی یہ احساس ہوتا ہے جو ہمیں ایک [illegible] نہیں اور جب یہ احساس ہمارے شعور کے پردے پر واضح ہوتا ہے تو ہم سوچتے ہیں کہ پیار ہوگیا ہے۔ حالانکہ جانے انجانے یہ احساس ہر گزرتے لمحے کے ساتھ ہمارے اندر بڑے استحقاق سے پرورش پارہا ہوتا ہے۔ جسے دریافت کرنے کے بعد ہم "محبت" کا نام دیتے ہیں۔"

"یعنی تمہارے نزدیک محبت محض ہمدردی ہے۔ احساس ہے۔"

"یس۔" اس نے اعتماد سے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

"احساس اور محبت دو الگ الگ جذبے ہیں۔ احساس ہم ہر انسان کا کرتے ہیں لیکن محبت کسی ایک انسان سے کرتے ہیں۔ محبت میں ہم اپنا آپ ہار کر بھی سرخروئی محسوس نہیں کرتے ہیں، لیکن احساس اس قسم کے موضوعات سے مبرا ہے۔ احساس میں کسی کو پالینے کی تمنا غالب نہیں آتی۔ جذبۂ ہمدردی نیکی کے مرحلے پر اختتام پزیر ہوجاتا ہے۔ لیکن محبت گہری ہوتی جاتی ہے۔ ہر گزرتا لمحہ اسے شدید کردیتا ہے۔ یہ خود انسان پر غالب ہوجاتی ہے۔" جانے کیوں رمشہ کا یوں محبت کے وجود سے انکار کرنا اسے بہت کھلا تھا۔ تب ہی محبت پر بے تحاشا بول گیا تھا۔

"اوہ گاڈ میں تو بھول ہی گئی کہ میرے مقابل ایک بہت بڑے کالم نگار ہیں۔ میں بھلا ان سے کیسے جیت سکتی ہوں۔" اس نے بھی بحث کے بجائے ہتھیار ڈال دیے۔ وہ تو صرف اسے ٹٹولنا چاہتی تھی کیونکہ یہ بات تو طے ہے کہ صرف محبت کرنے والی آنکھ ہی رو سکتی ہے اور محبت کرنے والے انسان کے دل کے تاروں سے ہی نغمہ [illegible] نقاش علی خان وہ [illegible] محسوس ہورہی تھی۔ وہ جانے کیوں بے چین ہوا تھا۔

"تمہیں پتا ہے رمشہ مجھے قدرت کی خوب صورتی کتنی بھلی لگتی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے اسے کوئی خراب نہ کرے۔ جیسے کسی شاعر کے تخیل میں ہلچل مچ جائے تو وہ اپنا اصلی رنگ کھودیتا ہے اسی طرح اگر کوئی اس حسن کو متاثر کرنے کی کوشش کرے تو نعمت الٰہی کی ناشکری کرنے کے مترادف ہے۔"

"زندگی میں حسن جیسی ناپائیدار شے کو آپ کس درجے پر رکھتے ہیں؟" اس کا لہجہ گہرائی سے پُر تھا۔ وہ چند لمحے اس کے بے تاثر چہرے کو تکتا رہا پھر آہستگی سے رخ پھیر گیا۔

"کتنی عجیب بات ہے نا۔ ہمیں کسی کے بال اچھے لگتے ہیں کسی کے ہونٹ خوب صورت لگتے

ہیں یعنی ہم خوب صورتی کو مادیت میں تلاشتے ہیں۔ حالانکہ خوب صورتی تو دیکھنے والے کی نظر میں ہوتی ہے۔ یہ نظر ہی تو ہے جو عام سے انسان کو بھی خوب صورت اور خاص بنا کر اسے بادشاہی کے تاج و تخت کا سا احساس سونپ دیتی ہے اور یہ نظر ہی کسی کے کھرے اور سچے جذبوں کو چند روپوں کی مادی اشیاء سے موازنہ کرنے کے بعد اسے بے وقعت کر دیتی ہے۔ ایک نظر دوسرے کو معتبر کر دیتی ہے اور دوسری کم مائیگی کی دلدل میں دھکیل دیتی ہے۔ کاش انسان کے لیے انسانیت، محبت، احساس ہر مادی چیز سے مقدم ہو جائے لیکن نہیں پھر کوئی چین دے کر بے چینی مول کیسے لے گا۔ پھر درد کی منزل کیسے طے کرے گا۔ کسی کو کانٹوں کے بستر پر چھلنی کرنے کے لیے یہ مثبت اور منفی نظر تو ہونی ہی چاہیے اور یہ بات بھی تو سچ ہے ناکہ ہر بری چیز کی وجہ سے ہی اچھی چیز [illegible] کیوں تڑپ کر رہ گیا۔ اس نے بے ساختہ اسے شانوں سے تھام لیا وہ چند لمحے اسے محبت پاش نظروں سے تکتی رہی، لیکن دوسرے ہی لمحے اپنی تذلیل کا احساس ہر احساس پر غالب آ گیا۔ اس نے آہستگی سے اس کی مضبوط گرفت سے اپنے شانے آزاد کروا لیے مگر حیرت بجا تھی کہ وہ کوئی سخت ردعمل نہ برت سکی۔ نقاش علی خان کے اندر ہولے ہولے ضربیں لگ رہی تھیں یہ بات تو طے ہے کہ انسان صرف انہی جذبات کو محسوس کر سکتا ہے جن سے وہ دوچار ہو چکا ہو۔ شاید وہ بھی رمشہ ہی کی طرح ٹوٹا تھا مگر اتنی جلدی کیسے؟ وہ حیران تھا۔

وہ اسے اسی لمحے دھکیل کر کے اپنے گھر کی دہلیز سے باہر کر سکتی تھی۔ جب اس نے رمشہ کے وقار کو مجروح کیا۔ اس کے نازک سپنوں کا مول لگایا لیکن کوئی شدید ردعمل کر کے وہ اس ظالم کے خیالات کی عکاسی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہتی تھی کہ اسے اس سے محبت ہے۔ اس کی محبت کے اعجاز سے نقاش علی خان تو معتبر ہو جاتا لیکن رمشہ کی محبت بہت نیچ اور ہیچ ہو جاتی۔ لہٰذا اس نے ہمیشہ کے دکھ کے بدلے میں اپنا غرور، مان، وقار قائم رکھنا ضروری سمجھا۔

"آپ اپنے فیچر میں یہ ضرور لکھیے گا کہ مشرقی لڑکی بہت انا پرست ہوتی ہے۔ جب وہ محبت کرتی ہے تو حیثیت کے تفاوت سے بالاتر ہو کر محبت کرتی ہے صرف محبت، لیکن آنچ اس کے کردار، اس کے وقار کی ہو تو وہ اسے قائم رکھنے کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیتی ہے حتی کہ اپنی محبت بھی۔" اس نے بے دردی سے کہا۔

[illegible] ہو۔"

"ہاں میرا خواب، میرا خواب بہت سادہ ہے۔ ایک چھوٹا سا پیارا سا گھر۔ پیار کرنے والا دنیا کا سب سے زیادہ میرا خیال رکھنے والا۔ احساس مند......"

"دولت مند زندگی کی تمہارے نزدیک کیا اہمیت ہے؟"

"مجھے دولت مند افراد سے سخت نفرت ہے۔ حتی کہ دوست سے بھی۔ اس دولت کا کیا فائدہ، جو انسانیت کو دو طبقوں میں تقسیم کر دے۔ جو چھوٹے بڑے طبقوں میں منقسم ہو کر چہار سو بے حسی کو اجاگر کر دے۔ نفرت ہے مجھے اس فتنہ برپا کرنے والی دولت سے۔ جو انسان کی محبت مٹاتی ہے۔ جو



انسانیت پر حاوی ہے۔ میرا خواب تو ایک ایسے گھر کا ہے جس میں پیار ہو۔ صرف پیار۔ دولت کے لیے آگے سے آگے دوڑنے کی فکر میں چراغ پا ہوتے لوگ نہ ہوں۔ بس محبتیں بانٹیں اور محبتیں سمیٹیں۔"

اس نے ایک ایک کر کے نقاش علی خان کے ذہن پر جمی گرد کی تہیں صاف کر دیں لیکن اگر اب وہ آئینے کی طرح شفاف ہو کر اسے تھام لینے کی خواہش ظاہر کرتا تو شاید وہ چاہ کر بھی اس کا ہاتھ نہ تھام سکتی۔ کیونکہ جسم پر لگے زخم تو مندمل ہو جاتے اور نشان بھی مٹ جاتے ہیں۔ لیکن زبان سے لگے زخم کبھی نہیں بھرتے ہمیشہ ہرے رہتے ہیں۔ بار بار وہ لمحہ یاد آتا ہے اور زخم کریدتا رہتا ہے ایک درد ہر گزرتے لمحے انسان کے ساتھ سفر کرتا ہے۔ وہ ہر بات فراموش کر سکتی تھی۔ لیکن نقاش علی خان کے منہ سے نکلے الفاظ کو فراموش نہیں کر سکتی تھی اور ابھی تو [illegible] ہے۔ یہ ماضی بنتا لمحہ کرب کی لہر کو شدید کر رہا تھا۔ خود پر ضبط کا پہرہ بٹھائے بٹھائے اس کا ضبط ہانپنے لگا تھا۔ آنسوؤں کا بے تاب پھندہ حلق میں اٹک کر سانس روک رہا تھا۔

ایک ٹھنڈی آہ کھینچ کر اس نے کب سے سینے میں اٹکی سانس خارج کی اور سارا درد آنکھوں کے رستے ایک بار پھر اندر انڈیل لیا شاید اپنی ذات کے غرور کی بقا کے لیے۔

"رمشہ...... لڑکیاں واقعی خدا کی عجب تخلیق ہیں شاید وہ تو خود اپنی ذات کے مدوجزر کو سمجھ نہیں پاتیں کب کیا سوچ ان کے گرد حصار کرے انہیں جکڑ لے کچھ خبر نہیں تو پھر ہم کیسے کسی عورت کا پہلی ہی نظر میں جائزہ لے کر آراء قائم کر لیتے ہیں ہم یہ بھی نہیں کر سکتے۔"

رمشہ نے کچھ نہیں کہا۔ بس گلابی ہتھیلی پھیلا کر لکیروں کے ہیر پھیر میں تقدیر کی شطرنجی کھوجتی رہی۔

"رمشہ! تم بہت خاص لڑکی ہو۔ شاید میں زندگی میں تمہیں کبھی نہیں بھول پاؤں گا اور شاید کوئی اور لڑکی ایسا مقام میرے دل میں حاصل نہیں کر سکے گی۔"

بس ایک لمحے میں کئی فیصلے ہوئے تھے۔ ایک پل میں پیار کا انوکھا احساس اور اس کا شرف قبولیت اور دوسرے ہی لمحے اس سے دستبردار ہونے کا حتمی اور اٹل فیصلہ۔

"رمشہ تمہاری چند لمحوں پر محیط رفاقت نے مجھے ہرا دیا۔ مجھے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ تمہاری محبت کے احساس نے مجھے طاقت ور بنا دیا، لیکن شاید اس دنیا کے قواعد ضوابط زیادہ مضبوط اور طاقت ور [illegible] داخلی روپ میں جتا نہیں کر سکا۔"

قطرہ قطرہ بڑھتے پچھتاوے کے سمندر میں وہ غوطہ زن تھا، لیکن یہ پچھتاوا بھی اس کا نصیب تھا۔ جب کہ رمشہ بت بنی اس آدھے ادھورے مفہوم کا مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ نہ اقرار نہ انکار یہ کیا تھا کوئی بے بس سا کچا جذبہ یا محض لفاظی۔ چند خمار آلود لمحے انہیں اپنی گرفت میں لے گئے۔ لیکن بہت جلد رمشہ سنبھل گئی۔

"تھینک یو...... آپ نے مجھے اس قابل سمجھا۔ ورنہ آپ جیسے لوگ تو غالباً ادھر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔" اس نے زبردست چوٹ کی۔ نقاش علی خان نے حیرت سے اس لڑکی کے پل پل بدلتے روپ دیکھے۔ کچھ وقت پہلے اس کی آنکھوں میں محبت کا سمندر موجزن تھا جس کی ہر لہر میں پیار کو معتبر

کرنے اسے پالینے کی جستجو کی تڑپ تھی اور اب سپاٹ بے تاثر بے گانگی سے بھرپور کٹیلا لہجہ۔

"رمشہ......" وہ صدمے کی کیفیت میں خود کو محسوس کررہا تھا۔ محض یہ نام جو دل کی ہر دھڑکن پر تال کی طرح بج رہا تھا۔ نکل سکا۔ اس سے مزید کھڑا رہنا دشوار تھا۔ اسے لگا جیسے درد سے اس کا سینہ پھٹ جائے گا۔ اس نے تو اسے کسی درجے میں ہی نہیں رکھا تھا۔ ایک لمحے میں اسے پرایا کردیا۔ ایک پل میں اسے "آپ جیسے" لوگوں میں شمار کردیا۔

"اور مزید میری ایک نصیحت یاد رکھیے گا یوں سر راہ چلتے اجنبی کو دل کی راہ نہیں دکھاتے۔ یہ تو خاص ہستی کے لیے ہوتا ہے۔"

"تم میرے لیے اجنبی نہیں ہو۔ تم میری اپنی ہو اور تم میرے لیے کیا ہو۔ مجھے اس بات کو تمہارے سامنے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ میرا اور میرے دل کا معاملہ ہے جسے خود نمٹ لوں گا۔" وہ [illegible] معصوم بچے کی طرح منہ پھلائے کھڑا تھا۔ رمشہ کا جی چاہا دل کھول کر ہنسے۔ اسے اور تنگ کرے لیکن ہر خواہش پوری ہونے کے لیے نہیں ہوتی یہ رمشہ سے بہتر کون سمجھ سکتا تھا۔

"اچھا بتایئے چائے کیسی بنی تھی؟" اس نے بات لپیٹنے کے لیے کہا۔

"بہت اچھی اور ویسے بھی تم اپنے ہاتھوں سے جو چیز بناؤ گی وہ تو ویسے ہی بہت اچھی بنے گی۔" اس کا انداز تعریفی تھا۔

"تھینکس۔" وہ بدقت تمام مسکرائی۔

"اچھی لڑکی اپنا خیال رکھنا ہو سکے تو ہم جیسے لوگوں کو اپنی یادوں میں یاد رکھنا۔ حالانکہ تمہارے سپنوں سے ہم جیسے لوگوں کا گزر ممکن نہیں۔" اس نے اسی کا جملہ لوٹایا تو وہ تڑپ کر رہ گئی۔

اس نے سن گلاسز آنکھوں پر چڑھائے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا داخلی دروازہ عبور کر گیا۔ فراق کا لمحہ آیا اور گزر گیا۔ کہیں کچھ نہیں بدلا۔ بس اس کائنات میں ایک لڑکی تہی داماں رہ گئی۔

"یہ کیسا فراق ہے یہ کیسی الوداع تھی نقاش علی خان تم نے تو مجھے آخری بار جی بھر کے دیکھنے بھی نہیں دیا۔ تم نے میری نگاہوں کو بے مراد واپس لوٹا دیا۔" وہ سسک اٹھی۔ "لیکن کچھ لوگ ہمیشہ ہی بے مراد رہتے ہیں۔ میں بھی انہی میں سے ایک ہوں۔"

وہ دہلیز پر نگاہیں گاڑے ساکت کھڑی تھی۔ شاید اس کے نہ ہونے کا یقین کرلینا چاہتی تھی۔

"لو رمشہ توڑ دیا میں نے تجھ سے رشتہ۔ میں نے کرلیا پیار پہلی نظر کا پیار۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ ساری زندگی اس دل کو تمہاری صورت سے سجا کر رکھوں گا لیکن تمہیں پانا میری رسائی میں نہیں۔ ہم [illegible] کے باسی ہیں۔ جس دنیا میں تم رہتی ہو وہاں انمول جذبے بیچے جاتے ہیں اور جہاں میں رہتا ہوں وہاں بے ریا جذبات کو بھی نفع اور نقصان کے ترازو میں تولا جاتا ہے۔ تمہاری نظر ایک ہیرے کی طرح دمکتی ہے۔ لیکن وہاں کی کھوکھلی اور خودغرض نگاہیں تم جیسے ہیرے کو بھی بے مول کردیں گی۔ تمہاری دمک کو اپنی گندی نظروں سے گدلا کردیں گی۔ بعض چیزیں اپنی جگہ پر ہی خوب صورت لگتی ہیں اگر وہ وہاں سے ہٹ جائیں تو اپنی اہمیت و وقعت کھودیتی ہیں۔ تم اور میں اجنبیوں کی طرح ملے اور قدرت کے سب سے انمول تحفے سے سرفراز ہوئے۔ تم میری نہ ہوئیں اور میں تمہارا۔ یہ بھی قدرت کا فیصلہ ہے۔ ہزار تاویلیں وجوہات خود کو باور کراتے گزر جائیں گی لیکن حقیقت کا یہ تکلیف دہ پہلو کبھی رخ نہیں موڑے گا۔ رمشہ تم میری زندگی کی ڈائری میں محض اک ورق کی قصہ خوانی بن کر آئیں مگر یہ ایک ورق پوری ڈائری کے وجود کی بقا اور آگے کی زندگی جینے کی نشاندہی کرتا ہے۔"

اس نے تھک کر آنکھیں موند لیں اور سر ڈرائیونگ سیٹ کی پشت سے ٹکادیا۔ اس کے اندر ہی اندر آنسوؤں کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ اسے اپنا آپ جلتا ہوا محسوس ہورہا تھا اس سے پہلے کہ بغاوت کا طوفان اس سوگوار کیفیت پر غلبہ پاتا اس نے خوب صورت راستوں کو دائمی الوداع کہا اور گاڑی فل اسپیڈ پر چھوڑ دی۔ چھ فٹ سے نکلتا قد اور کسرتی جسم والے اس اونچے لمبے انسان کو خود اعصابی کی جنگ نے نڈھال اور مضمحل کردیا تھا۔ اس نازک و گلابی پیکر کو دل کے نہاں خانے میں دفن کرتے ہوئے وہ انہیں [illegible] کمرے میں آئی۔ [illegible] ڈھیروں نوٹس اپنے گرد پھیلائے بیڈ پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔

"آ گئیں تم۔ کیسی رہی ملاقات۔ ویسے یہ دیکھو میں نے کمپیوٹر اپلی کیشنز کا ٹاپک ڈھونڈ لیا ہے جو ہم کافی دنوں سے تلاش کررہے تھے۔" اس نے جلدی جلدی مطلوبہ ورق ڈھونڈتے ہوئے ایک ہی سانس میں پوچھ لیا۔ وہ رمشہ کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ رمشہ ٹرانس کی کیفیت میں چلتے ہوئے بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی۔ دوپٹہ سر سے ڈھلک کر شانے کی زینت بن گیا۔ اس کی حالت ایسے سپاہی کی سی تھی جو جنگ میں فتح پانے کے باوجود خوشی کے جذبے سے لبریز نہیں ہو پاتا۔ وہ بھی تو اتنا بڑا محاذ لڑ کر آرہی تھی۔ اپنے دل میں پلتی محبت کو کچل کر آرہی تھی۔ ضبط کا ہر بندھ ٹوٹ گیا۔ وہ بے اختیار یمنی کے بازوؤں پر گر گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رودی۔ یمنی اس اچانک ردعمل پر بوکھلا اٹھی۔

"رمشہ...... اگ...... کیا ہوا؟ تم ایسے کیوں رو رہی ہو؟" وہ پریشانی سے پوچھنے لگی۔ یمنی نے اسے خود سے الگ کرنا چاہا لیکن وہ اور شدت سے اس سے لپٹ گئی اور آنسوؤں میں بھی مزید روانی آگئی۔ یمنی کا بس نہیں چل رہا تھا کیسے معاملے کی تہہ تک پہنچے۔

"رمشہ! کچھ تو بول تیری خاموشی میری جان نکال رہی ہے۔ کیا ہوا ہے آخر نقاش علی نے کچھ کہا۔" اس نے انجانے میں رمشہ کی دکھتی رگ کو دبا دیا۔

"کاش یمنی وہ کچھ کہتا۔ آخری بار پلٹ کر ہی مجھے دیکھ لیتا۔" اس نے آنسوؤں کے درمیان گلوگیر [illegible] آخری بار [illegible] یمنی نے [illegible] اسے دیکھا۔

"وہ چلا گیا یمنی ہمیشہ کے لیے چلا گیا۔ مجھے دکھ کی گہری وادی میں دھکیل کر چلا گیا۔ تمہارا ہر خوف، اندیشہ، وسوسہ درست ثابت ہوگیا۔ اس کے نزدیک میری محبت کی کوئی اہمیت نہیں۔ وہ دولت کا پجاری ہے۔ اس کے لیے یہ شہرت، نام، دولت کسی کے پاکیزہ جذبوں سے زیادہ اہم ہیں۔" کراہتے دکھ نے اسے مار ہی ڈالا۔ اس کے لہجے میں ایسی کاٹ تھی جس نے یمنی کو تڑپا کر رکھ دیا۔

"رمشہ کیوں؟ یوں اپنے انمول خوابوں کو اس خبیث اور گھٹیا انسان سے منسلک کرکے رو رہی ہو۔ جو تمہاری محبت کو نہ سمجھ پایا۔" یمنی نے اس کا اشکوں سے تر بتر چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں بھر کر کہا۔

رمشہ نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

"ایسا مت کہو یمنی اس میں اس کا تو قصور نہیں۔ عورت ہمیشہ اپنی محبت کو بہتر اور عظیم سمجھتی ہے۔ نارسائی مقدر بن جائے تو بھی خود کو ضعف ٹھہراتی ہے۔ لیکن واہ ری قسمت عورت سدا کی بے وقوف ہے خود ہی بے بنیاد اور کھوکھلی زمین پر محبت کی عمارت کھڑی کرتی جاتی ہے اور جب وہ ناپائیدار عمارت زمین بوس ہوتی ہے۔ تو خود مظلوم بن کر ساری عمر ناقدری کا رونا روتی رہتی ہے۔ اس میں مرد کا تو کوئی دوش نہیں ہوتا۔ تم نقاش علی کو کچھ مت کہو۔ خوش اخلاقی تو مرد کی فطرت میں ہے۔ عورت ہی اسے غلط رنگ دے کر خود کو ان تاروں میں الجھا لیتی ہے جو الجھ جاتے ہیں لیکن سلجھ نہیں سکتے۔ اس نے مجھے کون سے یقین کے جگنو تھمائے تھے۔ میرے ساتھ کون سے عہد و پیمان باندھے تھے۔ یہ تو میرے دماغ کا خناس تھا۔ تو پھر اپنا قصور کسی دوسرے کے سر کیوں تھوپیں اپنی ناکامی کا تاج کسی دوسرے کے سر کیوں سجا دیں۔ میں نے اس سے محبت کی یہ میری غلطی تھی اور جب انسان غلطی کرتا ہے تو پھر سزا کا مستوجب بھی ٹھہرتا ہے۔ سو مجھے بھی سزا مل گئی۔ تاحیات اس کی محبت میں تڑپنے کی سزا۔"

یمنی کو یقین نہ آیا کہ یہ وہی لڑکی ہے۔ وہ آنکھیں پھیلائے اور لب بھینچے اسے سن رہی تھی۔ رمشہ نے اپنے بہتے آنسو ہاتھ کی پشت سے رگڑ ڈالے۔

"میں تمہیں اسی کرب سے بچانا چاہتی تھی رمشہ۔ مجھے خدشات ڈرا رہے تھے۔ لیکن میں نے بھی ان کے درست ہونے کی دعا نہیں مانگی۔ میں نے ہمیشہ یہی چاہا کہ میں غلط ثابت ہو جاؤں اور تمہارے پیار کا مان سلامت رہے۔" اس کے لہجے میں ندامت بول رہی تھی جیسے سب کچھ اسی کی وجہ سے ہوا ہو۔ رمشہ نے جواباً کچھ نہیں کہا اور بس اٹھ کر کھڑکی کے پاس چلی گئی اور ہاتھ بڑھا کر کھڑکی کے پٹوں سے ٹکراتی ہوا کو اندر آنے کا راستہ دے دیا۔

"تمہیں پتا ہے یمنی ہمیں ہمیشہ دور کی چیزیں کیوں خوب صورت لگتی ہیں۔" چند خاموش لمحے سرک گئے اور وہ اس کے جواب کا مزید انتظار کیے بغیر بولی۔

"کیونکہ ہم ان تک رسائی نہیں حاصل کر سکتے۔ ہمارے دل میں اشتیاق ہوتا ہے کہ جانے انہیں قریب سے پرکھیں گے تو یہ کتنی اعلیٰ ہوں گی۔ جو دور سے آنکھوں کو اتنا پرکیف تاثر دیتی ہیں، لیکن قانون فطرت ہے جب انہیں ہم پا لیتے ہیں یا قریب سے پرکھ لیتے ہیں تو یہ چیزیں اپنی اہمیت و وقعت کھو دیتی ہیں اب خواہ وہ کوئی چیز ہو یا انسان۔ نقاش علی خان کی شخصیت بھی ایسی ہی کہسار ہے جو بلندی سے خوب صورت اور [illegible] قریب سے وہ [illegible] غرور ہے کہ اپنی راہ میں حائل دیوار نہیں توڑ سکتا اور پھر نارسائی کا دکھ کیسا۔ دکھ تو اپنی چیز کے کھو جانے کا ہوتا ہے جو چیز اپنی ہوتی ہی نہ اس کے کھو جانے کا دکھ کیسا۔ پرائی چیز پر حق تو نہیں جتایا جا سکتا۔" اس کی آنکھوں اور لہجے میں عجیب سا ٹھہراؤ اور سکوت تھا۔ یمنی اندر تک لرز اٹھی۔

"رمشہ تم یہ سب کیا کہہ رہی ہو۔ پاگل ہو گئی ہو کیا۔ وہ تمہیں ٹھکرا کر جانے والا ہوتا کون ہے۔ اس نے تمہیں ریجیکٹ کیا اور تم چپ چاپ چلی آئیں۔" اس ٹوٹی ہوئی لڑکی کو دیکھ کر خود بھی ٹوٹ رہی تھی۔

"یمنی تم تو بہت پریکٹیکل لڑکی ہو۔ یہ بے معنی باتیں تمہارے منہ سے اچھی نہیں لگتیں۔ ہر انسان کے گرد ایک حصار متعین ہے۔ وہ اسی میں رہ کر زندگی





کا لطف اٹھائے تو بہتر ہے۔ میں نے اس حصار سے باہر آنے کی کوشش کی اور پھر اس کا نتیجہ بھی دیکھ لیا۔ جو ہو گیا سو ہو گیا۔ یہ میری تقدیر میں رقم تھا۔ جب میں نے اسے مان لیا ہے تو تم بھی مان لو۔ یقین جانو میں بہت خوش ہوں۔" اس نے ہونٹوں پر ایک دل فریب مسکراہٹ سجالی۔

اتنے میں سکینہ بیگم بھی چلی آئیں۔ یمنی اٹھ کر چلی گئی لیکن دوبارہ جلد آنے کا وعدہ کر گئی۔

رمشہ نے بھی خود کو کتابوں میں بند کر لیا کہ پہلے ہی بہت سے دن برباد ہو چکے تھے۔ ایک مطمئن سی لہر پورے وجود میں دوڑ گئی۔

"یمنی تم میری بہت اچھی دوست ہو۔ لیکن بعض باتیں بہت اہم ہوتی ہیں کہ انہیں صرف اپنے دل تک محدود رکھنا پڑتا ہے۔ میں نے نقاش علی خان کی آنکھوں سے یہ بھید چرا لیا ہے کہ وہ بھی میری محبت کا [illegible] یہ سکھا دیا ہے کہ جس سے محبت کی جائے اس سے نفرت نہیں کی جا سکتی خواہ وہ کتنا ہی غلط کیوں نہ ہو۔" اس نے طمانیت سے سوچا۔

"رہی بات ناکامی کی تو محبت میں کامیابی شرط تو نہیں۔ یہ ملاپ سے مشروط نہیں ہوتی۔ یا شاید نارسائی ہی محبت ہے اور میں نے بھی انہی معنوں میں محبت کی ہے۔ تم سے محبت میرے آنکھوں کی چادر تلے جنم لینے والے سپنوں میں سے ایک سپنا ہے جو آنکھ کھلتے ہی اوجھل ہو گیا۔ تم بھی چند لمحوں پر محیط ایک خواب بن کر آئے جس کا ٹھکانہ صرف بند آنکھوں کے پیچھے ہے اور میری بند آنکھوں کے پیچھے ہمیشہ تم ہی رہو گے۔" اس نے خود سے عہد کیا اور ایک بار پھر مسکرا دی۔ ایک خلا اندر کہیں بن گیا تھا۔ جسے وہ چاہ کر بھی پر نہیں کر سکتی تھی۔ جس میں ہولے ہولے درد کی چنگاری بھڑکتی رہتی۔

اگر ہر لڑکی خواب بننے سے پہلے صرف ایک لمحہ حقیقت کا تجزیہ کرے تو شاید اتنی تکلیف بھی اس کے وجود کا احاطہ نہ کرے۔ ان سپنوں کو جھٹلانے کی تکلیف کم ہے لیکن انہیں پورا ہوتے دیکھ کر بھی ان سے دستبردار ہونا۔ تلواروں سے سینہ چھلنی کرنے کے مترادف ہے۔"

آسمان کی بانہوں میں مرکز نگاہ بنا پہلی تاریخوں کا چاند درد میں بھی مسکراتی اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

"نقاش علی خان بے شک ہم ایک دنیا میں رہتے ہوئے بھی دو الگ الگ دنیاؤں کے باسی ہیں۔ لیکن اس کائنات کا چاند ایک ہے جو تمہیں بھی دیکھ رہا ہے اور مجھے بھی۔ یہ مجھے تمہارے بارے میں بتائے گا اور تمہیں میرے بارے میں۔ یہ ہمارا خبر رساں ہے۔"

[illegible] موندیں۔ دو گرم گرم نمکین پانی کے قطرے آنکھوں سے نکل کر عارض پر بھٹک گئے۔

نقاش علی خان نے ادھورے چاند کو دیکھا اور ایسے مسکرایا جیسے رمشہ کا پیغام پا لیا ہو۔ پھر پلکوں نے آنکھوں کے گرد پردہ سا بنا لیا۔ ایک مقدس محبت کا انجام گو کہ المیہ تھا لیکن بہت بہتر اور اپنے آپ میں انوکھا تھا جس کی گواہی دور چمکتا چاند بھی دے رہا تھا۔

قسط نمبر 13

# دل جاں تو جو کہے

راحت وفا

> تیرے غم سے میری دنیا جواں ہے
> تیرا ہی غم حیاتِ جاوداں ہے
> بچاؤں کس طرح میں اپنے گھر کو
> میرا گھر تو بلاؤں کا جہاں ہے

کھٹ سے دروازہ کھلا۔

فرحان نے کمرے میں قدم رکھے تو سامعہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ آج اس کا فیصلہ سننے کے لیے آیا تھا اور وہ بیڈ پر بیٹھی نچلا ہونٹ چباتے ہوئے اس کے سوالیہ چہرے کو پڑھ رہی تھی۔

"جاناں! اب بولو کیا چاہتی ہو؟" اس نے سرگوشی کی تو اس کا دل چاہا کہ اس کے کشادہ سینے میں چھپ جائے مگر موقع مناسب نہیں تھا۔ حقیقت تو یہی تھی کہ سب کچھ اسے خود سے دور کرتا ہے۔ یہی فیصلہ اس نے کر رکھا تھا۔

"فرحان! جانتے ہو عورت گھر کیوں بساتی ہے؟ تاکہ وہ حیات اس میں [illegible] گزار دے مگر میں وہ بدنصیب عورت ہوں جس نے دوبارہ گھر بسایا مگر جب سر اٹھا کر دیکھا خود کو کھلے آسمان تلے پایا۔ یہ تیرا گھر میرا حقیقی ارمان ہے۔ معاشرے کی نظر میں تین شادیاں کرنے والی عورت ایک طعنہ اور گالی بھی جاتی ہے مگر میں خوش ہوں کہ میرا فیصلہ اچھا ہے۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"تھینک یو میری جان! مجھے تم سے یہی امید تھی۔ اب یہ زندگی ہم اپنے گھر میں جئیں گے۔"

"پلیز! خیال رکھیے زرتاشہ نہ آجائے۔"

"وہ ماما کے پاس ہے میں اطمینان کر کے آیا ہوں۔"

"فرحان! ابھی تو ہمارا گھر ہے۔ ہمیں یہیں رہنا ہے۔ مصلحتوں کے ساتھ سمجھوتوں کے ساتھ۔"

"کیا مطلب؟"

"فرحان آپ چاہتے ہیں کہ سب رشتے ناتے سبوتاژ ہو جائیں۔ ہم دونوں خود غرض بن جائیں۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے۔ دنیا میں کوئی چیز اپنے خود کے لیے نہیں ہوتی۔"

"سامعہ! پہلیاں مت بجھواؤ بس کہو کیا کرنا ہے۔ میں اپنی مرضی تم پر مسلط کرنا نہیں چاہتا تم جو کہو وہ میں کرنے کو تیار ہوں۔" وہ خاصی روانی میں بولا۔

"فرحان! یہ آپ کی محبت ہے اور آپ کی محبت صرف آپ کے لیے نہیں ہے دریا خود اپنا پانی نہیں پیتا' درخت خود اپنا پھل نہیں کھاتے' سورج اپنے لیے حرارت نہیں دیتا' پھول اپنی خوشبو اپنے لیے نہیں بکھیرتے۔ کیونکہ دوسروں کے لیے جینا ہی اصل محبت ہے۔ ابدی زندگی ہے۔"

"کیا چاہتی ہو؟" اسے کھٹکا سا ہوا۔

"فرحان! زرتاشیہ نے مجھے یعنی آپ کی محبت کو اپنی محبت سے تسخیر کیا ہے۔ پلیز اسے اس کی محبت دے دو۔ اسے جینے کے لیے تمہاری چاہت چاہیے۔ وہ اسے دے دو۔ میں یہی چاہتی ہوں۔"

وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سامعہ ایسا کچھ سوچ بھی سکتی ہے۔ کہنا تو درکنار۔ اس کی آنکھوں میں غیر یقینی کی چمک' سامعہ کے کندھوں میں مضبوط دھنسی ہوئی انگلیوں کی گرفت شدید درد کے احساس سے آنکھوں میں پانی بھرے ایک ٹک اس کی آنکھوں میں دیکھتی جا رہی تھی مگر وہ کہاں تھا؟ یہ اس کا وجود تو نہیں تھا۔ اس کا چہرہ تو نہیں تھا۔ اس کے ہاتھوں کا لمس تو نہیں تھا۔ وہ حیرت زدہ تھی۔ فرحان تو اس کے قریب نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد اس کے کندھے آزاد کر کے وہ الٹے قدموں لوٹ گیا۔ وہ اپنے ہاتھوں سے اس کی انگلیوں کے احساس کو محسوس کرتے ہوئے دکھ سے مسکرا دی۔

"سامعہ! شاید اسی کو کہتے ہیں مجبوریٔ حیات رک سی گئی ہے زندگی۔" خود سے کہہ کر وہ صوفے پر ٹک گئی۔ ذہن میں سوالات کا طوفان امڈ آیا۔ فرحان سے جو کہہ دیا وہ ساری زندگی کی تلافی کے بعد بھی اس کے حق میں بہتر نہیں تھا۔ فرحان کو یقین نہیں آیا تو اس نے اپنی خاموش نگاہوں سے یقین دلا دیا تھا اور وہ...... وہ خاموش نگاہوں کا لباس زیب تن کر کے خود بھی خاموشی سے نکل گیا تھا۔ نہیں معلوم خفا ہوا تھا یا بدگمان۔ وہ نہ پوچھ سکی تھی [illegible]

"سامعہ! یہ کیا کیا تم نے؟ [illegible] فاصلے کے بعد تمہارے لیے بالکل اجنبی ہو جائے گا۔ کہاں جاؤ گی؟" ذہن نے اکسایا تو وہ مضطرب ہو کر ٹہلنے لگی۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا تھا۔ ایسے فیصلے جن کا تعلق دوسروں کی خوشیوں سے جڑا ہوا ہو کسی بھی حالت میں بدلا نہیں جا سکتا۔ اس نے ذہن کو تاویل پیش کی اور دھیرے سے فرحان سے معافی مانگ لی۔

"مجھے معاف کر دو فرحان۔" مگر فرحان تو وہاں سے اس وقت بہت دور تھا۔

☆□☆

شہر سے دور سنسان سڑک پر گاڑی جھٹکے سے روک کر اس نے بابا سے پوچھا۔

"یہ سامعہ چاہتی ہے۔ میری سامعہ' مجھے حیرت ہے۔ اس نے میری محبت کو اتنا کمزور اور بے بس سمجھا ہے۔"

"محبت مضبوط لوگوں کو آزماتی ہے' کمزور تو محبت کا ایک تھپیڑ برداشت نہیں کر پاتے۔ سامعہ نے درحقیقت اپنی محبت کو آزمائش میں ڈالا ہے۔ آپ کی خاطر۔" میاں افتخار نے اس کی دلی کیفیت کا اندازہ لگانے کے بعد کہا۔

"کیوں؟ کیوں سامعہ خود کو آزما رہی ہے۔ میری خاطر کیوں؟ میں اسے لے کر کہیں بھی جا سکتا ہوں مجھے



کسی کی پروا نہیں۔" وہ سخت اشتعال انگیز لہجے میں بولا۔

"یار! ہمیں سامعہ کی اپنے ہونے والے بچے کی پروا ہے۔ سامعہ کو آپ کی' آپ کے گھر والوں کی پروا ہے۔ یہ چوئیشن ہی ایسی ہے اس نے ایسا سوچا۔"

"بابا! سامعہ نے تیسری مرتبہ گھر اس لیے تو آباد نہیں کیا کہ اس کے صحن میں نئی دیوار کھڑی ہو جائے۔ آپ اسے سمجھائیں۔" وہ تقریباً بے بس ہو چکا تھا۔

"آپ منع کر دو اور اپنی ماما کے سامنے ڈکلیئر کر دو۔ پھر دیکھا جائے گا۔"

"یہی تو رونا ہے کہ میں سامعہ کے کہے کو کیسے لوٹا دوں۔ وہ بڑا اعتماد تجھی پہ اعتماد ہوگی۔ وہ جانتی ہے کہ مجھے اس کا کہا کس طرح قبول ہے۔"

"عجب دوراہے پر زندگی آ گئی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ تنکے بکھر جائیں گے۔" میاں افتخار بہت افسردگی سے بولے تو وہ چونکا۔

"بابا! آپ بھی مایوس ہو گئے ہیں اب؟"

"نہیں لیکن حالات بگڑتے ہی جا رہے ہیں۔ بھائی' بھائی' بھتیجا چھوٹ گئے۔ بیوی بیمار رہنے لگی۔ بیٹا ڈسٹرب ہے۔ بیٹی انجان رستے پر چل رہی ہے۔ معصوم سی زرتاشیہ پر ترس آتا ہے۔ زبیر احمد کی شرافت پر شرمندگی سی ہوتی ہے اور سامعہ سے تو نظریں ملاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ کوئی وعدہ پورا نہیں ہو سکا۔"

میاں افتخار احساس ندامت کی کتنی تکلیف سے گزر رہے تھے۔ یہ فرحان جانتا تھا۔

"بابا! اگر [illegible] آپ ہی سب سے زیادہ متاثر ہوئے ہیں کاش بچپن میں ہونے والے ایسے فیصلوں کی [illegible] جاتے۔"

"یہ [illegible] زندگی کا [illegible] نہیں ہوتی۔ اس کا اندازہ بعد میں ہوتا ہے۔"

"بابا! میں سامعہ کو لے کر چپ چاپ یہاں سے چلا جاتا ہوں۔" وہ بولا۔

"ہونہہ! اور اگلے ہی دن ماں کے پرسے کے لیے آنا پڑے گا۔ آپ کی ماما نہایت بہادر' نرم خو اور وضع دار ہیں۔ اولاد کے معاملے میں بہت حساس ہے۔ اپنی ماں کے لیے بہت حساس بیٹی ہے۔ نہ چیخے گی نہ چلائے گی۔ بس خاموش ہو جائے گی۔" میاں افتخار نے شاہدہ بیگم کے بارے میں خاصی فکرمندی کے ساتھ اظہار کیا۔

"بابا پلیز! آپ مجھے اور سامعہ کو بھی یاد رکھیں۔ دیکھیں زرتاشیہ کی شادی کسی سے بھی ہو جائے گی۔ سامعہ کا گھر بن چکا ہے۔" وہ چلا پڑا۔

"یار! یہ سب مجھے معلوم ہے لیکن اب سمجھا سکتے ہو تو سامعہ کو سمجھاؤ۔"

"فی الحال تو میں اس کا سامنا بھی نہیں کرنا چاہتا۔ ریلی مجھے ندامت ہوتی ہے کہ میں نے مرد ہو کر اس کو آزمائش میں ڈال دیا۔ یہ تیسرا گھر بھی اس سے چھین لوں' کیسے؟" وہ بے بسی سے سر تھام کر بیٹھ گیا۔

"اسے ملوا کر وہ راضی ہو جائے تو آپ دونوں کہیں چلے جاؤ' جب گرد بیٹھے گی تو دیکھا جائے گا۔"

"اور ماما!"

"کچھ تو قربان کرنا پڑے گا۔"
"او گاڈ! اتنا برا وقت مجھ پر کبھی نہیں آیا تھا۔"
"اچھا یار! اب گاڑی تو اسٹارٹ کرو مغرب کا وقت ہو گیا ہے۔" میاں افتخار نے باہر پھیلے جھٹ پٹے کے ذریعے وقت کا اندازہ لگایا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔
بابا کے سمجھانے کے بعد بڑی ہمت کر کے وہ گھر پہنچا تھا اور دل ہی دل میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ سامعہ کو سمجھانا ہے۔ انکار نہیں تو اقرار بھی کرنے پر دل آمادہ نہیں تھا۔ مگر اس کے فیصلے پر اوس پڑ گئی۔
شوکی نے گیٹ کھولتے ہوئے بتا دیا تھا کہ زرتاشیہ بی بی، سامعہ بی بی اور ننھو زبیر ماموں کے ساتھ مارکیٹ گئے ہیں۔ بھگا کا سادہ وہ بابا کا منہ تکنے لگا۔ انہوں نے نارمل رہنے کا اشارہ کیا تو وہ بے دلی سے گاڑی لاک کر کے ان کے ہمراہ اندر آ گیا۔ بابا اپنے کمرے کی طرف جانے لگے اور وہ اپنے کمرے کی طرف۔ اسی وقت نادی نے شاہدہ بیگم کا پیغام دیا کہ وہ بلا رہی ہیں۔ بادل نخواستہ وہ بابا کے ہمراہ کمرے میں پہنچ گیا۔ وہ کافی خوش اور مطمئن سی لگیں۔ کئی ہفتوں کے بعد انہیں اس طرح دیکھ کر میاں افتخار کی رگ ظرافت پھڑکی۔
"ماشاء اللہ آج ہماری عدم موجودگی میں کس خوش نصیب کی زیارت فرمائی ہے۔"
"بوڑھے ہو گئے ہو مگر عقل نہ آئی۔" وہ دبی دبی مسکراہٹ لیے بولیں۔
"ارے بیگم صاحبہ عقل تو کم بخت کبھی ہاتھ لگی ہوتی تو ہم اس حالت میں ہوتے۔" وہ مزید شریر لہجے میں بولے۔
"اچھا بس مجھا نے بیٹے سے بات کرنے دیں۔" انہوں نے فرحان کو قریب بیٹھنے کو کہا۔
"خیریت؟" فرحان نے فقط اتنا پوچھا۔
"شکر اللہ پاک کا، آپ کی ماما آئی ہیں۔" وہ خوش ہو کر بولیں۔
"سب کہاں گئے ہیں؟" دل میں کھٹکتی بات زبان پر آ گئی۔
"مارکیٹ، زرتاشیہ کی پسند سے شاپنگ کرانے۔ سامعہ بہت پیاری بچی ہے۔ اس نے میری پریشانی دور کر دی۔ زرتاشیہ تو ویسے ہی اس پر جی جان سے فدا ہے ویسے اماں کا خیال برا نہیں ہے۔ کیوں افتخار؟" وہ ایک سانس میں بولتے بولتے اچانک میاں افتخار سے مخاطب ہوئی تھیں۔ وہ چونکے۔
"کیسا خیال......؟"
"جوان جہان ہے۔ بچے کی ذمہ داری تن تنہا کیسے اٹھائے گی۔ شوہر لاپتا ہے۔ فتویٰ لے کر اس کی نئی زندگی شروع کرا دیں۔ زبیر کا گھر بھی آباد ہو جائے گا۔"
"بس بس یہ ہاتھ جوڑے ہیں آپ کے سامنے آج کیا اماں جان کی روح آپ میں حلول کر گئی ہے۔ ان کی طرح بولتی جا رہی ہیں۔" میاں افتخار نے ہاتھ جوڑ دیے۔ فرحان کچھ نہ سمجھا۔ تو میاں افتخار نے اسے باہر جانے کو کہہ دیا۔ وہ چلا گیا۔
"اس میں حرج کیا ہے؟"
"خدارا رشتوں کے مقام کو سمجھو شکر کرو فرحان کچھ سمجھا نہیں ورنہ قیامت آ جاتی۔" وہ بولے۔



"ارے کیوں؟ فرحان کو کیا لینا دینا۔"
"چھوڑیں اس قصے کو۔ بس میں سامعہ کو ماں کے حوالے کر دیتا ہوں۔ اس کے شوہر کے زندہ ہونے کے شواہد مل گئے ہیں۔"
"اچھا فی الحال فرحان اور زرتاشیہ کی شادی تک تو رہنے دو۔" وہ کچھ نہ سمجھ کے بولیں۔
"فرحان کی ہاں سے بالا بالا آپ نے شادی کی شاپنگ شروع کرا دی۔"
"سامعہ کا خیال ہے کہ فرحان کی خاموشی رضامندی ہے۔"
"یہ سامعہ کو بقراط کس نے بنا دیا ہے۔ یہ جام جمشید میں حالات کیسے دیکھنے لگی ہے۔" وہ جھنجلا کر بولے۔
"ارے آپ کو کیا ہو گیا ہے؟" انہیں حیرت سی ہوئی۔
"دماغ کو بخار چڑھ گیا ہے۔" وہ یہ کہہ کر مضحکہ خیز شکل بنا کر واش روم کی طرف بڑھ گئے۔ شاہدہ بیگم نے گردن جھٹک کر نئے سرے سے خریداری کے سامان کی فہرست بنانی شروع کر دی۔

☆☆......☺......☆☆

ماما کو اپنی خیریت سے باخبر کرنے کے بعد فون آف کیا ہی تھا کہ مسز ہمدانی کا بلاوا آ گیا۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے تیزی سے بالوں میں برش کر کے ٹی وی لاؤنج میں آ گئی۔ بلو جینز پر لائٹ کریم کلر کی شرٹ میں جاذب نظر لگ رہی تھی۔ مگر مسز ہمدانی نے مسکرا کر تنقیدی لہجہ اختیار کیا۔
"مجھے حیرت ہے کہ ملتان خاصا موڈ ہو گیا ہے۔ صرف چند سالوں میں ورنہ یہ جینز شرٹ کا بے ہودہ استعمال لاہور، اسلام آباد اور کراچی تک محدود تھا۔ [illegible] شرمساری ہو گی۔
[illegible] ہوا اچھا سا [illegible] خرم [illegible] آپ کا [illegible]
[illegible] ہوتا ہے۔" وہ بڑے اپنا پن سے بولیں۔
"خرم نے یہ کب بتایا؟" اسے کچھ اچھا نہیں لگا۔

"کیا؟" وہ انجان بن گئیں۔
"کہ میرا انگیجمنٹ بھی تھا۔"
"تھا! کیا مطلب؟"
"میں نے اسے چھوڑ دیا ہے۔" وہ بالوں کو جھٹکا دے کر فاخرانہ انداز میں بولی۔
"اچھا، خرم نے یہ نہیں بتایا۔" وہ خاصے تعجب سے بولیں۔
"خرم نے مجھے بھی یہ نہیں بتایا کہ وہ ہر بات آپ کو بتاتا ہے۔" خاصا جل بھن گئی۔
"یہ بتانے کی بات تو نہیں ہوتی۔ کیا ماں کا اپنے بیٹے سے اتنا بھی اعتماد کا رشتہ نہیں۔"
"آنٹی! میرا مطلب تھا کہ جو کچھ خرم کو بتانا چاہیے تھا وہ اس نے نہیں بتایا۔"
"ہاں! لاابالی ہے مگر فرمانبردار بیٹا ہے۔"
"جی!"
"خیر! کس بحث میں پڑ گئے۔ یہ دیکھو یہ میں نے آپ کے لیے شاپنگ کی ہے۔"
"شکریہ! مگر اس تکلف کی ضرورت نہیں تھی۔" بددلی سے کہا۔
"کوئی تکلف نہیں، خرم کی فرینڈ ہو۔ دور سے آئی ہو۔ یہ تو مہمان نوازی ہے۔" انہوں نے ڈپٹ کر کہا تو اسے اپنائیت سی محسوس ہوئی۔ دھیرے سے مسکرا دی۔
"تانیہ! میری تائی جی یعنی خرم کی دادی ہمیشہ ایک ہی بات سمجھاتی تھیں گھر آئے رزق اور مہمان کی بہت عزت کرو، کسی ایک کو بھی ناراض نہ کرو۔"
"اب وہ کہاں ہیں؟"
"اللہ غریق رحمت کرے۔ ان کی وفات کے بعد ہی تو ہم اسلام آباد شفٹ ہوئے تھے۔ جب تک وہ زندہ رہیں ہم ملتان اندرون شہر رہے اپنے آبائی گھر میں۔"
"اندرون شہر۔" وہ چونکی۔
"یہ بھی خرم نے نہیں بتایا ہوگا۔" وہ ہنسیں۔
"نہیں شاید بتایا تھا آپ کے سیٹ اپ سے یقین نہیں آتا۔" وہ ٹال گئی۔
"سیٹ اپ تو بعد کی بات ہے۔ انسان تعلیم یافتہ ہو بس پھر سیٹ اپ بن ہی جاتا ہے۔ پرانے محلے دار جان پہچان والے پہچان نہیں پاتے انہیں یقین دلانا پڑتا ہے بس تائی جی کی دعاؤں کا صدقہ ہے۔ ان کے قدموں کی برکت ہے۔" وہ فرط محبت سے ساس کو یاد کر کے رو پڑیں۔
"آپ پلیز دکھی نہ ہوں۔" وہ بوکھلا کر بولی۔
"قیمتی نقصان پر عمر بھر دکھی رہنا پڑتا ہے۔" وہ آنکھیں پلو سے رگڑ کر وہاں سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں اور وہ جز بزسی شاپنگ بیگ وہیں چھوڑ کے کمرے میں آ گئی۔

☆☆❁☆☆

کوئی مجھے رلانے کی ضد میں ہے



شاید مجھے آزمانے کی ضد میں ہے
جس کی چاہت ہے شدت سے مرے دل میں
وہی مجھے بھول جانے کی ضد میں ہے

بہت مضبوط ارادہ باندھ کے ایک بار پھر وہ سامعہ کے روبرو ہونے آیا تھا۔ وہ بیڈ پر دراز تھی۔ زرتاشیہ اس کے قریب بیٹھی سیب چھیل رہی تھی۔ یقیناً سامعہ کے لیے۔
"زرتاشیہ! ایک کپ چائے تو پلاؤ۔" پہلی بار براہ راست اس نے زرتاشیہ کو مخاطب کیا۔ وہ کھل اٹھی فوراً اثبات میں گردن ہلا کر چلی گئی۔ سامعہ سمجھ چکی تھی کہ وہ کس ارادے سے آیا ہے۔
"چار سے پانچ منٹ میں زرتاشیہ چائے بنا لائے گی۔ اس مختصر وقت میں میری بات کا جواب دو۔" وہ بولا۔
"تو آپ منکر ہو گئے ہیں اپنے قول سے کہ میں جو کہوں آپ مانیں گے۔" وہ خاصی سنجیدگی سے بولی۔
"سامعہ! میں نہ منکر ہوں نہ بدعہدی کرنے والا مجھے صرف یہ بتاؤ کہ کیا تمہارا وجود صرف قربان گاہ پر سج دھج کے ساتھ قربان ہونے کے لیے بنا ہے۔" اس نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔
"میرا وجود صرف میری محبت سے ہے مجھے اپنی محبت پر بہت غرور ہے۔ آپ سے محبت بے پناہ محبت کی ہے مگر محبت سے محبت کرنا ہی کمال نہیں ہوتا۔"
"میری محبت صرف تم ہو سامعہ! صرف تم اور مجھے حصوں میں خانوں میں تقسیم مت کرو۔" وہ خاصا جذباتی ہو کر اس پر جھکا۔
"اس کا مطلب نہیں ہے [illegible] الفاظ کی حرمت توڑ دی [illegible] ہاتھوں سے اسے پرے کیا۔
"نہیں مگر فیصلے کے بعد اپیل تو دائر کی جا سکتی ہے۔"
"پلیز! میری جان نہ لیں۔ میں ٹوٹنا نہیں چاہتی۔"
"اوکے! میں تمہاری جان لے سکتا ہوں۔ میں تمہیں توڑنے والا ہوں۔ یہ بھی تم نے ہی کہا ہے نا۔" وہ ایک دم اشتعال انگیز لہجے میں بول کر آندھی طوفان کی مانند کمرے سے نکل گیا۔ وہ آوازیں لبوں کے درمیان دبتی رہ گئی۔ مگر وہ تو جا چکا تھا۔ وہ پلکوں سے ٹوٹے اشک پلو سے رگڑ کر صاف کرنے لگی۔ زرتاشیہ فرحان کے بقول پورے پانچ منٹ بعد ہی آ گئی تھی۔ مگر فرحان کی عدم موجودگی پر استفہامیہ نگاہوں سے سامعہ کو دیکھا۔ وہ اس کی نگاہوں کا مطلب جان کو جھوٹ بولنے پر مجبور ہو گئی۔
"فرحان کا کوئی فون آیا تو وہ جلدی میں چلے گئے۔"
"چلیں یہ چائے پپا کو دے آتی ہوں۔" زرتاشیہ نے غیر معمولی انداز میں کہا اور چائے دینے چلی گئی۔ تو وہ فرحان کے لہجے اور جملوں پر غور کرنے لگی۔

☆......☆☆☆......☆

گلریز صاحب کے کہنے پر افراسیاب نے زبیر احمد کے گھر کا فون نمبر ملایا۔ نرگس، انجم دونوں اس اچانک کی کارروائی پر ایک دوسرے کو دیکھ کر خاموش ہو گئیں۔

"ہیلو زرتاشیہ کیا حال ہے؟" افراسیاب نے فون پر پوچھا۔
"میری بات کراؤ۔" گلریز صاحب نے کہا تو افراسیاب نے فون باپ کی طرف بڑھا دیا۔
"ہیلو بیٹا کیسی ہو؟" انہوں نے محبت بھرے لہجے میں پوچھا۔
"ماموں جانی میں ٹھیک ہوں۔ بس پپا کو فلو ہوا ہے اور شاہدہ پھوپھو کی کچھ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے سارے گھر کی رپورٹ دے دی۔
"اوہ اللہ خیر رکھے، ماموں سے" ممّا سے ملنے کو دل نہیں چاہتا ہے کیا؟" وہ کچھ شوخی سے بولے۔
"چاہتا ہے مگر کیا کروں؟"
"تو آجاؤ میں سیٹ کنفرم کروا دیتا ہوں۔"
"نہیں ماموں پپا تو اکیلے نہیں رہ سکتے۔ پھر ویسے بھی اب تو اور مصروفیت ہے۔" آخری جملہ اس نے کچھ شرما کر کہا۔
"اب تو کیا۔"
"شادی کی تیاری ہو رہی ہے۔"
"اوہ اچھا۔ بہت خوشی کی بات ہے۔ ممّا کے بغیر؟"
"ممّا ممّا تو آپ کے پاس ہیں۔" وہ ایک دم افسردہ سی ہوگئی۔
"نہیں وہ اپنے پاس ہیں۔" انہوں نے چبھتی سی نگاہ نرگس پر ڈالی۔
"ماموں جانی آپ انہیں ایک بار بھیج دیں۔ میں پپا سے صلح کرا دوں گی۔" وہ بڑی معصومیت سے بولی۔
"اوہ [illegible] بات ہوئی۔" گلریز صاحب نے [illegible] سمجھایا اور فون [illegible]
[illegible]
"اب بھی [illegible] جاؤ اور بابا [illegible] بیٹی کو [illegible] کی [illegible] چاہو [illegible] رخصت کرو۔ [illegible] ضد چھوڑ دو۔" گلریز صاحب نے نرگس کو مخاطب کیا۔
آپ نے سن لیا کہ زرتاشیہ کی شادی فرحان سے کر رہے ہیں۔ مجھے بلانے کی خواہش ہوتی تو رشتہ ختم کر دیتے۔"
"کیوں کر دیتے؟" رشتے موم سے نہیں بنائے جاتے۔ پھر یہ بہت پہلے کا فیصلہ اب تمہاری ضد کیوں بن گیا ہے؟ بات کچھ بھی نہیں تم صرف پانی میں مدانی پھیر رہی ہو۔ بیٹی کو ضد کی سزا مت دو۔ وہ رخصت ہوگئی تو عمر بھر تمہارا نام سننا بھی پسند نہیں کرے گی۔" گلریز صاحب نے سختی سے کہا۔
"ہو آپ کی اور منزل ہے نہ راستہ پھر کیوں ایسا کر رہی ہیں۔" افراسیاب نے کہا تو وہ خاصی مشتعل ہوگئی۔
"مجھے تو اپنے گھر میں ہی مخالفت کا سامنا ہے۔ انجم بھابھی کیوں چاہیں گی کہ میری زرتاشیہ اس گھر میں آئے انہیں تو اپنی عینی لانی ہے۔"
"نرگس ایسے بہتان تو مت لگاؤ۔ افراسیاب کے لیے عینی کا انتخاب میں نے سوچا ضرور وہ بھی زرتاشیہ اور فرحان کے فیصلے کے بعد۔ اگر افراسیاب کے لیے زرتاشیہ کا رشتہ ہو سکتا تو مجھے کیا اعتراض تھا۔" انجم کی حالت بہت عجیب سی ہوگئی۔ اچانک غیر متوقع الزام پر وہ دکھی ہو کر وہاں سے چلی گئیں۔



"دل بڑا رکھو افراسیاب ہو یا فرحان کیا فرق پڑتا ہے۔ انہیں اپنا سمجھو تمہاری گھریلو زندگی اسی لیے ڈسٹرب رہی کہ تم نے انہیں سسرالی رشتے تسلیم کیا اور تنگ نظری کی نگاہوں سے دیکھا۔" گلریز صاحب بھی یہ سنا کر چلے گئے۔ افراسیاب نے اس کے قریب بیٹھ کر کہا۔
"پو آپ نے سوچنے کی مدت مانگی تھی۔ اب وقت گزر گیا ہے کیا کرنا ہے؟"
"بس کہہ دو زرتاشیہ کو زبیر کو میرے بغیر وہ بیٹی کی شادی کر سکتے ہیں تو پھر میری کیا ضرورت؟ اگر زرتاشیہ کی شادی توڑ دیں تو میں چلی جاؤں گی۔ ورنہ نہیں۔" وہ روتے روتے چلا کر بولیں۔
"اس کا مطلب۔"
"مطلب جو بھی ہو زرتاشیہ کا فیصلہ میں کروں گی۔" وہ غصے سے کہہ کر پٹ پٹ کرتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ افراسیاب مخمصے میں پھنسا بیٹھا رہ گیا۔

☆☆......☆☆

دروازے پر ہونے والی مسلسل دستک سن کر رفیعہ بیگم نے گیلے ہاتھ تولیے سے خشک کیے اور دروازہ کھولا۔ سفید لباس میں سر پر دوپٹہ جمائے دروازے کے عین درمیان اجنبی چہرہ دیکھ کر وہ ٹھٹکیں۔
"السلام علیکم!"
"وعلیکم السلام جی۔" رفیعہ بیگم نے کہا۔
"وہ یہ عادل کا گھر ہے نا۔"
"ہاں نا۔"
"میں اندر آسکتی ہوں۔"
"ہی آؤ۔" وہ دروازے سے ایک طرف ہوگئیں۔ تو وہ اندر آ گئی۔
"عادل۔" اس کی زبان پر اٹکا۔
"عادل اپنے ابا کے پیر دبا رہا ہے آؤ یہاں بیٹھو۔ میں بلاتی ہوں۔"
رفیعہ بیگم نے صحن میں تخت پر بیٹھنے کو کہا اور ابھی اندر کی طرف جانا ہی چاہتی تھیں کہ عادل خود باہر آ گیا اور کرن کو دیکھ کر متحیر رہ گیا۔
"تم یہاں؟"
"بڑی مشکل سے پتہ پوچھتی پوچھتی آئی ہوں۔" وہ مسکرا کر بولی۔
"تو کیا ضرورت ہے اس مشکل سے گزرنے کی۔" وہ تلخ ہو گیا۔
"عادل؟" رفیعہ بیگم نے بد اخلاقی محسوس کر کے ٹوکا۔
"امی آپ ابا کے پاس جائیں۔"
"کون ہے یہ؟" انہوں نے پوچھا۔
"میں تانیہ کی کزن کرن ہوں۔" اس نے تانیہ کا حوالہ دے کر تعارف کرایا تو رفیعہ بیگم خوش ہوگئیں۔
"اچھا اچھا۔" وہ اصل بات سمجھے بنا ہی چائے بنانے کے لیے باورچی خانے کی طرف بڑھ گئیں۔

"آپ پلیز! جائیں اس سے پہلے کہ میرا دماغ الٹ جائے۔" اسے سخت غصہ آ رہا تھا۔
"میری بات سن لو پلیز۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔
"کون سی بات؟" وہ چلایا۔
"میں جانتی ہوں کہ آپ تانیہ کے ایکس منگیتر ہیں۔ مجھے جس مضبوط سہارے کی تلاش پاکستان لائی ہے وہ آپ ہیں۔ مجھے غلط نہ سمجھیں میرے دادا جی آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔" اس نے جلدی جلدی اپنا مدعا بیان کیا۔
"مس کرن ایلیکن کیوں؟ کیا میرے چہرے پر اشتہار لگا ہے کہ یہ شخص کرائے کے لیے حاضر ہے" وہ بگڑا۔
"نہیں آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ مجھے آپ سے محبت ہوگئی ہے میں دادا جی سے ملوانا چاہتی ہوں۔" وہ پریشان سی ہو کر بولی۔ انداز بے باکانہ تھا۔
"ہونہہ! محبت تو آپ جیسی کلاس کی لڑکیاں ایسے کرتی ہیں جیسے اعلیٰ برینڈ کی چیونگم خرید کر منہ میں ڈال لی۔" اس نے تمسخر اڑایا۔
"آپ کو کسی سے تو محبت کرنی ہے۔" وہ قطعاً بددل نہ ہوئی۔
"محبت بار بار نہیں کی جاتی۔" وہ بڑبڑایا۔
"او و اس کا مطلب آپ نے تانیہ سے محبت کی۔"
"اس کا کوئی مطلب نہیں اور ہاں آپ کو میرے پرسنل معاملات میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔ آئندہ مجھ سے کبھی نہ ملیے گا۔" وہ اونچے لہجے میں بول گیا۔ رفیعہ بیگم نے چائے کی ٹرے لاتے ہوئے سنا تو قریب آ کر [illegible]
[illegible] گھر آئے مہمانوں سے اس طرح مخاطب ہوتے ہیں۔"
"امی آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔"
"میں ٹھیک سمجھ رہی ہوں۔ یہ ہماری تانیہ کی کزن ہیں۔ تانیہ شرمندہ ہوگی اس لیے یہ آئی ہیں اور تم آسمان پر نہ چڑھو۔" رفیعہ بیگم نے کچھ سے کچھ سمجھ لیا۔ کرن کو چائے کا کپ دیا اور خود اس کے برابر بیٹھ گئیں۔
"امی! تانیہ نہ شرمندہ ہے۔ نہ اس کی اب کسی شرمندگی سے مجھے کوئی مطلب ہے۔ یہ محترمہ بے کار وقت ضائع کر رہی ہے۔" وہ یہ کہہ کر دروازے سے باہر نکل گیا۔ کرن پہلو بدل کر رہ گئی مگر چاہتے ہوئے بھی اسے آواز نہ دے سکی۔
جو موقع صبح نہیں ملا اس کی کسر رفیعہ بیگم نے رات کو نکال لی۔ کرن کے لیے ان کی دلچسپی پر وہ جھنجلا اٹھا۔
"امی! آپ بہت سادہ ہیں۔ کرن جیسی آزاد خود مختار لڑکیوں سے کوئی توقع نہیں رکھی جا سکتی اور کیا ہے کرن؟ ہمیں کچھ بھی تو نہیں معلوم اور اب میرے ہاتھ خالی ہیں۔ کسی پر لٹانے کو کچھ بچتا تو لٹا دیتا۔ کسی اور سے نہ کوئی واسطہ ہے نہ سوال نہ ملال۔"
"تانیہ کو تو تم بھولے ہی نہیں۔" وہ اس کے اندر تک اتر گئیں۔ وہ نظریں جھکا کر بیٹھ گیا۔
"امی! یہ ایک الگ بات ہے مجھے اسے یاد رکھنے کا سبق آپ نے ازبر کرایا تھا۔ اس لیے وہ آج بھی مجھے

ازبر ہے۔ مجھے بھولنے کا سبق جس نے پڑھایا وہ ہستی بھی مجھے یاد ہے۔" اس نے دل کھول کر ان کے سامنے رکھ دیا۔

"مگر عادل اس حقیقت کے بعد بھی یہ ایک حقیقت ہی ہے کہ کرن تمہیں چاہتی ہے۔ چاہتیں بار بار نہیں ملتیں۔" انہوں نے کافی نرمی سے کہا۔

"چاہت! چاہتے ہیں، بے انتہا چاہتے ہیں۔ پر چاہنا کسی کو نہیں آتا۔ جسے ہر پل دعاؤں میں مانگتے ہیں حقیقت یہ بھی ہے کہ اسے مانگنا ہی نہیں آتا۔"

"پھر ایک بار اپنے ابا کو افتخار سے بات کرنے دو۔" رفیعہ بیگم نے کچھ سوچ کر کہا۔

"کیا؟ کس لیے؟ تانیہ کے لیے؟ آپ بھول رہی ہیں کہ تانیہ نے آپ کے بیٹے کو رد کر دیا ہے۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"تو پھر کرن مجھے اچھی لگی ہے۔ اس کے دادا سے ملو۔" انہوں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"وہ تانیہ کی کزن ہے تانیہ نہیں۔" وہ کچھ اس طرح کہہ کر باہر گیا کہ رفیعہ بیگم اس کے دل کی کیفیت جان کر آبدیدہ سی ہو گئیں۔

"میرے چاند! میرے اختیار میں ہوتا تو میں سارے زمانے سے لڑ کر تمہاری خوشی لے آتی۔" انہوں نے خود سے کہا۔

"کیا ہوا عادل کی ماں؟" میاں ستار اسی طرف آ گئے۔

"ک..... ک..... کچھ نہیں۔" وہ ٹال گئیں۔

[illegible]

[illegible]

"رفیعہ بیگم کچھ تو ہے جو تم چھپا رہی ہو۔"

"عادل کے ابا میں عادل کے لیے فکر مند ہوں۔" وہ جذباتی ہو کر کہہ گئیں۔

"ہیں! کیا ہوا ہمارے شیر جوان کو۔" وہ حیرت سے بولے۔

"چھوٹی سی عمر میں کاروبار کی دیکھ بھال نے صحت خراب کر دی ہے نہ وقت پر کھاتا ہے نہ آرام کرتا ہے۔" وہ اصل موضوع دبا گئیں۔

"اوئے نادان بیگم صاحبہ! اسی لیے تو کہتے ہیں کہ خیال رکھنے والی جلدی لے آؤ۔"

"وہ ہاں بس ایسا ہی کرنا پڑے گا۔"

"بڑے دن سے نہ افتخار آیا نہ کوئی خیر خبر آئی۔ ہم ہی چلتے ہیں۔"

"وہ وہ دراصل افتخار تو میٹنگ میں کراچی گیا ہوا ہے۔ آئے گا تو چلیں گے۔"

"اب تاریخ لے لو کتنا بھروسہ بڑھ گیا ہے۔ میری سانسوں پر۔" وہ کچھ کر افسردگی سے بولے تو رفیعہ بیگم ہول سی گئیں۔

"اللہ آپ کو سلامت رکھے آپ کو عادل کے بچے کھلانے ہیں۔"



"پاگل! یہ سفید جھوٹ تو نہ بولو۔"

"اچھا میں آپ کے لیے چپاتی ڈالوں۔" وہ جلدی سے بہانہ بنا کر اٹھ گئیں۔ میاں ستار نے اٹھ کر واش بیسن کا رخ کیا۔

☆☆

حمیدہ نے کارڈلیس لا کر اسے دیا اور خرم صاحب کا فون کہا تو وہ ایک دم خوش ہو گئی۔ حمیدہ کے جاتے ہی اپنے مخصوص انداز میں چلائی۔

"خرم! خرم میں تمہارا قتل کر دوں گی۔"

"اوہو دھیرے بولو اسلام آباد میں ہو کسی نے سن لیا تو جیل کی ہوا کھانی پڑے گی۔" وہ بھی اپنے ہی مخصوص لب و لہجے میں بولا۔

"یو اسٹوپڈ! تم نے کتنی گڑبڑ کی ہے آنٹی کو کچھ نہیں پتا کہ میں یہاں کیوں آئی ہوں؟" وہ چلائی۔

"انہیں یقین ہے کہ تم چوری ڈاکے کی نیت سے نہیں آئیں۔" وہ چڑاتے ہوئے بولا۔

"پلیز! سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہاں فرحان بھائی کی شادی ہونے جا رہی ہے ماما کی طبیعت ٹھیک نہیں یہاں کسی کو کچھ خبر نہیں۔" وہ خاصی پریشان کن کیفیت سے دوچار تھی۔ خرم کو کچھ اندازہ ہوا تو بولا۔

"کم آن! ایسا کرو فون ماما کو دو میں ابھی کہہ دیتا ہوں۔"

"پہلے کیوں نہیں بتایا۔" وہ چلائی۔

"یار! تم جانتی کیا ہو؟ [illegible]

[illegible]

"تو یا ماما میرا امتحان لے رہے ہو۔" وہ برا مان گئی۔

"سوئٹ ہارٹ! اب خاموش ہو۔ ماما بہت سوفٹ ہارٹڈ ہیں۔"

"تو ٹھیک ہے میں آنٹی کو فون دیتی ہوں تم انہیں بتاؤ باقی جو وہ مجھ سے پوچھیں گی وہ میں بتا دوں گی۔"

"اوکے! بات کراؤ۔" وہ راضی ہو گیا۔

وہ تقریباً دوڑتی ہوئی مسز ہمدانی کے کمرے میں پہنچی۔ انہیں ریسیور دیا اور بات کرنے کا اشارہ کیا۔

"جی جان!" وہ بہت دلار سے بولیں۔ وہ ان کے قریب پڑی کرسی پر ٹک گئی۔ کچھ عجیب سی کیفیت تھی کبھی ان کے چہرے پر نظر ڈالتی اور کبھی ہونٹ چبانے لگتی۔ مسز ہمدان کے چہرے پر سنجیدگی تھی اور زبان پر صرف ہونہہ ہاں جی ہوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ تانیہ کے لیے تجسس تھا جونہی فون بند ہوا تو اس نے جھینپتی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

وہ کچھ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"تانیہ! جانتی ہو مائیں اپنے بچوں میں زندگی بسر کرتی ہیں۔ ان کے اندر اتر کر سانس لیتی ہیں ہر موسم کو محسوس کرتی ہیں۔ خرم کو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ اس نے جو کچھ اب کہا۔ وہ میں آپ کے آنے پر سمجھ چکی تھی۔" وہ بولتے بولتے رکیں تو تانیہ نے کچھ کہنا چاہا مگر انہوں نے منع کر دیا یہ کہہ کر کہ

"تانیہ میری بات مکمل ہونے دو اس کے بعد کچھ کہنا۔"
"سوری آپ بتایئے۔" وہ شرمندہ سی ہوگئی۔
"آپ کو خرم سے محبت ہے۔ مگر خرم کو آپ سے محبت نہیں۔ وہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ہوا کے دوش پر اڑنے والا بادل۔ کسی کے اصرار پر ناپسندیدہ۔ معمولی سی چیز بھی اپنے کمرے میں سجالینے والا۔ چائے اور پانی مکس کر کے چسکے کے ساتھ پی جانے والا اس کے کہنے کے مطابق وہ صرف آپ کی خواہش کا احترام کر رہا ہے۔ میں اگر منع کردوں تو وہ میرا بھی احترام کرے گا۔ آپ جس کے لیے گھر سے اتنی دور آئی ہو مجھے حیف ہے بلکہ افسوس ہے۔" وہ طویل گفتگو کے بعد خاموش ہوئیں۔ تو حیرت زدہ سی تانیہ کے خشک لب پھڑ پھڑائے۔
"آنٹی! کیا خرم نے کہا کہ وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا؟"
"ہاں وہ فرینڈ شپ کو رشتے میں بدلنے کی بات تو کر رہا تھا مگر اس میں محبت اور خواہش نہیں ہے۔ آپ کے کہنے پر وہ آپ کی خواہش پوری کرسکتا ہے۔ مگر وہ میرے حکم پر ملتان کے پچھلی بازار کے بسانده زدہ ماحول سے اپنی پھوپھی زاد کو بھی بیاہ کرلا سکتا ہے۔ اسے ہر طرح سے ایڈجسٹ کرنے کی عادت ہے۔" وہ کچھ فخریہ انداز میں بولیں۔ تانیہ کو انسلٹ فیل ہوئی۔
"آنٹی! آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟"
"میں صرف آپ کو سمجھانا چاہتی ہوں کہ آپ اور میرے خیالات میں کس قدر تضاد ہے۔"
"کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ مجھے آپ کی تربیت پر حیرت ہے [illegible] آج میں جتنا چاہتی ہوں اور میں آج کے لیے گزرے [illegible] دنوں کی حیرت [illegible] [illegible] [illegible] خاموش سی شرم و حیا زیادہ عزیز ہے۔ نسرین کو اسی حالت میں خرم امریکا لے کر جائے گا۔ اس میں کوئی جھجک اور شرمندگی محسوس نہیں کرے گا اور پھر وہ نسرین سے محبت کرے گا۔ کیونکہ نسرین کی خواہش خرم نہیں۔ آپ تو اپنا احساس تک نہیں رکھتیں۔" مسز ہمدانی نے خاصے سنجیدہ لہجے میں بہت کچھ کہہ دیا۔ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ موتی ٹوٹنے لگے۔ پہلی بار پوری اب تک کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی نے اس طرح آئینہ دکھایا تھا۔
مسز ہمدانی کچھ سوچ کر اس کے قریب آئیں اور بولیں۔
"تانیہ! مجھے خوشی ہوتی خرم آپ کے گھر مجھے بھیجتا۔ ہم بظاہر نئے ہیں لیکن ہمارے اندر پرانی روح موجود ہے۔"
"آنٹی خرم نے کیا کہا ہے؟" وہ آنسو صاف کرتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔
"اس نے کہا ہے کہ تم دونوں اچھے دوست ہو۔ باقی تانیہ جو چاہتی ہے وہ ویسا کرسکتا ہے اگر ہمیں کوئی اعتراض نہ ہو تو..." انہوں نے حقیقت بیان کردی۔
"اور آپ کو اعتراض ہے؟" اس نے جملہ اچک کر مکمل کیا۔
"ہاں کیونکہ آپ میرے معیار پر پوری نہیں اتریں خرم کی فرینڈ تک تو ٹھیک ہے مگر اس کے بعد خرابی ہے۔ آپ سمجھدار ہو خود سمجھو۔" انہوں نے بنا کسی ہیر پھیر کے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔



"میں خرم سے محبت کرتی ہوں اس نے کہا تھا کہ آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" وہ روتے روتے بولی۔
"پیاری بیٹی! کسی کے کچھ بھی کہنے پر لڑکیوں کو تو اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ رشتے یوں یک طرفہ محبت سے نہیں بنتے۔" انہوں نے پیار سے اسے بانہوں میں لیتے ہوئے کہا۔ وہ سسکیاں لینے لگیں۔
"خرم نے مجھے یوں لائٹ سا لیا۔" اس نے ان کی طرف بے یقینی کی کیفیت سے دیکھا۔
"ہاں اب سوچو کیا اب بھی اس پر بھروسا کرنا چاہیے۔" انہوں نے پوچھا تو وہ چپ سی ہوگئی۔
"جاؤ اپنے کمرے میں جا کر منہ دھو کر آرام سے سوچو محبت چاہیے یا سرسری سا تعلق۔" انہوں نے پیار سے کہا تو وہ دلبرداشتہ سی ہو کر سسکیاں لیتی ہوئی وہاں سے کمرے کی طرف آ گئی۔
پہلی بار چوٹ لگی۔
پہلی بار توہین ہوئی... توہین بھی ایسی جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ خرم تو اس کی محبت تھا۔ اس کا دوست تھا۔ وہ ایسی ناقدری کرے گا یہ تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس کے کہنے پر تو وہ یہاں آئی تھی اور اس نے کہا تو فقط اتنا کہ وہ اس کی خواہش کا احترام کرنا چاہتا ہے کیونکہ وہ اس سے رشتہ بنانا چاہتی ہے۔ اوہ گاڈ۔ شدت جذبات سے اس کے لبوں سے نکلا اور تواتر سے آنسو بہنے لگے۔
"تم میرے نہیں تھے تو کیوں اپنی باتوں سے میرا حوصلہ بڑھاتے رہے۔ میں یہی سمجھتی رہی کہ تم میرے ہو۔ کاش میں نے ایک بار ہی پوچھا ہوتا کہ میں تمہاری ہوں نا اپنی آزاد اور رنگین باتوں سے یہ اعتبار کیوں دیتے رہے تم۔ تم نے میری توہین کی ہے۔ میری انسلٹ کرائی ہے۔ کاش! میں یہاں آئی ہی نہ ہوتی۔ کاش! تمہارا اعتبار بے قرار رہتا وہ روتے روتے ندامت سے بول رہی تھی۔
[illegible] نے [illegible] ہاتھ بڑھا کر فون اٹھایا۔
"ہاں بیبو!" دل ناداں نے خرم کا نمبر پہچان کر امید کا جگنو تھام لیا۔
"ہائے سوئٹ ہارٹ۔" وہی شوخ لہجہ وہی شوخ سا انداز۔
"خرم خرم یہ سب کیا ہے تمہاری مام نے جو کہا وہ غلط ہے نا۔"
"تانیہ! مجھے اس سب کا اندازہ نہیں تھا۔ مام اندر سے اتنی کنزرویٹو ہوں گی یہ مجھے اس سے پہلے نہیں پتا تھا۔ دراصل انہیں تمہارے اسٹائل والی لڑکیاں پسند ہی نہیں ہیں۔ وہ نسرین جیسی لڑکیوں کو پسند کرتی ہیں۔"
"اور تم کیا پسند کرتے ہو؟" اس نے جملہ چھین کر جذباتی انداز میں پوچھا۔
"اصل میں تو میں تمہارے جیسی جیون ساتھی کو پسند کروں گا مگر مام اور ڈیڈی کی مرضی کے خلاف کچھ بھی نہیں کرسکتا۔" اس نے انتہائی صاف گوئی کے ساتھ اعتراف کیا۔
"اور میں جو سب کی مرضی کے خلاف فیصلے کرکے یہاں آئی ہوں۔" وہ صدمے سے چلائی۔
"سوئٹ ہارٹ یہی تو غلط ہوا اور تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے اس طرح کے فیصلے کے لیے تمہیں کبھی پرموٹ نہیں کیا۔"
"شٹ اپ! یہاں آنے کا تو تم نے ہی کہا تھا۔" وہ دھاڑی۔
"تانیہ یاد کرو تمہیں وہاں مام کے بلانے پر اعتراض تھا۔ پرانی حویلی، گلی محلہ وغیرہ وغیرہ۔" اس نے یاد

دلایا۔

"اب صاف صاف کہو کیا ہوگا؟" وہ چیخ سی گئی۔

"ہم اچھے دوست تھے اچھے دوست رہیں گے۔ مام اور کسی بات کے لیے راضی نہیں ابھی چند منٹ پہلے دوبارہ میں نے ان سے بات کی ہے۔"

"تم اپنی مام سے اپنے حق میں ایک فیصلہ نہیں کرا سکتے۔"

"نہیں، یہ ضد میں ان سے نہیں کرسکتا۔ وہ میری مام ہیں کوئی مخلے دار نہیں۔ ان کی پسند کے ساتھ ہی سب کچھ ہوتا۔" وہ بہت سنجیدگی سے کہہ گیا۔ تانیہ کے ذہن کو شدید جھٹکے سے لگے۔

"اوکے آئی ہیٹ یو، آئی ہیٹ یو...... یو چیٹر یو فراڈ" وہ روتے روتے چلاتی چلی گئی۔

"تانیہ تانیہ" دوسری طرف سے خرم کی آوازیں آتی رہیں مگر اس نے فون دور فرش پر دے مارا اور ہچکیوں کے ساتھ رونے لگی۔ کافی دیر تک دور پڑے فون سے بھی خرم کی آواز آتی رہی۔ پھر خاموش ہوگئی۔ اس نے آنکھیں مل کے فون کی طرف دیکھا۔ اس خیال سے یہ آخری آواز تھی آخری گفتگو تھی...... اب بھی نہیں ملنا۔ کبھی نہیں......

☆☆......☆......☆☆......☆☆

ایاز اسے بازو سے کھینچتا ہوا کمرے میں لایا۔ صوفے پر گرا کر خود اسٹول کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کہاں رہتے ہو؟ کیوں چھپتے پھر رہے ہو۔ بولو کیا جرم ہے سامعہ بھابی کا؟ میں اس شادی کا گواہ ہوں۔" وہ سخت جذباتی انداز میں بولا تو فرحان کو طیش آ گیا۔

"یہ سب مجھے کیوں بتا رہے ہو؟ [illegible] سامعہ بھابی [illegible] خود سے بھی نظریں چرا تا پھر رہا ہوں۔ وہ میرے گھر میں میری شادی کی تیاریاں کرا رہی ہے۔"

"تو تم بزدل کیوں بنے ہوا علان کردو ان کی ہم ہی کی مزاحمت دو۔" ایاز چلایا۔

"یار تم مجھے اتنا ہی جانتے ہو کیا؟ وہ کم فہم نہیں ہے اسے زرتاشیہ سے میری ماما سے ہمدردی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ مجھ سے کیا کروا رہی ہے۔" وہ بھی اسی انداز میں بولا۔

"تو ختم کردو یہ کشمکش زبان کھولو پھر وہ کیا کہیں گی؟ اور انہیں لے کر یہاں آ جاؤ۔"

"میں ایسا نہیں کرسکتا۔ میں عہد دے چکا ہوں۔ اب میری زبان کھلی تو وہ مجھ سے دور ہو جائے گی۔ بس سب کچھ الٹ ہوگیا۔ میری اور اس کی زندگی میں فقط ترتیب کا فرق آیا ہے۔ اس کی زندگی میں، میں شاید سب کے بعد آتا ہوں اور میرے ہاں سب سامعہ کے بعد آتے ہیں۔" وہ اضطرابی کیفیت میں اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

"پھر کوشش کرو سمجھانے کی یا میں اور صائمہ بات کریں۔" ایاز نے اس سے ہمدردانہ انداز میں پوچھا۔

"بے سود بے فائدہ بہت بے کیف سی زندگی ہوگئی۔ عجب بوجھل سے لمحات ہیں۔ نہ غم سے دل بہل رہا ہے۔ نہ خوشیوں کی آس رہی ہے نجانے کیوں زندگی ہم دونوں کو ایسے آزما رہی ہے۔"

"حوصلہ رکھو میرے خیال میں سامعہ بھابی غلطی کر رہی ہیں۔ یہ قربانی انہیں مہنگی پڑے گی۔"

"یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی۔ اس لیے تین دن سے گھر نہیں گیا۔ کوئی فون اٹینڈ نہیں کیا۔"



"یہ مسئلے کا حل نہیں ہے دوست۔" ایاز نے کہا۔

"ہے یا نہیں، سامعہ کی بات میں رد نہ کرنے کا وعدہ کر چکا ہوں۔ وہ میری جان ہے میں اسے مایوس نہیں کرسکتا۔" ایک دم ہی وہ دھیرے سے بولا۔

"تو تم ویسا کرو گے جیسا سامعہ بھابی نے کہا۔" ایاز متحیر رہ گیا۔

"ہاں تین دن کی مسلسل جنگ میں یہی نتیجہ نکلا ہے یہی بتانے آیا ہوں۔" وہ دھواں دھواں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"او خدایا! فرحان تم کس قدر بدل گئے ہو؟" وہ سر تھام کر بیٹھ گیا۔

"اوکے میں جا رہا ہوں۔" وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکلا ایاز پیچھے لپکا۔

"فرحان پلیز کوئی کام جلد بازی میں مت کرنا۔ بابا سے بھی مشورہ کرلو۔"

"پلیز مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" وہ مڑ کر بولا اور باہر نکل گیا۔

گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تو ایاز نے طویل سانس بھر کے خود کو صوفے پر گرا سا لیا۔ عزیز دوست کی یہ حالت اس کے لیے ناقابل برداشت تھی۔

☆☆......☆☆......☆☆

شاہدہ بیگم کے بہت مجبور کرنے پر میاں افتخار ایڈوانس دینے کے لیے پراپرٹی ڈیلر کے پاس گئے تھے۔ تمام معاملات طے کرنے کے بعد وہ باہر نکلے تو خواجہ امتیاز علی نے سامنے سے گاڑی لاکر ان کے سامنے روکی۔

"میاں افتخار صاحب! بڑی [illegible] آواز پر میاں افتخار نے ان کی طرف [illegible] دیکھا اور گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ خواجہ امتیاز علی [illegible] گاڑی سے باہر نکلے۔

"کیسے ہیں حضور؟" میاں افتخار نے کہا۔

"بس جی رہے ہیں آپ کی نگری میں۔" خواجہ صاحب نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اور یہاں کیسے؟"

"وہ میرا ماڈل گارڈن والا پلاٹ ہے نا۔ اسے بیچنا ہے۔"

"خیریت اتنا اچھا موقع کا پلاٹ بیچنا ہے۔"

"دراصل میں بھی بچوں کے پاس جانا چاہتا ہوں۔"

"اچھا! یہ ارادے ہیں۔"

"یار میں نے تم سے ضروری بات کرنی تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ یوں ملاقات ہوگئی۔" وہ بولے۔

"جی حکم بولیے۔"

"کہیں بیٹھتے ہیں۔" خواجہ صاحب نے ذرا سے فاصلہ پر موجود ایک کافی شاپ کے باہر رکھی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا اور دونوں اسی طرف چل دیے۔

"کرن بیٹی کیسی ہے؟" کرسی پر بیٹھتے ہوئے میاں افتخار نے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک ٹھاک۔ یہ بتاؤ تم نے تانیہ بیٹی کا رشتہ جس لڑکے سے ختم کیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟"

"ثانیہ کا رشتہ ہاں اس کی وجہ میں ہوں تمہیں کس نے بتایا۔" وہ بولے۔

"تم...... کیا مطلب؟" خواجہ صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں میں۔ وہ میری ہستی کا حصہ ہے۔ بیوی بیٹی کو میرے سوا میرا اور کوئی رشتہ قبول نہیں۔"

"مطلب؟"

"خواجہ وہ میرا بھتیجا ہے مگر میری طرح نہیں ہے۔ بہت خوددار ہے۔" انہوں نے اپنا تمسخر خود اڑایا۔

"یعنی رشتہ ختم ہونے کی وجہ خودداری ہے۔"

"نہیں اور بھی مسائل ہیں مگر اصل مسئلہ یہی ہے۔ ہماری بیگم کو بہت امیر کبیر گھر داماد چاہیے۔"

"اوہ! اچھا پھر تو اس لڑکے کے بارے میں کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔"

"عادل سے ملے ہو؟" میاں افتخار نے کچھ حیرت سے پوچھا۔

"نہیں مگر کرن کے سلسلے میں ملنا چاہتا ہوں۔ کرن نے ذاتی طور پر خود اسے پسند کیا ہے تم جانتے ہی ہو کرن کا پاکستان آنے کا مقصد بھی یہی ہے۔ سو بات بڑھاؤ۔" خواجہ صاحب نے خاصے وثوق سے کہا تو ہنسنے لگے۔

"بہت خوب! بھائی میاں ہزار جوتے مار کر ایک نہیں گنیں گے۔ انہیں تو رشتہ ختم ہونے کی خبر بھی نہیں ہے یار۔"

"یعنی یک طرفہ۔" خواجہ صاحب حیرت زدہ سے بولے۔

"ہاں عادل کو کہہ کر ختم کیا ہے اور میرا اندازہ ہے کہ ابھی تک عادل نے گھر میں نہیں بتایا ورنہ قیامت آچکی ہوتی۔"

"[illegible] ہی۔ ہماری کرن کو عادل بہت پسند [illegible] گیا ہے [illegible] اب کیا کیا جائے۔" خواجہ صاحب نے فراخ دلی سے اعتراف کیا۔

"وہ ہے ہی پسند آنے کے قابل مسئلہ یہ ہے کہ میں تو اس سے نظریں بھی ملانے کے قابل نہیں۔" میاں افتخار نے بے بسی ظاہر کی تو خواجہ صاحب چپ ہوگئے۔

"تم خود جا کر مل لو اور اس کی مرضی معلوم کرلو۔ پھر آگے سوچیں گے۔" میاں افتخار نے چپ ہونے پر مشورہ دیا۔

"کچھ اچھا نہیں لگتا۔ خیر کرن کی خوشی کے لیے کچھ تو کرنا ہے۔"

"اوکے! پھر ان شاء اللہ ملاقات ہوگی۔ شاہدہ کو بنک سے لینا ہے۔" میاں افتخار رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اوکے اللہ حافظ۔" خواجہ امتیاز نے بھی کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆⌘⌘☆

بہت عرصے بعد گھر کے ماحول میں خوشی جاگی تھی۔

اماں جان ہر آنے والے کے منہ میں خود مٹھائی ٹھونس رہی تھیں۔ فرحان موبائل پر غیر ضروری نظریں



جمائے مصروفیت شو کر رہا تھا۔ جب کہ زبیر احمد شاہدہ بیگم شادی سے آگے کی منصوبہ بندی میں مصروف تھے۔ میاں افتخار کا انتظار تھا۔ وہ جیسے ہی آئے تو انہیں شوکی نے اماں جان کے کمرے میں بھیج دیا۔ وہ کمرے میں داخل ہوتے ہی سارا معاملہ سمجھ گئے۔ فرحان کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی بتا رہی تھی کہ وہ اس وقت کس کیفیت میں ہے۔ وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئے۔

"لو میاں منہ میٹھا کرو۔" اماں جان نے قلاقند کا ایک بڑا سا ٹکڑا ان کے منہ میں دیا جسے وہ صرف نگل سکے۔

"یہ مٹھائی کس خوشی میں؟" وہ دانستہ انجان بن کر بولے۔

"فرحان اور زرتاشیہ کی شادی کی خوشی میں۔ یہ دیکھو اس کیلنڈر میں سے دو دن نکالے ہیں کوئی بھی تاریخ منتخب کرلو۔" اماں جان نے ٹیبل کیلنڈر ان کی طرف بڑھایا۔ تو وہ ایک دم فرحان کی طرف دیکھنے لگے۔

"فرحان کا کیا پروگرام ہے؟" انہوں نے فرحان کو جھنجوڑا۔

"فرحان نے ہی تاریخ طے کرنے کو کہا ہے۔ میرا بیٹا ماں کی بات کیسے ٹال سکتا ہے۔" شاہدہ بیگم نے جلدی سے بتایا۔

"آپ کی بات کوئی بھی نہیں ٹال سکتا۔" وہ دوبارہ طنز کرکے اٹھے اور کمرے سے چلے گئے۔

"ارے آپ کہاں جا رہے ہیں۔" شاہدہ بیگم نے پیچھے سے آوازیں دیں مگر وہ رکے نہیں۔ فرحان بابا کے برتاؤ سے سمجھ گیا۔ اس لیے خود اٹھ کر ان کے پیچھے کمرے میں آ گیا۔

"فرحان یار پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" وہ خاصے بےزاری سے بولے۔

"[illegible]"

"[illegible]"

میاں افتخار پہلی بار اس قدر رنجیدہ اور سنجیدہ ہوئے تھے کہ فرحان کو بھی حیرت سی ہوئی۔

"بابا! آپ بھول رہے ہیں میں نے کچھ اور سوچ کر شادی کی تھی کچھ اور ہی فیصلے کرنا چاہتا تھا۔ مگر قدم قدم پر کس نے مجھے روکا آپ نے اور سامعہ نے۔" وہ خاصے بلند لہجے میں بولا۔

"اس کا مطلب یہ نہیں کہ اتنا نامعقول فیصلہ کرلو۔ سوچو سامعہ کا 'بچے' کا کیا ہوگا؟" وہ بہت مضطرب تھے۔

"سامعہ نے اپنے فیصلے کے آگے دیوار کھڑی کردی ہے۔ مجھے نہیں معلوم دراصل اسے اس گھر میں اس طرح لانے سے اسے خراج دینا پڑا ہے۔ ماما کی بیماری زرتاشیہ کی خدمت تنہائی زبیر ماموں کی پریشانی سب وہ حساس سی سامعہ برداشت نہیں کرسکی۔" وہ بہت افسردہ سا ہو کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ میاں افتخار اس کی دلی کیفیت سے بخوبی آشنا تھے۔ اس وقت وہ جس کرب کے دریا کو عبور کر رہا تھا وہ جانتے تھے۔

"یار! آپ سامعہ کو لے کر یہاں سے چلے جاؤ۔ چپ کرکے کہیں بھی چلے جاؤ۔ اس معصوم لڑکی کو مجرم نہ بناؤ۔" وہ قریب بیٹھ کر دھیرے سے بولے تو وہ چونکا۔

"مگر بابا! سامعہ ایسا نہیں مانے گی۔ بلکہ وہ مجھے نظروں سے گرا دے گی۔"

"یار! پھر سوچ لو یہ آگ کا دریا ہے۔" انہوں نے آخری بار سمجھایا۔

"وفا اس کو ہی کہتے ہیں محبت کی ادا اسی کو کہتے ہیں۔" وہ یہ کہہ کر باہر چلا گیا اور میاں افتخار احساس جرم کے

ساتھ بڑی دیر کمرے میں ٹہلتے رہے۔ انہیں دلی طور پر شدید کرب اور تکلیف کا سامنا تھا۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یوں اتنا اچانک فرحان فیصلہ کرے گا۔ مضمحل سے آنکھیں موند کر بیڈ پر دراز ہوگئے۔ بے بسی کا یہ وہ مقام تھا جس پر وہ عرصہ دراز سے جے کھڑے تھے۔

☆☆......☆☆......☆☆

بہت ٹوٹے ہوئے ہیں ہم ابھی دستک نہیں دینا
ہماری آنکھ ہے پُرنم ابھی دستک نہیں دینا
ابھی دل میں ہے بہت غم ابھی دستک نہیں دینا

یہ پہلا موقع تھا کہ سامعہ نے کمرے کا دروازہ شام ڈھلے ہی لاک کرلیا تھا۔ زرتاشیہ کو دو تین دستک دینی پڑیں۔ تب سامعہ نے دروازہ کھولا اور نظریں چرا کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔ وہ مٹھائی کا ڈبہ ہاتھ میں لیے اندر آ کر بولی۔

"یہ کیا؟ کمرے میں اندھیرا ابھی سے۔ مٹھائی بھی نہیں کھائی مبارک باد بھی نہیں دی۔"

"وہ ہاں بس کچھ طبیعت خراب سی ہے اس لیے لیٹ گئی تھی۔" سرخ آنکھوں کی نمی چھپانے کے لیے آنکھیں ملتے ہوئے ہکلائی۔

"تو بتانا تھا نا۔ طبیعت خراب کیوں ہے؟" زرتاشیہ نے مٹھائی کا ڈبا تپائی پر رکھا اور پریشان ہو کر بولی۔

"ارے اب ٹھیک ہوں۔ لاؤ مٹھائی تو کھانے دو۔" وہ ہنس کر بولی اور خود ہی گلاب جامن توڑ کر منہ میں دبا لیا۔ زرتاشیہ خوشی سے لپٹ گئی۔

"بہت بہت مبارک ہو تاریخ کیا ہے؟" اسے خود سے لگائے لگائے پوچھا تو وہ شرما کر بولی۔

"اس مہینے کی پچیس تاریخ ہے۔ سامعہ جی آج میں بہت خوش ہوں فرحان اب سے میرا ہے۔" وہ بے خودی میں کہہ کر خود ہی گلابی پڑ گئی۔ سامعہ نے مسکرا کر اسے دیکھا اور دعا دی۔

"اللہ آپ کو آپ دونوں کو خوش رکھے آمین۔"

"تھینک یو! سامعہ جی اب ساری شاپنگ کل مکمل کرنی ہے۔" وہ معصومیت سے بولی۔

"میں اور اب بازار کیا بُرا نہیں لگے گا۔" سامعہ نے اندر کے کرب کو چھپا کر ذومعنی انداز میں پوچھا تو وہ سمجھ گئی۔

"اوکے! میں سمجھ سکتی ہوں۔ میں پپا کو ہی لے جاؤں گی۔"

"زرتاشیہ ایک کام کرو۔"

"ہونہہ بولیے۔"

"مما کو فون کرو تاریخ بتاؤ اور بلاؤ مائیں خریداری کرتی ہیں۔" اس نے نرمی سے کہا تو زرتاشیہ کا چہرہ زرد پڑ گیا آنکھیں بھیگ گئیں۔

"وہ بہت ضدی ہیں نہیں آئیں گی۔" رقت آمیز جواب دیا۔

"نہیں بیٹی کی شادی ماں کی زندگی کا اہم مقصد ہوتی ہے۔ دیکھ لینا وہ آجائیں گی۔ پھر بات کچھ بھی نہیں

ہے۔ غیر ضروری ضد اور انا نے انہیں روک رکھا ہے۔" سامعہ نے اس کی پلکیں صاف کرتے ہوئے سمجھایا۔
"وہ ایک فون تک تو کرتی نہیں۔" وہ رو دی۔
"خوشی کے موقع پر روتے نہیں۔ کوئی بات نہیں بڑے کبھی کبھی بظاہر تنے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن اندر سے نرم ہو چکے ہوتے ہیں۔"
"آپ سچ کہہ رہی ہیں سامعہ جی۔" وہ غیر یقینی کی سی کیفیت میں دیکھتے ہوئے بولی۔
"میرا دل کہہ رہا ہے کہ وہ آپ کو مایوس نہیں کریں گی۔"
"دلوں کو مثال بنا کر اکثر اوقات ہم دھوکا دے رہے ہوتے ہیں۔" اسی اثنا میں فرحان کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔ زرتاشیہ تو شرما کر باہر بھاگ گئی جب کہ سامعہ کی دھڑکنوں کے شور کو فرحان نے بھی محسوس کیا۔
"اب آگے کی زندگی کا بھی فیصلہ سنا دو۔" وہ سامنے آ کر بولا۔
"کیا مطلب؟"
"کہ میری محبت اور میرے بچے کی منزل کیا ہے؟" وہ آنکھیں چار کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔
"فرحان! مجھے نہیں معلوم لیکن یہاں سے تو جانا ہوگا۔" وہ بلا تامل کہہ گئی
"وہاٹ یعنی تم یہاں سے چلی جاؤ گی۔"
"ظاہر ہے یہ سب صرف بچے کی پیدائش تک مجھے برداشت کر رہے ہیں۔ پھر تو آپ کا جھوٹ نبھانا ہے۔"
"میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔"
"چلیے یوں ہی سہی۔ بابا کے ہاں سے [illegible] کسی کا سامنا ہو سکتا ہے۔"
"تو ہو جائے۔"
"میری محبت کی توہین مت کراؤ۔ میں مسز حیدری کے پاس چلی جاؤں گی یا پھر کسی اور شہر میں گھر لیا جا سکتا ہے۔"
"کیا بچکانہ باتیں ہیں۔ تم یہاں سے کہیں نہیں جاؤ گی۔"
"اوکے ابھی تو آپ یہاں سے جائیں۔ اچھا نہیں لگتا۔"
"جا رہا ہوں مگر اس احساس کے ساتھ کہ میں تم بن جی نہیں سکتا۔" وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چلا گیا اور وہ دل تھام کر بیٹھ گئی۔ آنکھوں سے جھڑی لگ گئی۔ حالت متغیری ہونے لگی۔ بیڈ پر گری تو کچھ ہوش نہ رہا۔

☆☆......◉◉......☆☆

تین دن کے تیز بخار کے بعد صبح سات بجے کی فلائٹ سے وہ پہنچی تھی۔ میاں افتخار ائرپورٹ سے باہر نکلتا دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ زرد کملایا ہوا چہرہ سیاہ حلقوں کی زد میں دھنسی ہوئی آنکھیں۔ بے ترتیب الجھے الجھے بال اور ملگجا سا شلوار سوٹ۔
"تانیہ بیٹا ٹھیک تو ہو؟" انہوں نے پوچھا۔



"جی بابا!" وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔
"تین چار روز سے فون کیوں نہیں کیا۔ آپ کی ماما بہت پریشان تھیں۔" گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بتایا۔
"بس بخار ہو گیا تھا اس لیے۔" وہ یہ کہہ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔
"یہ حالت صرف بخار کی وجہ سے ہے؟" انہوں نے دھیمے سے پوچھا۔
"جی بابا!" جواب پھر مختصر اور دو ٹوک آیا۔
"اسلام آباد کی آب و ہوا تو بیماروں کو تندرست کر دیتی ہے۔"
"ہاں! میری بھی بیماری دور ہو گئی ہے۔" وہ مضبوط لہجے میں بولی۔ تو میاں افتخار نے اسے غور سے دیکھا اور کافی کچھ ان کی سمجھ میں آ گیا۔
"آپ کی ماما تو پریشان ہو جائیں گی آپ کو دیکھ کر۔"
"انہیں پہلے پریشان ہونا چاہیے تھا۔" اس نے کچھ عجیب سا جواب دیا۔
"تانیہ کیا بات ہے؟" انہوں نے بہت محبت سے پوچھا۔
"پلیز بابا گھر چلیں کچھ مت پوچھیں۔"
"اوکے!" انہوں نے گھر والی سڑک پر گاڑی موڑ دی۔
"سب کیسے ہیں؟"
"وضاحت کر دیں سب سے کیا مراد ہے؟"
"تو ماما، بھائی، زنیرہ، ماموں [illegible] وغیرہ وغیرہ۔"
"سب ٹھیک ہیں۔ آپ کے بھائی کی شادی کی تاریخ طے ہوئی ہے۔" انہوں نے طنزیہ ہنس کر اطلاع دی۔
"کیا میرے بغیر؟"
"روٹین کے مطابق۔" انہوں نے گیٹ کے باہر پہنچ کر ہارن دیا۔ وہ خاموش ہو گئی۔
"شوکی نے گیٹ کھولا گاڑی اندر داخل ہوئی تو صحن میں چہل قدمی کرتے ہوئے شاہدہ بیگم خوش ہو گئیں۔ وہ ان سے لپٹ گئی۔
"اطلاع تو پہلے دیتے ہیں۔ ائرپورٹ پہنچ کر بتایا۔" شاہدہ بیگم نے دلار سے پیشانی چومتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی حیرت سے آنکھیں پھیل سی گئیں۔ وہ ان کی نگاہوں کا مطلب سمجھ کر پہلی بار تانو تانو پکارتی ہوئی ان کے کمرے تک گئی۔
"اجی بیگم صاحبہ! دیکھا آپ نے کمال ہو گیا۔ اسے کہتے ہیں اسلام آباد کی ہوا۔" میاں افتخار نے ان کی توجہ بانٹنے کے لیے شوخی سے کہا۔ تو وہ غصے میں گرفتار اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ میاں افتخار وہیں صحن میں بیٹھ کر اخبار پڑھنے لگے۔

♥☆......♥......☆♥

وہ ڈھیر سارے کاغذات بستر پر پھیلائے بڑے سے رجسٹر میں کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ رفیعہ بیگم

آ گئیں۔

"عادل۔"

"جی۔" اس نے مگن رہتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ کام بند کردو۔ میں کچھ بات کرنے آئی ہوں۔" پہلی بار انہوں نے سختی سے کہا تو عادل نے جھٹ رجسٹر بند کردیا۔

"امی! یہ خریداری کے بل ہیں ان کو رجسٹر میں لکھنا ہوتا ہے۔ پچھلے دو مہینوں سے فرصت نہیں ملی۔ ڈھیر سارے جمع ہوگئے ہیں۔"

"یہ زندگی بھر کی مصروفیت ہے اس کے علاوہ بھی کچھ چاہیے۔"

"جی بولیے۔"

"دیکھو تمہارے ابا کو بہت عرصے انجان نہیں رکھا جاسکتا۔ وہ ہر روز افتخار کی طرف جانے کا پروگرام بناتے ہیں۔ وہاں چلے گئے تو سخت ذہنی صدمے سے دوچار ہوں گے۔"

"امی! میں کیا کروں؟ میرا قصور کیا ہے؟"

"اب کوئی دوسرا فیصلہ کرنا ہوگا میرا مطلب ہے کہیں اور رشتہ ہوجائے۔" وہ اٹک اٹک کر بولیں۔

"جو جی میں آئے کریں میں نے منع تو نہیں کیا۔" اس نے محبت سے ان کے ہاتھ تھام کر کہا وہ کھل اٹھیں۔

"تو کرن کی طرف جائیں۔"

"کرن، کرن آپ کو کہاں سے یاد آگئی۔" وہ حیرت سے بولا۔

"عادل! وہ روز آتی ہے۔ ڈھیروں اچھی اچھی باتیں کرتی ہے۔ اس کی سوچ اتنی اچھی ہے کہ مجھے حیرت ہوتی ہے۔"

"واٹ وہ روز آتی ہے اور آپ نے مجھے بتایا تک نہیں۔" اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہ تو روز اسے بھی فون کرتی ہے لیکن وہ تو کوئی رسپانس نہیں دیتا تھا۔ پھر بھی وہ یہاں آتی ہے۔

"اس نے ڈر سے منع کردیا تھا۔" وہ ہنستے ہوئے بولیں۔

"امی! وہ جس کلاس کی ہے ہمیں سوٹ نہیں کرتی۔"

"بیٹا! وہ تمہیں بہت چاہتی ہے کہہ رہی تھی کہ اگر عادل نہیں مانا تو میں واپس باہر چلی جاؤں گی پھر کبھی پاکستان نہیں آؤں گی۔" انہوں نے اچھی خاصی کرن کی طرف داری کی۔ تو اسے تانیہ یاد آ گئی۔

"امی تانیہ نے خود کو چھوڑنے کا کہا تھا یہ تو نہیں کہا تھا کہ کسی اور کو اپنالوں۔"

"بھول جاؤ اسے ہمیں اس کے فیصلے پر نہیں چلنا۔ کرن بہت اچھی ہے۔ میری مان لو اس سے ایک بار مل لو۔ اس کے دادا بھی تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ پھر جو فیصلہ کرو مجھے منظور ہے۔" رفیعہ بیگم نے اس کے لہجے کی اداسی کو محسوس کرکے پیار سے سمجھایا۔

"امی! ابا کو یہ بات بھی صدمہ ہی پہنچائے گی۔"

"ارے نہیں اگر یہاں معاملہ ہوجائے تو انہیں تانیہ اور شاہدہ کی اصلیت بتائی جاسکتی ہے۔ وہ تو تمہارے سر

پر سہرا دیکھنا چاہتے ہیں۔" ان کی یہ بات سن کر وہ خاموش ہو گیا۔ رفیعہ بیگم نے اس کی پیشانی چومی اور کمرے سے چلی گئیں اور وہ مضطرب سا دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے ناخن چبانے لگا۔ سکون نہ ملا تو اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

"تانیہ اتم نے اچھا نہیں کیا۔" دل سے آہ سی اٹھی۔ زندگی کے اس موڑ کا تو اسے اندازہ ہی نہیں تھا۔ اسے تو یقین تھا کہ

بچھڑ کے پھر ملیں گے
تھا تو اک خواب حسین
مگر میرے زوال سے پہلے مجھے چھوڑ دیا
کس قدر حسین تو تھا ہی
مگر ذہین بھی کتنا تھا

☆☆......❖❖......☆☆

زبیر احمد نے شادی کارڈ کے چند نمونے لا کر شاہدہ بیگم کو دیے تھے۔ وہ میاں افتخار کو دکھانے کے لیے کمرے میں آ گئیں۔ وہ اپنی کمپیوٹر ٹیبل کے سامنے کرسی کی پشت گاہ سے سر ٹکائے آنکھیں موندے بیٹھے تھے۔

"افتخار! یہ وقت ہے یوں کمرے میں گھس کر بیٹھنے کا۔"

"حکم کرو میں باہر صحن میں ایک ٹانگ پر کھڑا ہو جاتا ہوں۔" اضطراب سے باہر نکلنے کے لیے ظرافت کا سہارا لیا۔

"خدارا مذاق کا بھی کوئی وقت ہوتا ہے۔" انہوں نے کارڈ ان کے سامنے میز پر رکھے۔

"اسی لیے قلق [illegible] ہمارا کوئی وقت ہی نہیں [illegible]"

"فارکاڈ ایک بیٹے کی شادی سر پر ہے اور والد صاحب کو قلق ہو رہا ہے۔" وہ جھنجلا گئیں۔

"شاہدہ قلق سے واسطہ ابھی آپ کا پڑا نہیں۔ کیونکہ آپ اس کے معنی سے ناواقف ہیں۔" وہ کارڈ پر نظر ڈالتے ہوئے بولے۔

"مسئلہ کیا ہے؟" وہ بھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئیں۔

"فرصت نکال کے۔ تانیہ کے کمرے میں جھانک لیں کہ اب وہ کیوں کمرہ میں بند رہتی ہے؟"

"کیا مطلب؟" وہ چونکیں۔

"کوٹھی کا ایڈوانس دے دیا گیا ہے پلاٹس بک گئے۔ تانیہ پھر بھی خوش نہیں۔" انہوں نے خاصے ذومعنی انداز میں کہا۔

"خوش نہیں ہے آپ کو کس نے بتایا؟"

"میرا خیال ہے مجھے تو کبھی کوئی کچھ نہیں بتاتا۔ فرصت نکال کر پوچھ لو۔ وہ آپ کے تو قریب ہے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ مجھے اس کی حالت سے ہی کچھ اندازہ ہے لیکن فرصت نہیں ملی کچھ پوچھنے کی۔" شاہدہ بیگم کو چہیتی بیٹی کی فکر ہوئی۔

"کاش! آپ بیٹے سے بھی پوچھ لیتیں۔" وہ دل کی تکلیف زبان پر لے آئے۔



"فرحان کو کیا ہوا؟" وہ کچھ تعجب سے بولیں۔

"ابھی تو کارڈ پسند کر لیں۔" وہ بے دلی سے کہہ کر باہر چلے گئے۔ انہوں نے جھلا کر کارڈ خود دیکھنے شروع کر دیے۔ پھر خیال آیا کہ زرتاشیہ اور سامعہ کو دکھائے جائیں۔ وہ ابھی اٹھنا ہی چاہ رہی تھیں کہ اماں جان آ گئیں۔

"ارے بھئی تانیہ کی کچھ خبر لو۔ وہ جانے کس کو فون پر برا بھلا کہہ رہی تھی۔ اول فول بک رہی تھی۔ شوکی اور تاجی نے آ کر بتایا تو میں بھاگی۔ فون فرش پر دے مارا ہے اور تکیے میں منہ دیے رو رہی ہے۔" اماں جان نے نان اسٹاپ ہانپتے کانپتے بتایا تو شاہدہ بیگم کو میاں افتخار سے ہونے والی گفتگو یاد آ گئی۔ وہ تیزی سے باہر نکل گئیں۔

"تانیہ!" انہوں نے اس کے سرہانے بیٹھتے ہوئے پکارا۔

"ماما پلیز لیو می الون۔" وہ چلائی۔

"تانیہ کیا بات ہے؟" وہ جذباتی ہو گئیں۔

"کچھ نہیں بس آپ جائیں۔"

"لیکن کیوں؟"

"اس لیے کہ میں ڈسٹرب ہوں اپنا سامنا کرنا چاہتی ہوں۔" وہ پلٹ کر بولی۔ انہوں نے تڑپ کر اس کے بھیگے رخسار صاف کیے۔

"کیوں؟ میری جان مجھے بتاؤ۔"

"ماما پلیز پہلے مجھے خود کو تو کچھ بتانے دیں۔ آپ کو بتانے سے کیا فائدہ؟" وہ کچھ بگڑے تیور کے ساتھ کہہ کر دوبارہ رخ موڑ کر لیٹ گئی۔

"تائی اماں کی حیثیت کا کوئی مقام ہے آپ کی نظر میں۔"

"کون سی حیثیت؟ آپ نے کبھی یاد دلایا کہ آپ میری ماں ہیں۔" وہ طنزیہ ہنس کر بولی۔

"ماں کو ہورڈنگ بورڈ لگانا چاہیے گھر میں کب آپ کو اپنی محبت سے محروم کیا ہے؟" انہیں ایک دم غصہ آ گیا۔

"صرف محبت دے کر فرض پورا کر دیا آپ نے۔" وہ دوبدو ہوگئی۔ تب شاہدہ بیگم سکتے میں آ گئیں۔ ایسا غیر یقینی انداز وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اور کھلے منہ سے دیکھتی رہ گئیں۔

"ایسے مت دیکھیں یہ میں نے نہیں کہا۔ یہ خرم کی مام نے احساس دلایا ہے۔" وہ یقین دہانی کرانے کے لیے چبا چبا کر بولی۔

"کیا احساس دلایا ہے کہ آپ کی ماما ماں نہیں ہے۔ عادل کے مقابل خرم تو آیا ہی تھا۔ ماں کے بدلے ماں بھی لے آئی ہیں۔" انہوں نے خاصے غصے کے ساتھ پوچھا۔

"آپ کو کیا معلوم کیسے میری انسلٹ ہوئی ہے۔ جو آپ نے مجھے بتانا تھا وہ انہوں نے بتایا۔ مجھے آئینہ دکھایا۔ آپ کی وجہ سے انہوں نے مجھے ریجکٹ کیا ہے۔" یہ کہہ کر وہ رونے لگی۔ شاہدہ بیگم کا دل دھچکا کھا کے رہ گیا۔

اطلاع تو ان پر بجلی بن کر گری۔ وہ مزید سکتے میں آ گئیں۔ ان کی زبان گویا ہلنے کی بھی صلاحیت کھو گئی۔

"آپ ... وہ ... کیوں ... [illegible] ... مجھے ... جانے ... [illegible] ... وا ... [illegible] کے طوفان کو دھیرے دھیرے باہر نکال رہی تھی۔" شاہدہ بیگم کے ضبط نے زور [illegible] کی بھری تو وہ آنسو بہاتی وہاں سے اٹھ کر باہر آ گئیں اور سیدھی اماں جان کے کمرے میں گئیں اور ان کے بستر پر گر کے پھوٹ پھوٹ کے رو دیں۔ ناجی کتھا لینے کمرے میں آئی تو ان کی اس حالت کو دیکھ کر وہ اماں جان کو بلا لائی۔ اماں جان بوکھلا گئیں۔

"شاہدہ شاہدہ......!"

"اماں جان! جو آج سنا ہے تو کلیجہ پھٹ گیا ہے۔ میں کس قدر بدنصیب ماں ہوں۔" وہ ان سے روتے روتے کہنے لگیں۔ تب اماں جان کو کچھ اندازہ سا ہوا۔

"چلو آج سن لیا۔ اب ماں کی باتوں پر یقین آ گیا ہوگا۔" اماں جان نے بہت نرمی سے کہا اور ان کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔ انہیں کچھ اطمینان سا ملا۔

فرحان نے جو خوشی دی تھی وہ تانیہ نے ذہنی صدمے میں بدل دی تھی۔ وہ ایک بار پھر بستر سے جا لگیں۔ تانیہ کمرے تک محدود تھی۔ اس کی حالت بھی ہر روز کے بعد خراب ہی ہو رہی تھی۔ کئی روز سے میاں افتخار شدت سے یہ سب محسوس کر رہے تھے آخر کار آج بنک سے واپسی پر انہیں لیتے ہوئے پوچھ بیٹھے۔

"بیٹے کی شادی کی خوشی منا رہی ہو یا غم۔" وہ چونکیں۔

"میری خوشیوں کو تو کسی کی نظر لگ گئی ہے۔" وہ سرد آہ بھر کے بولیں۔



"ویسے پوچھنے کا حق تو میرے پاس نہیں لیکن پھر بھی تم کچھ چھپا رہی ہو۔" انہیں واقعی تانیہ سے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ تانیہ کے لگائے تازہ زخم تو وہ اندر ہی خود چاٹ رہی تھیں۔ اس کی زبان کا زہر تو برداشت بھی کر لیتیں مگر صدمہ اس بات کا تھا کہ خرم نے ریجکٹ کر دیا۔ جس کی محبت نے تانیہ کو پاگل بنا رکھا تھا۔ اسے چھوڑنے کے بعد باقی کیا بچا تھا۔ خسارہ ہی خسارہ۔

"کیا سوچنے لگیں؟"

"تانیہ نے اپنا مجرم مجھے قرار دے دیا ہے۔ خرم کی مام نے اس کو یہی کہہ کر خالی ہاتھ لوٹایا ہے۔" وہ بہت دھیرے سے بولیں۔

"بیٹیوں کے لیے والدین جھولیاں پھیلاتے ہیں کوئی بھر دیتا ہے کوئی خالی لوٹا دیتا ہے مگر والدین اس کا مان ٹوٹنے کا صدمہ بیٹیوں تک نہیں جانے دیتے۔ اس کا مطلب تانیہ اس صدمے سے دوچار ہے۔" وہ بہت مضطرب اور دکھی ہو کر بولے۔

"ہاں مجھے یہ صدمہ ہے کہ اب کیا ہوگا؟"

"جی ہاں نہ تو کبھی کا ایڈوانس واپس ہوگا نہ پلاٹس واپس ہوں گے اور نہ عادل لوٹ کے آئے گا۔" انہوں نے طنزیہ انداز میں جملہ توڑ توڑ کر مکمل کیا۔ شاہدہ بیگم تڑپیں مگر نظریں جھکا لیں۔

"پھر کیا سوچا ہے؟"

"کچھ نہیں کچھ اندازہ نہیں۔" وہ بے بسی سے بولیں۔

"مجھے دکھ ... سب سے بڑی قربانی ... نے دی ... محروم رہا۔" انہوں نے کہا تو شاہدہ بیگم نے ... نظروں سے انہیں دیکھا۔

"پچھتا رہے ہو؟"

"نہیں بس پریشان ہوں کہ کچھ بھی ٹھیک نہ کر سکا۔"

"ٹھیک ہو سکتا ہے تانیہ کی یہ حالت وقتی ہے۔ آپ بھائی میاں کو مل آئیں۔" انہوں نے خاصے جھجکتے ہوئے انداز میں کہا تو میاں افتخار حیرت سے چونکے۔

"بیگم کاش زندگی اتنی آسان ہوتی۔"

"کیوں؟" وہ بولیں۔

"کوئی اور طریقہ ڈھونڈیے۔ میں اپنے بھتیجے کو اچھی طرح جانتا ہوں اس میں میری ایک بھی خوبی موجود نہیں۔" وہ مسکرا کر بہت کچھ کہتے ہوئے چلے گئے۔ شاہدہ بیگم اپنے اور عادل کے درمیان ہونے والے مکالمے کو یاد کر کے سخت مایوس ہو گئیں۔ انہیں بھی اندازہ تو تھا کہ عادل تو جا چکا ہے اسے واپس لانا محال ہے۔

(باقی آئندہ ماہ)

# تم میرے ہوجاؤ

حنا عندلیب

چاند مہکا ہے تیری یاد کے ساتھ
اس میں خود کو بھگو لیا جائے
لے تیرا گاؤں آنے والا ہے
کیوں نہ پیروں کو دھو لیا جائے

تمہیں اپنا لیں گے بنا اگر میرے ہوجاؤ
ہم سارے فاصلے دیں گے مٹا اگر تم میرے
ہوجاؤ

"خواب وہ نہیں جو آپ کو سوتے میں آئیں' خواب تو وہ ہیں جو آپ کو سونے نہ دیں۔" اسلامیات میں ایم اے کرنا بھی اس کا ایسا خواب تھا جو اس کی راتوں کی نیندیں اور دن کا قرار لوٹ لے گیا تھا۔ یونیورسٹی میں آج اس کا پہلا دن تھا۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں پر پہنچنے کے لیے اس نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا جوا کھیلا تھا۔ اپنے آپ کو ایک ایسے شخص کے نام کیا تھا جسے اس نے کبھی غلطی سے بھی نہیں سوچا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی اس شخص کے ساتھ زندگی کیسے گزرے گی لیکن وہ اس وقت کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی' وہ خوش تھی۔ اس کا خواب' حقیقت بننے جارہا تھا۔ "خوشی ایک احساس کا نام ہے۔ جو آپ کو ہر فکر' پریشانی' دکھ' درد' کرب اور غم سے بے نیاز کردے۔" کلی کے چٹکنے کی صدا...... غنچے کے کھلنے کی ادا...... پھول کی خوش بو سے مہکی ہوئی صبا...... بادلوں سے لدی ہوئی ہوا...... خوشی ہے۔ رنگ بہاراں تھا صبا کا رقص' رنگ برنگے بادل' ہواؤں کی مستیاں' فضاؤں کی چھیڑخانیاں تھیں۔

"بیٹا! میں نے سارے خاندان سے مخالفت مول لے کر تمہیں یونیورسٹی بھیجا ہے' کچھ ایسا مت کرنا جس سے میرا سر نیچا ہوجائے۔" وہ مین گیٹ کے پاس پہنچی تھی کہ اسے اپنے بابا جان کے الفاظ یاد آگئے۔ اتنا بڑا گیٹ دیکھ کر وہ حیران رہ گئی کیونکہ ایک [illegible] "سوسنا" کا ہوتا ہے اتنی اس گیٹ میں گزرگاہ کی ہے۔ معلوم نہیں "صنادیدہ" نے خود کو اس گیٹ میں سے کیسے گزار ہوگا؟ گیٹ سے داخل ہوتے وقت اسے اپنی "موٹی سہیلی" کا خیال آیا۔ شاید اسے کسی نے دھکا مار کے نکالا ہو گیٹ سے۔ صنادیدہ کو گیٹ سے گزرنے کے لیے ایک ماہ ڈائٹنگ ضرور کرنی پڑے گی۔ "ویلکم تو دا Uos" وہ سوچوں میں غلطاں تھی چہکتی آواز پہ چونک گئی۔ "صنادیدہ اور شلوک" مسکرا رہی تھیں۔ غالباً وہ استقبال کو کھڑی تھیں۔ وہ مسکرا کے آگے بڑھی اور بغل گیر ہوگئی۔

"UOS" مطلب یونیورسٹی آف سرگودھا۔"

"اوہ......" وہ دھیرے سے مسکرائی۔ یہ یونیورسٹی سڑک کے دائیں باغ کے اندر ایک چھت اور چار

...متون ہیں نا یہ "تنور والی کی چھپری" نہیں بلکہ "مولا ...ش آڈیٹوریم" ہے۔ صنادید اور شلوک اب اسے ...یونیورسٹی کی سیر کرانے لگیں۔

"اس سے ذرا آگے بائیں طرف یہ جو کھنڈر نما ...عمارت نظر آ رہی ہے۔ یہ بہت بابرکت ڈیپارٹمنٹ ...ہے تمہارا "اسلامیات ڈیپارٹمنٹ" اس کے سامنے ...ایک عدد فوارہ ہے۔ اگر پاکستان میں خشک سالی کا ...اندازہ لگانا ہو تو اس کو دیکھ لو۔ میں نے تو آج تک ...اس میں کبھی پانی نہیں دیکھا۔" صنادید نے کندھے ...اچکا کر کہا۔ "اس شریف ڈیپارٹمنٹ کے ساتھ ہی ...یونیورسٹی کا بہت خوب صورت حصہ ہے جس کے تین ...طرف سبزہ زار ہے۔ یہ ہے V.C صاحب کا ...آفس۔" صنادید شعشعہ کو جدھر جدھر لے کے جا رہی ...تھی وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتی رہی۔

"V.C صاحب کے آفس سے تھوڑا آگے جا کر ...ا نم طرف مڑو تو جو بلاک آئے گا اس کے دو قدم [illegible] ...یونیورسٹی کی ساری رونق ہے۔" [illegible] ...لارڈ ڈھیر سے دھرے چلے نہیں۔ شعشعہ مجھے تم سے ...شکایت ہے۔ میرے بغیر ہی نکاح کروا لیا۔ اتنی ...جلدی کیا تھی نکاح کی؟ میرے آنے کا انتظار نہیں ...کر سکتی تھی۔" صنادید نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"شلوک تو آئی تھی نکاح میں، تجھے ہی اسلام آباد ...جانے کا خبط ہو رہا تھا۔ صنادید تو جانتی ہے نا پھوپو ...مجھے یونیورسٹی بھیجنے کے لیے راضی نہیں تھیں۔ ان ...کے خیال میں لڑکیاں یونیورسٹی جا کر بگڑ جاتی ہیں۔ ...ان کو پر نکل آتے ہیں۔ میں بگڑ نہ جاؤں میرے پر ...کہیں نکل آئیں اس لیے انہوں نے بابا پہ بہت ...زور دے کر میرا نکاح اپنے بیٹے نوماش سے کر دیا۔ بابا ...بھی بیمار رہتے ہیں، اس لیے انہوں نے نکاح ...کر دیا۔" شعشعہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"ویسے شعشعہ نوماش کرتا کیا ہے؟"

"جانے کیوں مجھے لگا کہ وہ اس نکاح پر خوش نہیں ہے۔ وہ کافی سنجیدہ تھا۔" شلوک نے کہا۔

"فی الحال تو وہ فارغ ہے، اس نے صرف ایف اے کیا ہے، اسے کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ باپ کی زمینیں بہت ہیں اس کے لیے۔" شعشعہ کے لہجے میں تلخی تھی۔ "میں نہیں جانتی وہ نکاح سے خوش ہے یا نہیں۔"

"یہ لو جی "البیرونی بلاک" آ گیا۔" صنادید نے نعرہ لگایا۔ "اگر سترھویں صدی کی یاد تازہ کرنا ہو تو یہاں آ جایا کرنا۔ گزرے اس بلاک میں Four In One کلچر پایا جاتا ہے۔ ہسٹری والے محمد بن قاسم کے دور کا عملی مظاہرہ کرتے ہیں، انگلش والے "نیشن میگزین" پڑھتے ہیں، اکنامکس والے اقتصادی حالات میں پھنسے رہتے ہیں، چاہے وہ ملک کے ہوں، یونیورسٹی کے یا اپنے گھر کے۔" صنادید نے فضا میں [illegible] "الغزالی" [illegible] کی [illegible] رہنے والے کو ان بے چاروں کو تھیوری کے علاوہ کچھ نہیں سوجھتا۔ میتھ ڈیپارٹمنٹ میں ایک شہزادہ بھی رہتا ہے۔ جو بہت سی لڑکیوں کے لیے خواب کی طرح ہے۔ جسے لڑکیاں صرف دیکھ سکتی ہیں محسوس نہیں کر سکتیں۔ بہت مغرور ہے کالی آنکھوں والا۔ کالے بالوں والا، لمبا چوڑا کسی فلم کا ہیرو لگتا ہے۔" صنادید نے تصویر کشی کی۔

"ہوں...... کون ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ کیا کرتا ہے؟" شعشعہ کو کچھ دلچسپی محسوس ہوئی۔

"دیپ رضا" شلوک کے لبوں سے پھول کھلا اس کی خوش بو سے فضا معطر ہو گئی۔ شلوک کی آنکھوں میں زبردست چمک ابھری۔

"رہتا ہے لڑکیوں کے دلوں میں اور کرتا ہے



"جادو" صنادید کی زبان پر کھلی ہوئی۔

"کیا مطلب......؟" معصوم سی شعشعہ سمجھ نہیں سکی۔ "یار بہت ڈیسنٹ سا بندہ ہے اپنی آواز کا جادو کرتا ہے۔ بہت اچھا گاتا ہے۔ آج تک اسے کوئی ہرا نہیں سکا۔" شلوک نے کہا۔

"البیرونی بلاک کے پیچھے باسکٹ بال گراؤنڈ ہے۔ کینٹین کے پچھلے حصے میں دو عدد PCO ہیں۔ ایک لڑکیوں کے لیے دوسرا سب کے لیے کیونکہ اس میں لڑکی جو پھنستی ہے۔" صنادید آج موڈ میں تھی۔ "یونیورسٹی کا سب سے خوب صورت اور جدید بلاک "الغزالی بلاک" ہے۔ کیا خوب صورتی ہے، کیا اسٹائل ہے، کیا فیشن ہے، کیا جلوہ ہے یار۔ طبیعت باغ باغ ہو جاتی ہے۔ الغزالی بلاک کے سامنے تھوڑے فاصلے پر "ابن ہیثم بلاک" ہے۔ فزکس کے طالب علموں کی آرام گاہ۔ "ابن ہیثم بلاک کے پڑوس میں پایا جاتا ہے "ابن سینا بلاک" جہاں کیمسٹری کے [illegible] بیچارے سوائے کیمیا دانوں کی روحوں کو ثواب پہنچانے کا کام، کوئی سر انجام دے رہے ہیں۔ اس کے بعد لڑکوں اور لڑکیوں کا ہوسٹل ہے۔ ایک ہاسٹل کے اندر لڑکے ہوتے ہیں اور دوسرے کے باہر۔"

"صنادید آج بہت چہک رہی ہے۔" شعشعہ بھی ہنسنے پر مجبور تھی۔ وہ باتوں میں مشغول تھی، جب شعشعہ کو اپنے سے تھوڑے فاصلے پر لڑکوں کا "جھنڈ" دکھائی دیا۔ وہ لڑکے اسے کافی عجیب لگے۔ ان میں سے ایک لڑکے نے دو گھوڑا بوسکی قمیص اور سفید شلوار پہنی ہوئی تھی۔ پاؤں میں تلے والی جوتی جو کہ پیچھے سے کھلی ہوئی تھی۔ گریبان کے بٹن کھلے تھے۔ سر پہ لگا تیل کنپٹیوں کو بھگو رہا تھا۔

"صنادید یہ کیا ہے؟" شعشعہ سے حیرانی چھپائی نہ گئی۔

"میری جان! یہ "پینڈوازم" کی بیماری ہے۔" صنادید کے کہنے پر شلوک اور صنادید کا جاندار قہقہہ فضا میں بلند ہوا تھا۔ شعشعہ ہلکے سے مسکرائی تھی۔ ان کے اتنے خوفناک قہقہے پر وہ گروپ متوجہ ہوا تھا۔ اسی وقت صنادید کا موبائل بجا۔ اس کی رنگت گلابی گلابی ہو گئی۔

"او نومی کی کال ہے۔ میں تمہیں پھر ملتی ہوں اوکے۔" کہہ کر وہ مسکراتے ہوئے چلی گئی۔

"شعشعہ میری کلاس کا ٹائم ہو گیا ہے، آ تجھے تیرے ڈیپارٹمنٹ تک چھوڑ دوں پھر میں اپنی کلاس میں چلی جاؤں گی۔" شلوک نے رسٹ واچ دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں شلوک، میں ڈیپارٹمنٹ دیکھ چکی ہوں، میں خود چلی جاؤں گی تو اپنی کلاس میں جا۔" شعشعہ نے نرمی سے کہا۔

"اوکے جسٹ فور یو......" کہہ کر شلوک [illegible]

"پاپا جی اٹھیں، دیکھیں کتنی دیر ہو گئی ہے۔ ناشتا تیار ہے جلدی سے کر لیں ورنہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ میں نے آپ کا یونیفارم نکال دیا ہے۔ جوتے، موزے، کیپ سب ریڈی ہے۔ مجھے یونیورسٹی سے دیر ہو رہی ہے۔ میں جتنی دیر میں دھلے ہوئے کپڑے چھت پر ڈال کر آتا ہوں اتنی دیر میں آپ ڈائننگ ٹیبل پر پہنچ جائیں۔" معمول کی طرح مسلسل بولتے ہوئے وہ اپنے پاپا کو جگانے کی کوشش کر رہا تھا جو حسب عادت نماز پڑھ کر سو جاتے تھے جب کہ وہ نماز پڑھ کر گھر کی صفائی کرتا۔ پھر کپڑے دھو کر ناشتا بناتا تھا۔ وہ ڈائننگ ٹیبل پہ پہنچا تو پاپا کو اپنا منتظر پایا۔

"چلیں پاپا، شروع کریں ناشتا۔" اس نے

جلدی جلدی پراٹھا اور انڈہ اپنے پاپا کے سامنے کیا۔
"یار تجھے جو ریڈ شرٹ پسند آئی تھی وہ تو نے خریدی تھی کیا؟" پاپا نے پہلا نوالہ لیتے ہوئے پوچھا۔
"نہیں پاپا......" جواب میں اس نے بُرا سا منہ بنایا۔ "پاپا وہ مجھ سے پہلے کوئی پسند کر چکا تھا۔ اس کے ساتھ کی کوئی دوسری شرٹ تھی نہیں۔" جوس کا سپ لیتے ہوئے وہ بولا۔ "آپ کو پتا ہے کچھ دن پہلے میں نے ایک رسٹ واچ پسند کی تھی۔ وہ بھی کوئی اور لے گیا۔ میں جو چیز بھی پسند کروں وہ کوئی اور لے جاتا ہے۔ پتا نہیں کیوں......؟" اس کا انداز ایسا تھا کہ پاپا کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ "آپ کو ہنسی آرہی ہے۔" اس نے ناراض سے انداز میں کہا۔ "آپ کو پتا ہے میں جو چیز پسند کرتا وہ بہت یونیک ہوتی ہے۔ سب سے الگ سب سے جدا۔ بالکل منفرد لیکن اس سے پہلے کہ میں اس چیز تک پہنچوں وہ کوئی اور لے [illegible] چیز [illegible]" اس نے افسردہ لہجے میں کہا۔
"اوہ مائی سن! جو چیز ہمیں نہ ملے تو یہ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اس سے زیادہ بہتر زیادہ اچھی چیز رکھی ہے۔" پاپا نے تسلی دی۔
"اوکے پاپا...... میں چلتا ہوں۔ شام میں ملیں گے خدا حافظ۔" پاپا نے مسکرا کے ہاتھ ہلایا۔
"رضا حمید PAF میں سرگودھا میں وارنٹ آفیسر کی پوسٹ پر فائز تھے اور ریٹائرمنٹ کے قریب تھے۔ انہیں حکومت کی طرف سے PAF بیس میں رہائش کی سہولت تھی۔ وہ اپنے اکلوتے نور چشم "دیپ رضا" کے ہمراہ رہتے تھے۔ دیپ جب چھ سال کا تھا۔ تب مسز رضا کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور وہ جہانِ فانی سے کوچ کر گئی تھیں۔
رضا اپنی بیوی سے بہت محبت کرتے تھے انہوں نے دوسری شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان کی کل کائنات ان کی زندگی کا محور "دیپ" تھا۔ وہ دیپ کے لیے باپ ہی نہیں بلکہ ماں اور دوست بھی تھے۔ دیپ کا ہر کام وہ خود اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے۔ دیپ کے لیے کھانا بنانا' کپڑے دھونا' کپڑے پریس کرنا' جوتے پالش' غرض ہر کام وہ خود کرتے تھے۔ اب دیپ ان کا ویسے ہی خیال رکھتا تھا جیسے وہ بچپن میں اس کا خیال رکھتے تھے۔"

وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ جانے کا سوچ رہی تھی جب ہوا کا تیز جھونکا اپنے ساتھ اس کے آنچل کو بھی لے اڑا۔ تبھی وہ لڑکوں کا جھنڈ اس کی طرف بڑھا۔
"اوئے ہوئے...... شہزادی...... بڑے لمبے بال ہیں۔" ان میں سے ایک نے آواز لگائی۔
"یہ کیا اسکول کے بچوں کی طرح بستہ کندھے پر [illegible]" ایک اور لڑکے نے اس کے کندھے پر لٹکے بیگ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بُری طرح بوکھلا گئی تھی۔
"ادھر دو یہ بستہ۔" ایک لڑکے نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے سے جھٹکے سے بیگ اتارا۔ جھٹکا اتنا زبردست تھا کہ وہ گرتے گرتے بچی۔
"میں کیسی لگ رہی ہوں؟" اسی لڑکے نے بیگ اپنے کندھے پر لٹکا کر تھوڑا مٹک مٹک کر چلتے ہوئے لڑکیوں کے انداز میں پوچھا۔
جواباً پورے گروپ کے منہ سے دل دہلا دینے والے قہقہے برآمد ہوئے تھے۔
"میرا...... میرا...... بیگ۔ پلیز بیگ واپس دیں۔" لفظ ٹوٹ کے اس کے منہ سے نکلے تھے۔ زندگی میں کبھی ایسی صورت حال پیش نہیں آئی تھی وہ نہیں جانتی تھی کہ اس صورت حال سے کیسے نمٹا جائے؟ اس کی آنکھوں میں تیزی سے پانی اکٹھا ہوا۔ اس وقت اس نے غیبی مدد کی طلب کی تھی۔ وہ ڈرتی ہوئی پیچھے ہٹتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ پیچھے ہٹتے وہ کسی کے ساتھ جا لگی۔ اپنے اردگرد مردانہ پرفیوم کی خوش بو محسوس کرتے ہوئے وہ مرنے والی ہوگئی۔ اس کا ہاتھ کسی کے گھٹنے سے ٹکرائے تھے۔ اسے یہی لگا تھا کہ اس گروپ کے کسی لڑکے نے اسے پیچھے سے اپنی گرفت میں لیا ہے۔ وہ گروپ اسے اکیلی سمجھ کر چھیڑ رہا تھا۔ اب خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا۔ اسے یہ سب سمجھنے میں دیر لگی۔ وہ اس کے ساتھ ابھی تک لگ کے ایسے کھڑی تھی جیسے دھوپ میں سائبان مل گیا ہو۔ دیپ نے پہلے اپنے گھٹنے پر رکھے ہوئے اس نرم و نازک ہاتھ کو دیکھا۔ پھر اس کے خوب صورت بالوں کی لمبی چٹیا کو۔
"آپ سامنے سے [illegible] کی [illegible] دنیا بدل گئی۔ اس نے آنسوؤں سے بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔ دیپ کو ایک لمحہ لگا تھا یہ جاننے میں کہ وہ ان جھیل سی آنکھوں میں ڈوب گیا ہے۔ دل ٹھہر جانے کا موسم آگیا تھا۔ دل نے شدت سے خواہش کی تھی کہ چپکے سے اس کا ہاتھ تھام لے اور کہے "اگر تم میرے ہو جاؤ تو دنیا بدل جائے۔" زندگی میں پہلی بار کسی نے محبت کی چھڑی سے اس کے دل کی جھاڑیوں پر بیٹھی جذبات کی تتلیوں کو اڑایا تھا۔ رنگ اچھالا تھا۔ سامنے کھڑا وجود کیا تھا؟ خوش بو' دھنک یا پھر چاندنی۔ اس کا آنچل پل بھر میں سرک گیا تھا اور وہ کلیوں کی طرح سمٹ گئی تھی۔
"وہ...... وہ میرا بیگ لے گئے ہیں۔" اس خوب صورت گنگناتی خاموشی کو شعشعہ کی آواز نے توڑا تھا۔ سارا طلسم ختم ہوا تھا۔ دیپ نے خود کو سارے تاثرات سے آزاد کیا تھا۔
"تم لڑکیوں کا پرابلم پتا ہے کیا ہے؟ ہمیشہ مرد پر انحصار کرتی ہو۔ کوئی کام مرد کی مدد کے بغیر تم سے نہیں ہوتا۔" دیپ کے سخت الفاظ نے منٹوں میں شعشعہ کی سوئی ہوئی انا کو جگایا تھا۔ اس نے آنکھیں گڑیں۔ وہ جو اسے اپنا محسن سمجھ کر اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔ اب تلملا کے رہ گئی تھی۔
"غلط فہمی ہے تمہاری' میں کسی سے مدد نہیں مانگتی۔" جتانے والے انداز میں کہہ کر وہ مڑی تھی۔ اس کے لہراتے آنچل سے دیپ کا دل بھی لپٹ گیا تھا۔ وہ گروپ تھوڑی دور گیا تھا شعشعہ نے چٹکی بجا کے شہادت کی انگلی سے اشارے کرکے سخت لہجے میں کہا۔
"میرا بیگ واپس کرو۔"
[illegible] کر دیا۔ وہ جو دیپ کو سخت سنانے کے لیے مڑی تھی اب اسے نہ پا کر حیران ہوئی تھی۔ شعشعہ کی نگاہیں مسلسل اسے تلاش کر رہی تھیں۔
شعشعہ علی' صنادید ملک اور شلوک خان تینوں اس وقت سے سہیلیاں تھیں' جب وہ پرائمری کی طالبہ تھیں۔ شعشعہ علی' علی حسین ریٹائرڈ فوجی کی اکلوتی اولاد تھی۔ شعشعہ کا تعلق مڈل کلاس فیملی سے تھا۔ صنادید ہائی کلاس سوسائٹی سے وابستہ تھی۔ اس کے والد کی بہت سی فیکٹریاں اور مل تھیں۔ وہ دو بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی۔ شلوک خان بھی کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ شلوک خان دو بہنیں تھیں۔ تینوں سہیلیوں میں کبھی اسٹیٹس کی بات نہیں آئی تھی تینوں ایک دوسرے پر جان چھڑکتی تھیں۔

"کہتے ہیں دوستی ایک درخت کی مانند ہے جسے ناپا نہیں جاسکتا کہ کتنی لمبی ہے۔ بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کی جڑیں کتنی مضبوط ہیں۔ ان تینوں کی دوستی کی جڑیں بھی بہت مضبوط تھیں۔"

"یار تجھے نہیں لگتا ہمارے گھر کو ایک عورت کی ضرورت ہے؟" رضا حمید صاحب نے پرانی بات نئے طریقے سے کی۔

"جی پاپا میں بھی سوچ رہا ہوں۔" دیپ نے چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا۔ رضا صاحب کی تو جیسے لاٹری نکل آئی۔

"شکر ہے دیپ اس موضوع پہ آیا تو سہی۔ پھر لڑکی دیکھ لی کوئی؟" رضا صاحب کی بے تابی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

"نہیں پاپا..... ابھی نہیں دیکھی لیکن میں نے اپنے ایک دوست سے اس سلسلے میں بات کی ہے۔" [illegible] کہا۔

"واہ یار تُو تو بہت فاسٹ نکلا مجھے بتایا بھی نہیں اور دوست کو لڑکی دیکھنے کا کہہ دیا۔" رضا صاحب کا بس نہیں چل رہا تھا کہ خوشی کے مارے بھنگڑے ڈالیں۔

"پاپا اب بتا تو رہا ہوں لیکن آخری فیصلہ تو آپ کو کرنا ہے۔" دیپ نے کہا رضا صاحب اتنی فرمانبرداری پہ خوش ہوگئے۔ "اگر آپ کو پسند آئی تو ٹھیک ہے ورنہ میں کوئی اور "کام کرنے والی" ڈھونڈ لوں گا۔" دیپ نے آخری سپ لیتے ہوئے کہا۔

"کیا.....؟ کیا کہا تو نے..... "کام کرنے والی؟" رضا صاحب نے ایسے منہ بنایا جیسے کچھ میٹھا کھاتے کھاتے اچانک کڑوی چیز منہ میں آ گئی ہو۔

"جی پاپا کام کرنے والی۔ وہ صبح صبح اتنا کام کرتے ہوئے مجھے یونیورسٹی سے دیر ہو جاتی ہے اس لیے۔" دیپ گھبرا گیا کہ شاید پاپا گھورا لگے۔

"میں کام کرنے والی کی نہیں "تیری بیوی" میری بہو کی بات کر رہا ہوں۔" رضا صاحب کو دیپ کی "کم عقلی" پر تاؤ آیا۔

"میری بیوی..... مطلب میری شادی؟" دیپ نے بہت سمجھداری سے سر ہلایا۔ تب دھیرے سے دل و دماغ کی اسکرین پر ایک چہرہ اپنی تمام تر دلکشی۔ رعنائی اور معصومیت سمیت جلوہ گر ہوا۔ اس کی جھیل آنکھیں..... لمبے بال..... لہراتا آنچل..... چاندنی سا حسن..... اس کے لب دھیرے سے مسکرائے۔ "اوہ! یہ کیا سوچ رہا ہوں۔" وہ بڑبڑایا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" رضا صاحب الرٹ [illegible] ہوئے۔

"میں..... میں سوچ رہا تھا مجھے دیر ہو رہی ہے اب یونیورسٹی جانا چاہیے۔" دیپ نے کہا۔

وہ دونوں اسے تلاش کرتے ہوئے ہلکان ہو رہی تھیں۔ جب وہ انہیں "مولا بخش آڈیٹوریم" میں بیٹھی نظر آئی۔

"تم یہاں بیٹھی ہو ہم کب سے تلاش کر رہے ہیں۔" شلوک نے ضنادید کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اس نے جلدی سے کانوں سے "ہیڈ فون" اُتارا۔

"تو یہاں کیوں بیٹھی ہے؟ کلاس اٹینڈ نہیں کررہی؟" شعشعہ نے دریافت کیا۔

"میں گانے سن رہی تھی کیونکہ میں بہت اُداس ہوں۔" ضنادید نے مسکین سی شکل بنائی۔

"کیا..... تو اُداس ہے؟ اُداسی میں لوگ "اب سیٹ سونگ" سنتے ہیں۔" شلوک نے نکتہ اعتراض اٹھایا۔

"کیا ہوا.....؟ اُداس کیوں ہے؟" شعشعہ نے شلوک کو گھورتے ہوئے ضنادید سے پوچھا۔

"یار کل نوی کی کال آئی تھی وہ بہت پریشان تھا۔ اس کی امی نے اس کا زبردستی نکاح کردیا۔" ضنادید نے دُکھی سے لہجے میں کہا۔

"ایسے زبردستی کیسے نکاح ہوسکتا ہے؟ اس میں نوی کی مرضی بھی شامل ہوگی کیونکہ مرد کمزور نہیں ہوتا۔" شلوک نے سنجیدگی سے کہا۔

"نہیں یار..... اس کی امی نے زہر کھا کے مرجانے کی دھمکی دی تھی۔ نوی کے ماموں "دل کے مریض" ہیں وہ بیمار رہتے ہیں اس لیے انہوں نے اپنی بیٹی کا نکاح نوی سے کردیا۔ نوی اس رشتے [illegible] وہ اپنی ماموں زاد کو پسند نہیں کرتا۔" ضنادید نے کہا۔

"وہ اپنی ماموں زاد کو پسند کیوں نہیں کرتا؟ کیا وہ خوب صورت نہیں؟ یا پڑھی لکھی نہیں؟" شلوک نے پوچھا۔

"وہ اپنی کزن کو پسند اس لیے نہیں کرتا کیونکہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ اس کی کزن کیا ہے؟ کون ہے؟ مجھے اس میں دلچسپی نہیں ہے اس لیے میں نے اس سے پوچھا بھی نہیں۔" ضنادید کے لہجے میں ہلکی سی آنچ تھی۔

"اب کیا ہوگا؟" شعشعہ نے سوال کیا۔

"ہونا کیا ہے؟ اب ضنادید کو چاہیے نوی کو بھول جائے۔" شلوک نے آسان حل بتایا۔

"بھول جاؤں؟ یہ نہیں ہوسکتا۔" ضنادید کے لہجے میں چٹانوں سی سختی در آئی۔ "میں اسے کیسے بھولوں؟ بھولنا تو اسے چاہیے جو ہمارے درمیان آئی ہے۔ میں نے نوی سے کہہ دیا ہے کہ اب یا تو میرا پیچھا چھوڑے یا پھر اس کو طلاق دے دے۔" ضنادید نے بم بلاسٹ کیا۔ شلوک اور شعشعہ دہل گئیں۔

"ضنادید جانتی ہے کیا کہہ رہی ہے تُو؟ طلاق حلال ضرور ہے مگر ناپسندیدہ عمل ہے۔" شعشعہ کو اپنی آواز اجنبی لگی۔

"ضنادید! تُو اتنی خود غرض کیسے ہوسکتی ہے ایک عورت ہوکر تو دوسری عورت کا گھر کیسے اُجاڑ سکتی ہے؟ دوسروں کے چراغ سے تُو اپنے گھر میں کیسے اُجالا کرسکتی ہے؟ تُو یہ سب کرنے کا حق نہیں رکھتی۔" شلوک تلخ ہوئی تھی۔ "تُو جانتی ہے اگر ایک عورت شادی شدہ مرد کے پیچھے پڑے تو اس عورت کو کیا کہتے ہیں؟ ہمارا معاشرہ اس عورت کو کس نگاہ سے دیکھتا ہے؟ [illegible] عورت کی معاشرے میں کیا عزت ہوتی ہے؟" شلوک و شعشعہ [illegible]

"میں کچھ نہیں جانتی مجھے بس نوی چاہیے۔" ضنادید طیش کے عالم میں کہتی یہ جا وہ جا۔ شعشعہ اور شلوک اسے دُکھ و تاسف سے دیکھتی رہ گئیں۔

"ہم اسے سمجھائیں گے۔" شعشعہ نے تسلی دی۔

وقت اپنی تیز رفتاری سے گزر رہا تھا اور پہلے سمسٹر کا وقت آ گیا تھا جب علی حسین کو ہلکا سا ہارٹ اٹیک ہوا۔ شعشعہ کی تو جان پر بن آئی۔ سرگودھا کے قابل ڈاکٹر کی زیرِ نگرانی ان کا علاج کیا گیا۔ شعشعہ اور اس کی والدہ بہت پریشان تھیں۔ علاج بہت مہنگا تھا اور پیسوں کی قلت تھی۔ مدد لینا ان کی خودداری پہ کاری ضرب تھی۔ ایک طرف بابا کا علاج دوسری طرف سمسٹر کی فیس جمع کروانے کی آخری تاریخ..... شلوک اور ضنادید نے بھرپور مدد کی تھی۔ لیکن وہ اپنی

فیس خود جمع کروانا چاہتی تھی۔

"اللہ اس مشکل وقت میں میری مدد کر۔ مجھے کوئی راستہ دکھا۔" وہ نوافل پڑھ کر دعا مانگ رہی تھی۔ جب اچانک اس کا دھیان اپنی اسناد کی طرف چلا گیا۔ اسے اندھیرے میں امید کی کرن نظر آئی۔

بابا کو اسپتال سے ڈسچارج کردیا گیا تھا۔ لیکن ان کا علاج جاری تھا۔ اس نے گھر آکر اپنی اسناد دیکھیں تب ایک سند اس کے ہاتھ لگی۔ یہ سند تھی "فوجی فاؤنڈیشن ووکیشنل ٹریننگ سینٹر کی" "FFVTC" جہاں شعشعہ نے 2 سال پہلے نو ماہ کا کورس کیا تھا۔ سرگودھا کا ایک معروف فلاحی ادارہ۔ اس ادارے میں فوجی کی بیوی بیٹی اور بیواؤں کو سلائی کنائی ڈرافٹنگ کے علاوہ کڑھائی اور بڑے فریم کے کام کے علاوہ کروشیا ورک بھی سکھایا جاتا ہے اور فوجی کی بچیوں بیواؤں اور بیٹیوں کو ہر ماہ 500 روپے وظیفہ دیا جاتا [illegible] شعشعہ نے طے کیا [illegible] صبح کے وقت [illegible] سلائی کرے گی اور فیس کے لیے پیسے جمع کرے گی لیکن اس کی دن رات کی محنت کے باوجود بھی اتنے پیسے اکٹھے نہیں ہوپائے کہ وہ اپنی فیس جمع کرواسکے۔ اللہ تو ہمیشہ میری مدد کرتا ہے مجھے تنہا کبھی نہیں چھوڑتا۔ آج بھی مجھے اس مشکل سے نکلنے کا راستہ دکھا۔ وہ نوٹس کھولے پڑھنے کی بجائے سوچوں میں گم تھی۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ ایگزام نہیں دے سکے گی۔ "نہیں میں ایگزام ضرور دوں گی۔ شلوک اور صنادیہ سے رقم ادھار لے لوں گی۔ پھر واپس کردوں گی۔"

نہیں..... "ادھار محبت کی قینچی ہوتی ہے۔" وہ سوچوں میں بری طرح الجھی تھی ان سوچوں میں اسے "دستک" سنائی دی۔ وہ ہڑبڑا گئی جلدی سے دوپٹہ ٹھیک کیا اور دروازہ کھولا۔

"آپی یہ آپ کے لیے کوئی دے کر گیا ہے۔" 8 سالہ بچے نے سفید لفافہ شعشعہ کو تھمایا تھا۔

"کون دے کر گیا ہے؟" شعشعہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"وہ ایک خوب صورت سے انکل دے کر گئے ہیں۔ میں نے ان کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ کہہ رہے تھے مس شعشعہ کو یہ لفافہ دے دینا۔" 8 سالہ بچے نے بڑی سمجھداری سے کہا۔

"شکریہ....." شعشعہ نے بچے کے گال پر پیار کیا۔ دروازہ بند کرکے وہ مڑی اس نے غور سے دیکھا۔ سفید لفافہ تھا جس پر لکھا تھا "سرپرائز" اس نے لفافہ کھولا۔ تو اس میں سے چند نوٹ برآمد ہوئے۔ ساتھ میں ایک کاغذ بھی۔ جس پر بہت خوب صورت اور صاف رائٹنگ میں لکھا تھا۔

"پریشانیاں پرندوں کی مانند ہوتی ہیں [illegible] انہیں [illegible] بنانے کی اجازت نہ دیں..... آپ کا دوست..... میرا دوست..... مطلب صنادیہ اور شلوک نہیں تو پھر کون؟" وہ الجھی تھی۔ "نوماش" اس کے لب دھیرے سے ہلے تھے۔ لیکن انہیں کیسے پتا چلا.....؟

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ہماری تنہائیوں اور اداسیوں میں ہماری مسکراہٹ بن جاتے ہیں۔ کوئی تو تھا جو ان اداس لمحوں میں اس کی مسکراہٹ بن گیا۔ اس نے وہ لفافہ اپنے بابا جان کو دکھایا۔ انہیں نوماش کا اس طرح سے مدد کرنے پر بہت خوشی ہوئی۔

"تم فون کرکے اسے شکریہ ضرور بولنا۔" بابا نے مشورہ دیا۔

"السلام علیکم!" جیسے ہی نوماش نے کال ریسیو کی شعشعہ نے جھٹ سلامتی بھیجی۔



"تم نے اس وقت کال کیوں کی خیریت ہے۔" بے زار سے لہجے میں پوچھا گیا۔ اس انداز پر شعشعہ بجھ گئی تھی مگر ہمت نہیں ہاری۔

"میں نے آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے کال کی۔" شعشعہ نے آہستہ آواز میں کہا۔

"شکریہ کس بات کا؟" حیرانی سے دریافت کیا گیا۔

"وہ آپ نے جو روپے بھجوائے اس کے لیے۔" شعشعہ نے جلدی سے کہا۔

"میں نے کون سے پیسے بھجوائے؟ تمہیں پیسے چاہئیں؟ مجھے الہام نہیں ہوتے کہ تمہیں پیسوں کی ضرورت ہے۔ ویسے طریقہ اچھا ہے پیسے مانگنے کا۔" آگ برساتا نوماش، شعشعہ کو بہت اجنبی لگا۔ وہ جانے کیا کیا کہہ رہا تھا مگر شعشعہ کا دماغ ایک جملے پر اٹک گیا۔ "میں نے کون سے پیسے بھجوائے؟"

❁

"[illegible] مجھے معلوم ہے نا ایک تو بابا [illegible] اجازت نہیں دیں گے دوسرا مجھ میں اتنا اعتماد نہیں ہے کہ میں پوری یونیورسٹی کے سامنے گا سکوں۔" شلوک کی فرمائش پر وہ کوفت کا شکار ہوئی۔

"دیکھو شعشعہ انکل جی سے میں خود بات کرلوں گی اور تو کیوں نہیں گا سکتی؟ تیری آواز بہت خوب صورت ہے پھر ہم دونوں ہیں نا تجھے سپورٹ کرنے کے لیے۔" صنادیہ نے کہا۔ ان دونوں کے آگے اس کی ایک نہ چلی۔ یونیورسٹی میں ہونے والے "اسپورٹس گالا" کی اوپننگ سرمنی میں گانے کا مقابلہ تھا۔ صنادیہ اور شلوک چاہتی تھیں کہ شعشعہ دیپ کے مقابلے میں آئے۔ اب نتیجتاً وہ دیپ اور دوسری مخصوص ٹیم کے سامنے تھی۔ دیپ کو دیکھ کر اس کے چھکے چھوٹ گئے۔ "یہ تو وہی ہے۔" شعشعہ بڑبڑائی۔

"کون وہی ہے؟" صنادیہ نے پوچھا۔

"یہ دیپ وہی ہے جس نے اس دن میری مدد کی تھی۔" شعشعہ نے کہا۔

"اچھا....." شلوک کو خوش گوار حیرت ہوئی۔

"دیپ اس بار ہماری کیلی آپ سے مقابلہ کرے گی۔" شلوک نے اپنے کلاس فیلو دیپ کو بہت فری انداز میں کہا۔

"اوہ..... یہ آپ کی کیلی ہیں۔" دیپ دھیرے سے مسکرایا۔ "کیا نام ہے آپ کا؟" دیپ شعشعہ کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ نروس سی ہونٹ چبا رہی تھی۔

"شعشعہ علی....." شلوک نے شعشعہ کو کہنی مارتے ہوئے کہا۔

"موسیقی میں دلچسپی ہے آپ کو؟ ذرا گا کے سنائیں گی؟" دیپ نے پھر کہا۔

"ہاں اسے موسیقی میں بہت دلچسپی ہے اس کی آواز [illegible]" صنادیہ نے جلدی سے کہا۔ شعشعہ نے تو چپ کا روزہ رکھا ہوا تھا۔

"موسیقی کے بارے میں کیا جانتی ہیں آپ؟" اس کی مسلسل خاموشی نے دیپ کو غصہ دلا دیا تھا۔

"شعشعہ بول۔" شلوک نے جیسے منت کی تھی۔

"کیا آپ ہمیشہ دوسروں پر انحصار کرتی ہیں اپنے فیصلے خود سے نہیں کرسکتیں۔" دیپ نے سخت لہجے میں کہا۔ "یا آپ کو خود پر بھروسہ نہیں ہے کہ آپ جو کہنے جارہی ہیں یا کرنے جارہی ہیں وہ ٹھیک ہوگا۔" صنادیہ اور شلوک ہکا بکا رہ گئیں۔

"آپ کو موسیقی کے بارے میں کیا جاننا ہے؟" شعشعہ نے ہمت کرکے ایسے کہا جیسے وہ موسیقی کی ٹیچر ہو۔

"موسیقی دو الفاظ کا مرکب ہے۔ "موسا" اور

''قی'' یہ یونانی لفظ ہیں۔ جن کے معنی ''ہوا میں گرہ'' لگانے کے ہیں۔ دراصل یونانی میں اسے Uoulku کہتے ہیں۔ موسیقی دراصل الفاظ کے معنی اور لے کی ترتیب میں ادائیگی سے مختلف جذبات کی شدت یا کمی کے اظہار کی شکل ہے۔ موسیقی صرف سُروں اور آواز کا تناسب نہیں بلکہ اپنے ساتھ تال اور لے بھی رکھتی ہے۔ جس وقت سُروں کو خاص آہنگ میں ترتیب دے کر تال اور لے کے ساتھ گلے سے ادا کیا جاتا ہے تو موسیقی کی دیوی فضاؤں میں نغمے بکھیرنے لگتی ہے۔ موسیقی انسانی فطرت کی تخلیق کے ساتھ ازل سے کچھ ایسی رچی بسی چلی آرہی ہے کہ کہیں بھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑتی کیونکہ موسیقی روح کی غذا مانی جاتی ہے۔'' شعشعہ دیپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسلسل بولتی رہی۔

''اس وقت موسیقی کے تین بڑے حلقے ہیں (۱) مغربی موسیقی (۲) عربی اور ایرانی موسیقی (۳) ہندی موسیقی۔''

دیپ محظوظ [illegible] انداز میں اسے دیکھتا رہا۔ ''یہ بھی بتادیں کہ موسیقی کی بنیاد کتنے سُروں پر ہے؟ اور ان سُروں کو کتنے حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے؟'' دیپ کا مقصد اس کا علم جانچنا نہیں تھا بس وہ اسے بولتے ہوئے سننا چاہتا تھا۔ صنادید اور شلوک سکتے کی کیفیت میں اپنی ''کم گو'' سہیلی کو دیکھ رہی تھیں۔

''موسیقی کی بنیاد سات سُروں پر ہے۔ سا۔ رے۔ گا۔ ما۔ پا۔ دھا۔ نی۔ ان سات سُروں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک کو ''اترا'' اور دوسرے کو ''چڑھا'' کہتے ہیں۔ اُترے اور چڑھے کے دو حصے ہیں۔ کومل اور تیور۔''

دیپ بہت غور سے اس کے ہلتے لب دیکھتا رہا۔ شلوک اور صنادید شعشعہ کے اعتماد پر خوشی سے اُچھل پڑی تھیں۔

''دیپ! اس بار آپ نہیں جیت سکتے۔'' شلوک نے شوخی سے کہا۔

''اچھا...... آپ کو کیسے معلوم؟'' دیپ محظوظ ہوا تھا اس قیاس آرائی پر۔

''میرے ساتھ شرط لگالیں۔ شرط یہ ہے کہ اس بار شعشعہ جیت جائے گی تو میں شرط جیت جاؤں گی اگر آپ جیت جائیں تو میں ہار جاؤں گی۔ اگر میں شرط جیت گئی تو آپ وہ کریں گے جو میں کہوں گی۔ اگر آپ جیتے تو آپ جو کہو گے میں کروں گی۔ بولیے منظور ہے۔'' شلوک نے شوخ سے انداز میں کہہ کر اپنا ہاتھ دیپ کے سامنے پھیلایا تھا۔

''منظور ہے......'' دیپ اس کا ہاتھ دیکھ کر دھیمے سے مسکرایا تھا۔ شلوک نے شرمندہ ہو کر اپنی مٹھی بھینچ لی تھی۔

''اسپورٹس گالا'' کا دن آن پہنچا تھا۔ یونیورسٹی [illegible] تیار [illegible] رنگ [illegible] جلوے تھے [illegible] نہیں رنگ برنگے آنچل [illegible] مہکتے وجود...... دل فریب خوش بو...... رنگ و خوش بو میں ڈوبا ''کرکٹ گراؤنڈ'' دیکھنے والوں کی توجہ کا خاص مرکز تھا۔ تقریب کا آغاز ڈھول بجا کر کیا گیا۔ ڈھول اتنا زبردست بجا تھا کہ پاؤں خود بخود تھرکنے لگیں۔ کچھ منچلے بھنگڑا ڈالنے لگے۔ پھر رنگ برنگے غبارے فضا میں چھوڑے گئے۔ تقریب کے آغاز میں وائس چانسلر نے خطاب کیا اور کرکٹ کھیل کر اسپورٹ گالا کا افتتاح کیا۔ دیپ اور شعشعہ کی باری آچکی تھی۔ دونوں اسٹیج پر موجود تھے ایک دوسرے کے آمنے سامنے...... شعشعہ بلیک امبریلا فراک اور تھیلا کٹ پاجامے میں ملبوس شانوں پر بڑا دوپٹہ پھیلائے اپنے بالوں کو چوٹی کی صورت میں



باندھے، ہلکی پھلکی جیولری کے ساتھ بغیر میک اپ کیے بہت معصوم اور دل کش لگ رہی تھی۔ دیپ بلیک پینٹ پر لائٹ پرپل شرٹ پہنے اور خوب صورت بالوں اور دل کش انداز کے ساتھ بہت نکھرا نکھرا لگ رہا تھا۔

''شعشعہ یار! بیسٹ آف لک' گھبرانا نہیں۔'' شلوک نے شعشعہ کا ہاتھ تھام کر نرمی سے دبایا۔

''شعشعہ آج تیرے لیے ایک زبردست ''سرپرائز'' ہے۔'' صنادید نے چہک کر کہا۔ شعشعہ لفظ ''سرپرائز'' پر چونک گئی۔

''پہلی بار دل یوں بے قرار ہوا ہے
ایسا لگ رہا ہے جیسے پیار ہوا ہے
جیسے پیار ہوا ہے''

دیپ کی آواز گونجی تھی آواز کیا تھی۔ جادو تھا کوئی سحر...... جو سب کو اپنے حصار میں لے لے۔

''دل پہ میرے تیرا اختیار ہوا ہے
ایسا لگ رہا ہے جیسے پیار ہوا ہے
جیسے پیار ہوا ہے''

شعشعہ گا رہی تھی اور دیپ اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا اسے کیا سوچنا چاہیے وہ صرف اور صرف اسے دیکھتا رہا تھا۔ دونوں کے سُر خوب جم رہے تھے۔

''بولتی نظر کی بے خودی نے لوٹا...... یار مجھ کو تیری سادگی نے لوٹا'' دیپ گا رہا تھا اور شعشعہ کو ایک لمحے میں ادراک ہوا۔ دیپ کی آواز آواز نہیں بلکہ آواز کا دریا ہے' جس کی تلاطم خیز موجوں سے بچنا مشکل ہی نہیں۔ بلکہ ناممکن ہے اسے ایک پل میں علم ہوا تھا کہ دیپ جس زمین پر کھڑا ہے اس زمین پر اس کی گرفت بہت مضبوط ہے۔

''درد لگ رہا ہے مجھ کو اب سہانا

آج میں نے جانا کیا ہے دل کا لگانا''

شعشعہ کو اپنی شکست واضح' شفاف دکھائی دے رہی تھی اور یہ شکست کا احساس تھا کہ اس کی آواز ہلکی سی کپکپائی تھی تب دیپ بھرپور انداز میں اس کی جانب متوجہ ہوا۔ یہ وہی تھی جسے ساری دنیا بھول کر وہ چاہنے لگا تھا۔ جسے پانے کے لیے وہ لاکھوں دعائیں مانگ چکا تھا۔ جس کے ساتھ وہ ہر لمحہ تنہائی میں سایہ بن کر رہنا چاہتا تھا۔ اس کی محبت کی گہرائی میں ڈوبنا چاہتا تھا۔ پھر کیسے وہ اسے ہارتا دیکھ سکتا تھا؟ جن سے محبت کی جائے ان سے مقابلہ نہیں کیا جاتا......

سارے جہانوں کے...... سارے پھولوں کو......
خوش بوؤں کو...... ستاروں کو...... نظاروں کو......
سارے خوب صورت منظروں کو اکٹھا کرکے دیکھیں
تو تیری تصویر بنتی ہے......

شعشعہ اپنے بول کے بعد خاموش ہوگئی تھی۔ مگر دیپ کھویا ہوا تھا...... خاموش۔ بالکل گم صم...... [illegible] دیپ کی طرف متوجہ ہوگئی تھیں [illegible]

''میں اپنے بول بھول گیا ہوں...... میں زندگی میں پہلی بار کسی لڑکی سے ہارا ہوں۔'' وہ دھیرے سے شعشعہ کے پاس آیا اور دھیرے سے مدھر سرگوشی کی۔ شعشعہ اپنی جیت پر حیران تھی۔ شعشعہ کو لڑکیوں نے گھیر لیا تھا۔ صنادید جانے کدھر غائب تھی۔

''دیپ میں جیت گئی۔'' شلوک نے کہا۔

''ہوں! آپ جیت گئیں' بتایئے مجھے کیا کرنا ہے؟'' دیپ نے مسکرا کر ایسے کہا جیسے وہ اپنی ہار میں بہت خوش اور مطمئن ہو۔

''پہلے تو اچھا سا آٹوگراف دیں پھر ایک سوال پوچھوں گی اس کا سچ سچ جواب دینا ہے بس۔'' شلوک نے ڈائری اس کے سامنے کی۔ اس نے تھامی اور نظم

لکھی۔

"تتلیوں کے رنگوں میں
خوشبوؤں سے پھولوں کی
دل کے کورے کاغذ پر
چاہتوں کی خواہش میں
اک پیام لکھا ہے
تیرا "نام" لکھا ہے

دیپ رضا۔ اب پوچھیں کیا سوال ہے؟" اس نے ڈائری واپس کرتے ہوئے کہا۔

"سچ بولے گا، جھوٹ سے پرہیز کرنا پڑے گا۔" شلوک مسکرائی اس وقت اس کا اپنا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔

"کیا آپ کی زندگی میں کوئی لڑکی ہے؟"

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ اس سے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ یہ سوال پوچھے گی۔ شلوک تھوڑی سی نروس ہوئی۔

"ہاں میں ہوں شعشعہ۔" دیپ کو شعشعہ کی آواز سنائی دی وہ اس سے چند قدموں کے فاصلے پر کھڑی تھی۔

وہ حیرت کی انتہا پر تھا۔ اسے لگا وہ جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھنے لگا ہے۔ لیکن شعشعہ کو کیسے معلوم کہ دیپ رضا محبت کی بازی میں اپنا دل ہارا ہے؟ اسے کیسے پتا کہ وہ اسے اپنے آس پاس دیکھنا چاہتا ہے؟ اسے کیوں پتا کہ وہ دیپ کی دھڑکن بن چکی ہے؟ کیسے...... یہ تو وہ راز تھا جسے اس نے خود سے بھی چھپایا تھا۔

شعشعہ دھیرے سے آگے بڑھی اور خوشبوؤں سے مہکتا وجود اس کے پاس سے گزر کر آگے بڑھ گیا۔ دیپ نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"جی میں ہوں شعشعہ آپ میرے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔" دیپ سے چند قدموں کے فاصلے پر لڑکیوں کا ایک گروپ کھڑا تھا۔ وہ شعشعہ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ شعشعہ نے ان سے کہا تھا۔

"ہاں میں ہوں شعشعہ۔"

دیپ کے لبوں پر شوخ تبسم کا ہلکا سا خمار چھایا تھا۔ "ہاں ہے کوئی لڑکی" ننگے پاؤں تتلیوں کے پیچھے بھاگتی لڑکی۔ آسمان پر شرارتی بادلوں کو دیکھتی لڑکی۔ آنچل میں جگنوؤں کو چھپاتی لڑکی۔ اس کی آنکھیں جھیل ہیں، حیا ہیں، شاعری کا موضوع ہیں۔ پگلی ہیں...... اس کے ہونٹ...... پھول ہیں...... امرت ہیں...... اس کے گال چھلکتی چاندنی...... اس کا چہرہ چودھویں کا چاند...... اس کی زلفیں پھیل جائیں تو شام کی کالی گھٹا بن جاتی ہیں، جسم سنگ مرمر سا...... چال کبھی مورنی تو کبھی ہرنی جیسی...... آواز کوئل سی...... دیپ آنکھیں بند کیے اس کے تصور میں ڈوبا تھا۔

[illegible]...... وہ...... شلوک کی خاموشی سے [illegible] کر کے اس سے پوچھا۔

دیپ نے آنکھیں کھولیں لمبا سا سانس لیا۔ پھر دھیرے سے اپنا رخ شعشعہ کی طرف موڑ دیا۔ وہ اس کا نام نہیں لے پایا جیسے بے ادبی ہو جائے گی۔

"کچھ سوال ایسے ہوتے ہیں جن کا جواب خاموشی ہوتا ہے کیونکہ وہ سوال خود جواب ہوتے ہیں۔ بلکہ اپنے خوابوں سے بھی زیادہ جامع زیادہ مکمل اور زیادہ بلیغ ہوتے ہیں۔" شلوک کو جواب مل گیا تھا چھناکے سے کچھ ٹوٹا تھا۔ شاید اس کا دل...... یا پھر اس کے سپنے...... درد کی شدید لہر اس کے پہلو میں اٹھی تھی۔ یہ کیا اس کے من مندر کا دیوتا کسی اور کو پوجنے کی بات کر رہا تھا۔ یہ حسد نہیں تھا بلکہ احساس شکست تھا۔"



پھر کتنی دیر وہ دونوں باتیں کرتے رہے اس کی باتوں میں...... اس کی مسکراہٹ میں...... اس کی شرارتوں میں شلوک "کہیں" بھی نہیں تھی۔

"اے تُو اتنی دیر سے دیپ سے کیا باتیں کر رہی تھی؟ اس ڈائری میں کیا لکھا اس نے؟" شعشعہ شاید انہیں دیکھ چکی تھی تبھی دیپ کے جانے کے بعد وہ شلوک کے پاس چلی آئی۔ شلوک کیا بتاتی کہ وہ کیا باتیں کر رہے تھے۔

"تُو نے شرط جیتنے کے بعد اسے کیا کرنے کو کہا؟" شعشعہ کے سوال پر شلوک تڑپ گئی تھی۔

"کاش میں نے اسے جو کرنے کو کہا وہ نہ کہا ہوتا تو آج اتنی تکلیف نہیں ہوتی۔"

"تُو خاموش کیوں ہے؟ بول نا۔" شعشعہ نے شلوک کے ہاتھ سے ڈائری لی۔

"شلوک کہیں تو نے دیپ سے اظہار محبت تو نہیں کر دیا۔" شعشعہ کو شلوک کی خاموشی سے [illegible] 440 وولٹ کا جھٹکا لگا۔

"تجھے کس نے کہا مجھے دیپ سے محبت ہے۔" شلوک پوچھے بنا نہیں رہ سکی۔

"محبت میں عورت کی زبان نہیں آنکھیں بولتی ہیں، تجھے کیا لگتا ہے مجھے اور صنادید کو تیرے ساتھ رہتے یہ خبر نہیں ہوگی کہ دیپ کا نام آتے ہی کس طرح تیری آنکھوں میں جگنو چمکنے لگتے ہیں۔ اس کا نام آتے ہی کس طرح تیرے چہرے پر شوخ محبت کے رنگ بکھرتے ہیں۔" شعشعہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سب کو معلوم ہے بس "اسے" خبر نہیں۔" شلوک نے رنجیدگی سے سوچا۔

"محبت پھول کی طرح ہوتی ہے جتنا مرضی قید رکھو پھر بھی اس کی خوشبو فضاؤں میں بکھر کر رقص کرتی ہے۔"

"بتا نا دیپ نے کیا کہا؟" شعشعہ نے بے تابی سے پوچھا۔

"وہ سب کچھ جو اسے نہیں کہنا چاہیے تھا بس وہ نہیں کہا جو اسے کہنا چاہیے تھے۔" شلوک کھوئے کھوئے سے انداز میں بولی۔

"کیا ہوا......؟ کیا کہہ رہی ہے شلوک؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔" شعشعہ کو سارے عرصے میں پہلی بار تشویش ہوئی۔

"پھر بتاؤں گی کیا کہا؟ ابھی بہت تھک گئی ہوں گھر جا رہی ہوں، خدا حافظ۔" شلوک شعشعہ پر کچھ بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی اسی لیے بہانہ بنا کر چلی گئی۔ شعشعہ نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ پھر خیال آنے پر اس کی ڈائری کھول لی۔

ساری ڈائری خالی تھی صرف ایک صفحے پر شاعری لکھی تھی نیچے "دیپ رضا" کا نام [illegible] یہ صاف [illegible] چکی ہے یہ صرف شک تھا اسے یقین میں بدلنے کے لیے دیپ سے ملنا ضروری تھا...... اس نے پوری یونیورسٹی چھان ماری مگر وہ تو گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب تھا۔ وہ مایوس ہو کر لوٹنے لگی تھی تب اس کی نگاہ مین گیٹ کی طرف جاتے دیپ پر پڑی۔

"دیپ! رکیے مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" شعشعہ اسے آوازیں دیتی اس کے پیچھے بھاگی تھی۔ آواز پر وہ صرف رکا ہی نہیں بلکہ واپس مڑا تھا۔

"وہ...... وہ...... میں" شعشعہ آواز تو دے بیٹھی مگر اب پزل ہو گئی۔ دیپ کو لگا شلوک نے شعشعہ کو سب بتا دیا اور شعشعہ اسی سلسلے میں بات کرنا چاہتی ہے۔ اگر شعشعہ نے مجھے ریجیکٹ کر دیا تو؟ وہ سوچ رہا تھا۔

"آپ کو مجھ سے کچھ کہنا ہے؟" دیپ نے پوچھا۔ شعشعہ پوچھنا چاہتی تھی مگر اس ڈر سے خاموش رہی کہ اگر اس کا شک صرف شک ہوا تو سامنے کھڑا شخص اس کا مذاق اڑانے میں ایک سیکنڈ بھی نہیں لگائے گا۔

"نہیں......" اس نے سر جھکا کر نفی میں سر ہلایا۔

وہ جانے کے لیے مڑا تب شعشعہ نے پھر پکارا مگر اس بار وہ رکا نہیں۔ "اگر میں پوچھوں گی نہیں تو کیسے پتا چلے گا کہ میری مدد کس نے کی تھی۔" شعشعہ نے خود کو سمجھایا پھر تیز تیز قدم اٹھاتی دیپ کے پاس پہنچی۔ اس کا بازو تھام کر اسے روک لیا۔ اس کا بازو تھامنا لاشعوری غیر ارادی حرکت تھی۔

"مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے؟" شعشعہ بولی۔

دیپ کا دل چاہا کہ وہ کہہ دے۔

"مجھے آپ سے کہنا ہے کہ مجھے آپ سے محبت ہے۔ مجھے آپ کا ساتھ...... آپ کا...... صرف آپ کا ہاتھ چاہیے۔ اس [illegible] شدت سے آرزو کی ہے [illegible] ہی تم جائیں۔ یہ پل یہیں قید ہو جائیں۔"

"کیا بات ہے بیٹا؟" وہ دونوں کھوئے ہوئے تھے بھاری آواز پر ہڑبڑا گئے۔ سیاہ لباس میں ملبوس، کندھے پر بندوق لٹکائے، بڑی بڑی مونچھوں والے "سیکورٹی گارڈ" دونوں کو مشکوک انداز میں دیکھ رہے تھے۔

"یہ مجھ سے بات نہیں کررہے۔" شعشعہ بوکھلاہٹ میں کیا کہہ گئی اسے خود اندازہ نہیں تھا۔

"وہ بات نہیں کررہا تو اس کی مرضی، آپ کیوں اس کے پیچھے پڑی ہیں؟" سیکورٹی گارڈ تفتیش کے موڈ میں تھے۔

"دیکھیے انکل، یہ میری مسز ہیں، ہماری ناراضگی چل رہی تھی یہ مجھے منانے کی کوشش کررہی ہیں۔" دیپ نے انکل کے تفتیشی پروگرام سے بچنے کے لیے نفاست سے جھوٹ بولا۔ شعشعہ تو اس سفید جھوٹ پر سکتے میں آگئی۔

"اوہ...... اچھا یہ بات ہے۔" سیکورٹی گارڈ انکل شوخی سے مسکرائے۔

"چلو...... بیگم......" دیپ شعشعہ کا ہاتھ تھام کر انکل کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

"سوری...... اگر جھوٹ نہ بولتا تو انکل طرح طرح کے سوال کرکے پریشان کرتے۔" دیپ نے شرمندہ ہو کر وضاحت دی۔

"کوئی بات نہیں......" شعشعہ دیپ کی شرمندگی دور کرنے کی خاطر بولی۔ یہ جانے بغیر کہ انکل کے علاوہ بھی دو آنکھوں نے انہیں ہاتھ تھامے ساتھ ساتھ چلتے دیکھا ہے۔ وہ بلاوجہ گھومتے پھرتے "پھولوں والی گلی" پہنچ گیا۔ پھولوں والی گلی مرکز کا وہ بازار جہاں فضا گلاب اور موتیے کے پھولوں کی خوشبو سے معطر رہتی ہے۔ جگہ جگہ پھولوں کے اسٹال ہیں۔ اس بازار میں شادی کی تقریب کا سارا سامان باآسانی مل سکتا ہے۔ وہ ایک اسٹال پر رکا اور گلاب اور موتیے سے بنا خوب صورت گجرا اٹھانے لگا جب اسی گجرے کی طرف ایک اور ہاتھ بڑھا تھا مگر دیپ اس گجرے کو اٹھا چکا تھا۔

"آپ...... آپ تو وہی ہیں۔ جو اس دن "شاپنگ مال" میں مجھے ملے تھے۔" اس نوجوان نے دیپ سے کہا جو گجرا اٹھانے لگا تھا۔

"جی مجھے یاد آ گیا، شرٹ اس دن مجھے پسند آئی تھی مگر شاید میری قسمت میں نہیں تھی۔ آپ کو یہ گجرا چاہیے ہو سکتا ہے اس گجرے کی خوشبو میرے لیے نہ ہو۔" دیپ نے مسکراتے ہوئے کہا۔



"نہیں یہ گجرا اور اس کی خوشبو صرف آپ کے لیے ہے کیونکہ مجھ سے پہلے آپ اس تک پہنچے ہیں۔" وہ نوجوان سوچ رہا تھا کہ اسے شاپنگ مال کے علاوہ بھی کہیں دیکھا ہے مگر اسے یاد نہیں آرہا تھا کہاں؟

"میں اس گجرے کا کروں گا کیا؟" دیپ نے مسکراتے ہوئے سوچا۔

"تم لوگ بہت اسٹوپڈ ہو۔ میں نے کل کہا تھا تم لوگوں کے لیے "سرپرائز" ہے مگر تم دونوں معلوم نہیں کہاں چلی گئی تھیں؟" صنادید دونوں پر بھڑک رہی تھی۔ یونیورسٹی میں "اسپورٹس گالا" ایک ہفتے تک جاری رہنا تھا جس کی وجہ سے کلاس آف تھیں وہ تینوں "امن سینا بلاک" میں سرگشت کررہی تھیں۔ شلوک کو دیپ کی باتیں اور شعشعہ کو اس کی "حرکت" یاد آ گئی۔

"[illegible] سوری کیا تھا سرپرائز؟" شعشعہ نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"کل نومی آیا تھا یہاں یونیورسٹی میں۔ تم لوگوں سے ملوانا تھا اسے۔ مگر تم لوگ غائب ہو گئی تھیں۔ معلوم ہے کتنی مشکل سے اسے یونیورسٹی میں "انٹری" ملی۔ اس کے پاس یونیورسٹی کارڈ نہیں تھا۔ سیکورٹی گارڈ اسے اندر نہیں آنے دے رہے تھے۔ ویسے شعشعہ میں نے تمہیں اور دیپ کو دیکھا تھا۔ میں نے نومی سے کہا آؤ مل لیتے ہیں مگر اس نے کہا تم لوگوں کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں ہے۔" صنادید حسب عادت اسٹارٹ لے چکی تھی۔

"اچھا بتاؤ نومی کیا کرتا ہے؟ کتنے بہن بھائی ہیں؟ اس کی تعلیم کتنی ہے؟" شلوک نے معذرت کرنے کا نیا طریقہ سوچا تھا۔

"نومی اکلوتا ہے۔ اس نے ایم ایس سی فزکس کیا ہے بھی یونیورسٹی سے۔ آج کل جاب کی تلاش میں ہے۔ ویسے اس کے ڈیڈ کی بہت زمینیں ہیں۔" صنادید نے جوش سے کہا اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔ "اب سن لو شعشعہ اور شلوک میں تم دونوں کو اس سنڈے کو نومی سے ملواؤں گی اور ہم لوگ P-C ہوٹل میں اکٹھے لنچ کریں گے۔ میں اور نومی ساتھ جائیں گے تم دونوں کو میرا ڈرائیور پک کرے گا۔ میں نومی کو "سرپرائز" دوں گی۔" صنادید نے خود ہی پروگرام سیٹ کیا۔

"ہاں میں انکل جی سے اجازت لے لوں گی شعشعہ۔"

"صنادید اگر میں نوماش کو بھی ساتھ لاؤں تو؟" شعشعہ کے دماغ میں جانے کیا آئی تھی اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"واؤ...... آئیڈیا میرے دماغ میں کیوں نہیں آیا [illegible] نوماش کو بھی ساتھ لے [illegible]" صنادید نے خوشی سے کہا۔

"السلام علیکم!" کال ریسیو ہوتے ہی اس نے سلام کیا۔

"جی فرمائیے۔" ہمیشہ کی طرح بیزار لہجہ۔

"وہ...... وہ نوماش۔ کیا آپ اس سنڈے کو میرے ساتھ چل سکتے ہیں؟" شعشعہ نے جلدی سے کہا۔

"نہیں، سوری، میں اس سنڈے اپنے دوستوں کے ساتھ لنچ کے لیے جا رہا ہوں۔ تمہیں جہاں جانا ہے خود جاؤ۔" کہہ کر نوماش نے کال ڈراپ کردی۔

وہ P-C ہوٹل پہنچ چکی تھیں۔ صنادید نے انہیں ریسیو کیا اور اپنی ٹیبل تک لے آئی۔

"شعشعہ، شلوک ان سے ملو یہ ہیں نومی۔ نومی یہ

میری بیسٹ فرینڈ ہیں۔ صنادید نے تعارف کی رسم نبھائی۔'' سامنے کھڑے نوی کو دیکھ کر شعشعہ کو سر پر آسمان گرا تو زمین پیروں سے کھسک گئی۔

''سوری! اس سنڈے دوستوں کے ساتھ لنچ کے لیے جا رہا ہوں۔'' شعشعہ کے قریب کہیں آواز اُبھری تھی۔

''نوی نے ایم ایس سی فزکس کیا ہے۔ اس کی امی نے زہر کھا کے مر جانے کی دھمکی دی تھی۔ وہ اپنی ماموں زاد کو پسند نہیں کرتا۔ میں نے نوی سے کہہ دیا ہے کہ یا میرا پیچھا چھوڑ دے یا اسے طلاق دے دے۔ وہ اپنی کزن کو پسند اس لیے نہیں کرتا کیوں کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔'' آوازیں تھیں کہ بڑھتی جا رہی تھیں۔ شعشعہ نے اپنے ہاتھوں کی مٹھیوں کو سختی سے بھینچ کر خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ شلوک کی زبان تالو سے چپک گئی۔ صنادید بہت کچھ کہہ رہی تھی مگر وہ تینوں اپنی اپنی جگہ بت بنے کھڑے رہے۔

''شعشعہ تیرے ساتھ نوماش نہیں آیا؟'' [illegible] کو صنادید کی وہی بات سنائی دی۔

''نہیں! اسے اپنے دوستوں کے ساتھ لنچ کے لیے جانا تھا۔'' شعشعہ نے نوماش کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا وہ نظریں چرا گیا۔

''صنادید! میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں چلتی ہوں۔ میں معذرت چاہتی ہوں۔'' شعشعہ کو لگا کہ اس کی برداشت یہیں تک ہے۔

''شعشعہ! تو ٹھیک ہے؟ میں ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں؟'' صنادید سب بھول کے شعشعہ کے قریب آئی۔

''نہیں میں اسے لے جاتی ہوں تو اپنی 'ڈیٹ' انجوائے کر۔'' شلوک کے لہجے میں تپش تھی جسے صنادید نے محسوس کیا تھا پھر شعشعہ رکی نہیں تھی۔

''شعشعہ! تو نے صنادید کو نوماش کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟'' کار میں بیٹھتے ہی شلوک نے کہا۔

''میں کیوں بھولوں' بھولنا تو اسے چاہیے جو ہمارے درمیان آئی ہے۔'' شعشعہ کی آواز زہریلے تیر کی طرح لگی۔ شعشعہ خاموش تھی بالکل ایسے جیسے طوفان آنے کے بعد کی خاموشی ہوتی ہے۔ سب کچھ لٹ جانے کے بعد کی خاموشی ہوتی ہے۔ وہ ہارے ہوئے جواری کی مانند تھی۔

''شعشعہ! تجھے دکھ نہیں ہوا یہ سب دیکھ کر؟ تو رونا چاہتی ہے تو رو لے۔'' شلوک چاہتی تھی کہ شعشعہ اپنے اندر کا دکھ باہر نکال دے۔ ''تجھے نوماش سے پوچھنا چاہیے تھا کہ وہ تجھے دھوکا کیوں دے رہا ہے؟ تیرا حق بنتا ہے تو بیوی ہے اس کی۔'' شلوک کو سمجھ نہیں آئی کیسے تسلی دے۔

''صنادید محبت ہے اس کی۔'' شعشعہ نے خالی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تب ایک آنسو شعشعہ کے [illegible] ہوئے پلکوں کی باڑ توڑ کر شلوک کے ہاتھ کی پشت پر گرا۔

''شلوک ایک وعدہ کرے گی۔'' شعشعہ نے ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ''تو صنادید کو کچھ نہیں بتائے گی۔ جب تک یہ بات چھپ سکتی ہے ہم چھپائیں گے۔ وعدہ کر میں صنادید کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتی۔'' شلوک کو کتنی تکلیف ہوئی وعدہ کرتے ہوئے یہ صرف وہ خود جانتی تھی یا اس کا رب۔ پھر شعشعہ سے صبر نہیں ہوا وہ شلوک کے ساتھ لگ کر بہت روئی۔

''شعشعہ...... شعشعہ...... پلیز رومت۔''

''میں نہیں رو رہی...... میں نہیں رو رہی۔'' مسلسل روتے ہوئے وہ اسی بات کی تکرار کر رہی تھی۔ ''میں نہیں رو رہی...... میں نہیں رو رہی۔''



''میں ایسی لڑکی کو اپنی بیوی نہیں بنا سکتا جس کا کردار ہی ٹھیک نہ ہو۔ جس کا یونیورسٹی میں کسی اور کے ساتھ ''افیئر'' ہو۔ نوماش صبح صبح اپنے والدین کے ساتھ ان کے گھر آیا تھا۔ شعشعہ کی ذات اس کے کردار کی دھجیاں اُڑانے۔ نوماش نے چال چلی کہ اس سے پہلے کہ شعشعہ کچھ بتائے وہ شعشعہ پر الزام لگا کر اپنا رستہ الگ کرلے۔ کل لنچ کے دوران اس نے صنادید سے بہت سی باتیں جانی' شعشعہ کے متعلق۔

''ماموں جی! آپ تو کہتے ہیں کہ میری بیٹی بہت شرم و حیا والی ہے پھر یہ کیوں اس لڑکے دیپ رضا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے موسیقی کے بارے میں بتاتی رہی' کیوں اس لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر چل رہی تھی' میں نوماش احمد بقائمی ہوش و حواس شعشعہ علی کو طلاق دیتا ہوں...... طلاق دیتا ہوں...... طلاق دیتا ہوں۔'' شعشعہ کی [illegible] علی حسین صاحب کو [illegible] ہوا۔ شعشعہ سب بھول کے اپنے بابا کے پاس آ گئی۔

''بابا...... بابا...... آنکھیں کھولو۔'' شعشعہ کی پھوپی' پھوپا اور نوماش رسم دنیا نبھانے کو علی حسین کو ''ہارٹ سنٹر'' لے آئے ان کا علاج شروع ہو گیا۔

''کیا بابا کو مجھ پر بھروسا نہیں؟ یہ ایک سوال اسے بہت تکلیف دے رہا تھا۔ اگر بابا کو مجھ پر بھروسا ہوا تو میں خود کو بے گناہ ثابت کروں گی۔ اگر نہیں تو پھر میں کوئی صفائی پیش نہیں کروں گی۔'' اس نے شلوک کو کال کی۔ شلوک اس کے پاس تھی۔

دو گھنٹے کے جان لیوا انتظار کے بعد علی حسین کو ہوش آیا۔

''شعشعہ تو باہر رک' پہلے میں انکل جی سے مل لوں پھر تو آ جانا۔'' شلوک نے کہا۔

نوماش اور پھوپی بھی علی حسین کے پاس جانے کے لیے بڑھے تھے جب شعشعہ نے دروازے کے آگے بازو پھیلا کے ان کا راستہ روکا تھا۔

''اے لڑکی یہ کیا بدتمیزی ہے؟ مجھے بھائی صاحب کو دیکھنا ہے مجھے اندر جانے دو۔'' پھوپی نے غصے سے کہا۔

''اگر اندر نہ جانے دوں تو؟'' شعشعہ نے مضبوط لہجے میں کہا۔

''کیا آپ کو خود پر بھروسا نہیں کہ آپ جو کرنے جا رہی ہیں وہ ٹھیک ہے یا غلط۔'' دیپ کی آواز اُبھری تھی۔

''میں نے تو پہلے کہا تھا بھائی صاحب سے کہ لڑکی یونیورسٹی جا کر بگڑ جائے گی۔'' پھوپی کو موقع چاہیے تھا۔

''میں تو یونیورسٹی جا کر بگڑی ہوں آپ نے تو یونیورسٹی دیکھی بھی نہیں اور بگڑ گئی ہیں۔'' [illegible] جواب [illegible] دیا۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی میری ماں سے بدتمیزی کرنے کی؟'' نوماش نے غصے سے ہاتھ اٹھایا اس سے پہلے کہ ہاتھ اس کے گالوں پر پڑتا۔ شعشعہ نے مضبوطی سے نوماش کی کلائی تھام لی۔

''آپ لڑکیوں سے کوئی کام مرد کی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ہمیشہ مرد پر انحصار کرتی ہیں۔'' دیپ کے الفاظ کیا تھے جوش و جنوں کا جام تھے جسے شعشعہ نے اپنے لبوں سے لگا لیا تھا۔

''آپ لوگ دوبارہ اپنی شکل مت دکھائیے گا۔'' شعشعہ نے وارننگ دی۔

''دیپ آپ اس وقت کہاں ہو؟'' شلوک نے دیپ کو کال کی تھی۔

''میں ''اردو بازار'' میں ہوں' کچھ نوٹس لینے تھے

مجھے۔ کیوں خیریت ہے۔" دیپ نے کہا۔
"پلیز آپ جلدی سے "ہارٹ سنٹر" پہنچ جاؤ اور اپنے پاپا کو بھی لے آنا پھر باقی باتیں یہاں کریں گے۔" دیپ اور پاپا بیس منٹ بعد وہاں موجود تھے۔ جب دیپ اسپتال میں داخل ہوا تو وہ کسی سے ٹکرا گیا۔
"آپ یہاں......؟" اس نوجوان نے دیپ سے پوچھا۔
"جی میرے عزیز ہیں یہاں۔" دیپ نے جواب دیا۔
"آپ نوماش سے کیا بات کر رہے تھے؟" شلوک دیپ کے انتظار میں کھڑی تھی۔
"نوماش...... کون؟" دیپ اُلجھا۔ "اچھا یہ لڑکا۔" دیپ سمجھتے ہوئے بولا۔ "یہ مجھے شاپنگ مال میں پھر پھولوں والی گلی میں ملا تھا۔ آپ جانتی ہو اسے؟ مجھے اور پاپا کو یہاں کیوں بلوایا؟" دیپ نے پوچھا۔
[illegible] نوماش تھا شعشعہ کا شوہر [illegible] شلوک بولی۔ دیپ پر بجلی گری۔ "اس کا مطلب قسمت نے ایک بار پھر دھوکا دیا۔ میری پسند کو کوئی اور لے گیا۔ کیوں...... کیوں؟ ہر بار میرے ساتھ ہی کیوں......"
"دیپ! یہ شخص شعشعہ کو طلاق دے چکا ہے۔ شعشعہ کے پاپا کی طبیعت بہت خراب ہے۔ وہ اپنی زندگی میں شعشعہ کو محفوظ ہاتھوں میں دینا چاہتے ہیں۔ کیا تم شعشعہ کو اپناؤ گے؟" شلوک نے اپنے دل کو مسلتے ہوئے جیسے دیپ سے گزارش کی تھی۔ دیپ کو اور کیا چاہیے تھا؟ "صرف شعشعہ"۔ رضا حمید دیپ کی خوشی میں خوش تھے۔
"شلوک! میں دیپ سے نکاح کر لوں۔ ایک ناکام تجربے کے بعد پھر تجربہ کروں تُو نے سوچ کیسے لیا کہ میں دیپ سے نکاح کر کے خود پر لگے الزام کو سچ ثابت ہونے دوں گی۔
"شعشعہ! انکل جی یہی چاہتے ہیں یہ انکل کی زندگی کا سوال ہے۔ تجھے یہ سب کرنا ہوگا۔" شلوک نے سمجھانے کی کوشش کی۔
"اور تیری زندگی؟ تیری زندگی کا کیا ہوگا؟ تجھے کیا لگا میں تیری محبت تجھ سے چھین لوں گی؟" شعشعہ نے سنجیدگی سے کہا۔
"کون سی محبت؟ کس محبت کی بات کر رہی ہو تم؟" شلوک چیخی۔
"تم دیپ سے محبت نہیں کرتی؟" شعشعہ نے پوچھا۔
"میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بول کر تو دیپ سے محبت نہیں کرتی۔ کبھی کبھی زندگی میں یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے کہ ایسا سچ بولا جائے جو ہمارے اپنوں کو تکلیف دے گا یا ایسا جھوٹ بولا جائے جو ہمارے اپنوں [illegible] زندگی میں خوشیاں لے آئے گا۔ ہاں میں دیپ سے محبت کرتی ہوں۔ شلوک نے آواز بلند کہا۔ "میں دیپ سے ایسی محبت کرتی ہوں جیسی ایک دوست دوسرے دوست سے کرتا ہے۔ ایسی محبت جو ایک اچھے انسان سے کی جا سکتی ہے۔ تُو جاننا چاہتی تھی کہ "اسپورٹس گالا" کے دن دیپ نے مجھ سے کیا باتیں کیں۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے اس دن سے جب اس نے پہلی بار تمہیں دیکھا۔ اس نے فیس جمع کروانے کے لیے تیرے گھر پیسے بھیجے۔" تو شعشعہ کا شک درست تھا وہ دیپ کی لکھائی تھی۔
"شعشعہ! دیپ بہت اچھا لڑکا ہے تجھے بہت خوش رکھے گا۔" شلوک نے شعشعہ کا ہاتھ تھاما۔ شعشعہ اسپتال کے کوریڈور میں کھڑی پل پل بدلتی



زندگی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ پہلے وہ شعشعہ علی تھی پھر نوماش پھر شعشعہ علی پھر شعشعہ دیپ۔
"آپ نے مجھ سے شادی ہمدردی کے جذبے سے کی' آپ کی وجہ سے نوماش نے مجھے ڈائیورس دی۔ آپ نے محبت کا ڈھونگ رچا کے میری زندگی برباد کردی۔ میرے بابا جانی آپ کی وجہ سے اس حالات میں ہیں میں آج جس مقام پر ہوں اس کی وجہ صرف آپ ہو صرف آپ۔" شعشعہ کے لہجے میں دُکھ غصہ نفرت بے بسی تھی۔ اس نے سارے الزام دیپ کے کھاتے میں ڈال دیے۔
"شعشعہ......" دیپ کو دُکھ ہوا تھا اس کی بدگمانی سے۔
"میں نے کیا بگاڑا تھا آپ کا؟" شعشعہ کے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے اور شعشعہ کا رونا دیپ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔
"شعشعہ پلیز [illegible]" دیپ نے اس کے آنسو صاف [illegible] شعشعہ [illegible]
"ہاتھ مت لگانا مجھے گھٹیا انسان۔" شعشعہ چیخی تھی۔ دیپ اب تک خاموش تھا اس لیے کہ شعشعہ تکلیف میں ہے اس وقت بہت دکھی ہے مگر اب شعشعہ کے گالی دینے پر اسے شدید غصہ آیا اس نے نہ کچھ سوچا نہ سمجھا بس کھینچ کے اس کے نرم و نازک گال پر تھپڑ دے مارا۔ "شٹ اپ شعشعہ۔ تمہیں میری بیوی بن کے نہیں رہنا تو تمہاری مرضی لیکن مجھ پر الزام لگانا بند کرو۔" شدید غصے میں پھنکارتا ہوا وہ اسپتال سے چلا گیا۔ شلوک نے یہ سب دیکھا تھا۔ شعشعہ کتنی دیر روتی رہی۔
"صنادید! شعشعہ کا نکاح دیپ سے ہو گیا ہے۔" شلوک صنادید کے گھر آئی تھی اسے کچھ بتانے' کچھ جتانے' کچھ سمجھانے۔
"کیا...... کیا کہہ رہی ہے؟" وہ تو نوماش کی منکوحہ ہے۔ تُو کیا بول رہی ہے۔" صنادید اس بات پر اُلجھی تھی۔
"نوماش اسے طلاق دے چکا ہے' اس کی تو عدت بھی پوری ہوگئی اور یہ سب تیری وجہ سے ہوا ہے مجھے اور شعشعہ کو بہت ناز تھا تیری دوستی پر لیکن تو نے جانے کس بات کا بدلا لیا شعشعہ سے۔" شلوک کے لہجے میں نفرت ہی نفرت تھی جب کہ صنادید سنگی مجسمہ بنی سب کچھ سن رہی تھی۔
"شعشعہ نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں تجھے کچھ نہ بتاؤں۔ لیکن کیوں نہ بتاؤں شعشعہ کو آگ میں جھونک کر تُو سکون سے بیٹھی ہے۔ صنادید میرا بس چلے تو میں کبھی تیری شکل نہ دیکھوں۔" شلوک کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔
"شلوک تُو کیا کہہ رہی ہے؟ نوماش کے طلاق [illegible] تیرا نومی ہے۔" شلوک آندھی کی طرح آئی تھی طوفان کی طرح چلی گئی۔ صنادید کا سکتہ ٹوٹا اسے ہر طرف سے صرف یہی آواز آئی۔ "وہ نوماش کوئی اور نہیں تیرا "نومی" ہے۔"
شلوک جب اسپتال پہنچی تو شعشعہ کو بہت خوش پایا۔ "شلوک پاپا کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ وہ بالکل ٹھیک ہیں' معلوم ہے انہیں نے مجھ سے بہت سی باتیں کیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا انہیں مجھ پر بہت زیادہ اعتماد ہے۔" شعشعہ شلوک کی دونوں بانہیں تھامے بتا رہی تھی۔ خوشی اس کے انگ انگ سے چھلک رہی تھی۔
"شعشعہ' جانتی ہے ہماری زندگی میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں ایک وہ جن سے ہم پیار کرتے

ہیں دوسرے وہ جو ہم سے پیار کرتے ہیں۔ ہمیں ان کا خیال رکھنا چاہیے۔ جن سے ہم محبت کرتے ہیں لیکن انہیں بھی نہیں بھولنا چاہیے جو ہم سے پیار کرتے ہیں۔ شعشعہ جو تُو نے دیپ کے ساتھ کیا وہ غلط تھا تجھے ایسے نہیں بولنا چاہیے تھا۔ شعشعہ دیپ کو ایک موقع دے وہ اپنے سچے پیار کو ثابت کر کے تجھے اپنا بنالے گا اور مجھے یقین تھا وہ وقت بہت جلد آئے گا جب تُو اس سے محبت کرنے لگے گی۔"

"مجھے ابھی نوماش یا شعشعہ سے ملنا چاہیے۔" صنادید کار ڈرائیو کرتے ہوئے مسلسل سوچ رہی تھی۔ میں کیسے شعشعہ کی زندگی برباد کرسکتی ہوں؟ تیرا ہی تو تعلق ہے وہ نوماش کوئی اور نہیں تیرا نوی ہے۔" آوازیں حد سے بڑھنے لگی تھیں۔ آنکھوں میں آنسوؤں کی دھند چھانے لگی تھی۔ تبھی اسے "سیٹلائیٹ ٹاؤن چوک" پر سامنے سے آتی کار دکھائی نہیں دی۔ دونوں کاروں کی بہت بری [illegible] صنادید [illegible] [illegible] دل سے دعا مانگی تھی "یا اللہ! جب میں آنکھیں کھولوں تو شعشعہ میرے سامنے ہو۔" "فیض میموریل اسپتال" نزدیک تھا جو کہ ایک پرائیوٹ اسپتال تھا اس میں صنادید کو لے جایا گیا۔ "ڈاکٹر ناصر محمود ورک" نے صنادید کا علاج کیا پھر صنادید کے گھر والوں سے رابطہ کیا گیا۔ صنادید کے بھائی نے شعشعہ کو کال کی۔ اب شعشعہ اور شلوک "فیض میموریل" کے کمرہ نمبر 19 میں موجود تھیں۔

"شلوک تجھے یہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا تو نے وعدہ کیا تھا مجھ سے۔" شعشعہ نے دکھی انداز میں کہا۔

"شعشعہ سوری، مجھے نہیں معلوم تھا یہ سب ہوجائے گا۔" شلوک نے شعشعہ کو سب بتادیا۔

"صنادید! آنکھیں کھول، دیکھ میں آئی ہوں شعشعہ مجھ سے بات کر۔" شعشعہ صنادید کا ہاتھ تھام کر کھڑی تھی۔ "مجھ سے بات کر صنادید۔" ایک آنسو لرز کر شعشعہ کی آنکھوں سے بغاوت کر کے صنادید کی بند آنکھوں پر جاگرا۔ اس کے پپوٹوں میں حرکت ہوئی اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"شعشعہ....." صنادید نے شعشعہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما۔ "مجھے نہیں معلوم تھا نوماش....." صنادید بولنے لگی تھی جب شعشعہ نے اپنی انگلی اس کے ہونٹوں پر رکھ دی۔

"ہم اس بارے میں کوئی بات نہیں کریں گے۔ میں تجھ سے بالکل بھی خفا نہیں۔" شعشعہ نے صنادید کو گلے لگایا۔

"ہمارے درمیان کوئی نہیں آسکتا۔ کوئی بھی نہیں۔" شعشعہ نے صنادید کے کان کے پاس سرگوشی [illegible]

"شلوک....." صنادید نے پکارا [illegible] بھی دونوں سے چپک گئی۔

وہ P.A.F بیس کے چیک پوسٹ پر کھڑی تھی۔ اسے بیس میں داخل ہونے کی اجازت نہیں مل رہی تھی۔ اس نے وہیں سے کال کی۔ دھڑکتے دل سے کال ریسیو کی۔

"بیٹا آپ ابھی تھوڑا سا انتظار کرو، میں آپ کو لینے آرہا ہوں۔" پندرہ منٹ بعد وہ رضا حمید صاحب کے ساتھ ان کے فلیٹ میں تھی۔ "بیٹا دیپ اپنے کمرے میں ہے۔ میں صرف آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ دیپ کو اپنا لوگی تو وہ آپ کی زندگی سے سارے اندھیرے ختم کردے گا۔ میں آپ کے لیے چائے بناتا ہوں پھر مل کر آپ کے بابا کے پاس چلیں گے۔"

وہ دیپ کے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے دستک دینا چاہتی تھی۔ "کیوں دستک دوں میرا کمرہ ہے۔" وہ جیسے ہی داخل ہوئی اسے دیپ نظر آیا۔ جینز اور بنیان میں ملبوس الماری میں گھسا شرٹ تلاش کرتے ہوئے۔ اس کی الماری نہایت نفاست سے سجی ہوئی تھی۔ وہ شرٹ لے کر جیسے ہی مڑا حیران رہ گیا۔

"میں نے رات میں شعشعہ کو بہت سوچا تھا اس لیے میرا تخیل اتنا طاقتور ہے کہ وہ مجھے اپنے سامنے نظر آرہی ہے۔" وہ شرٹ ہاتھ میں لیے سوچ رہا تھا۔ شعشعہ دھیرے سے آگے بڑھی اور اس کے کان کے پاس دھیمی سی میٹھی سی سرگوشی کی۔

"میں آپ کا سپنا نہیں حقیقت ہوں۔"

"آپ یہاں.....؟" دیپ کا حیرانی کا دورہ ختم ہوا تھا۔ شعشعہ خیال سے چونکی تھی۔

"وہ میں آپ سے معذرت کرنے آئی ہوں کل [illegible] انجانے میں معلوم نہیں کیا کیا کہہ دیا؟" وہ سر جھکائے اعتراف کررہی تھی۔

"شکر ہے احساس تو ہوا کہ تم نے میرے ساتھ بدتمیزی کی تھی۔" "آپ سے تم تک کا فاصلہ لمحوں میں طے ہوا۔ اس بیگانے انداز پر شعشعہ کی حساس آنکھیں نمکین پانی سے بھر گئیں۔

"اے..... اے..... رونا نہیں۔ تمہاری آنکھ میں آنسو دیپ رضا کے لیے ہونے چاہیے۔ دیپ رضا کی وجہ سے نہیں اور ہاں میں نے تم سے محبت کا کوئی ڈھونگ نہیں رچایا تھا۔ میں سچ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ بس یہ نہیں جانتا محبت کا اظہار کیسے کیا جاتا ہے؟" دیپ نے دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر برستی بارش کی ان بوندوں کو اپنی ہتھیلی پر جمع کیا۔

"آپ کو اظہار کرنے کی ضرورت نہیں آپ کے ہر انداز، ہر بات سے اظہار ہوتا ہے۔" شعشعہ نے اعتراف کیا۔

"ہوں..... اچھا....." وہ ہنسا۔ "آئندہ مجھ پر یا میری محبت پر شک تو نہیں کروگی۔" دیپ نے مسکرا کے پوچھا۔

"نہیں....." شعشعہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"ہاں کیا کہہ رہی تھیں تم "گھٹیا انسان" دیپ کا لہجہ فریش تھا۔" شعشعہ شرمندہ ہوئی۔

"اس کے لیے سوری....." شعشعہ بولی۔ دیپ نے اپنی شہادت کی انگلی اس کے لبوں پر رکھ دی۔ اب جیسا ہوں، جس طرح ہوں تمہارا ہوں۔ وہ اپنا چہرہ شعشعہ کے چہرے کے قریب لاتے ہوئے بولا۔

"تمہیں اجازت ہے تم مجھے سدھار لینا۔ بہت [illegible] سدھار جاؤں گا [illegible] آپ کو سدھار لوں گی۔"

"بیٹا! چائے تیار ہے جلدی سے آؤ پھر علی حسین صاحب کے پاس اسپتال جانا ہے۔" رضا حمید نے آواز لگائی۔ دیپ نے اپنا ہاتھ پھیلایا۔ شعشعہ نے دھیرے سے تھام لیا۔ دیپ کا ہاتھ تھام کر وہ زندگی کی اس راہ پر چل پڑی تھی۔ جہاں بے پناہ محبتیں، خوشیاں اور سکون اس کے منتظر تھے۔

# اور کچھ خواب

عشنا کوثر سردار

میں بکھیروں چمن چمن خوشبو
تم محبت کے پھول برساؤ
زندہ رہنا محال ہوجائے
اس طرح تو نہ ہم کو یاد آؤ

انایا ملک کو لگا تھا جیسے پل میں سارے راستے بند ہوں اور اس پر دیواریں اٹھا دی گئی ہوں۔ لمبی لمبی دیواریں۔ آسمان کی بلندیوں سے سوا۔ اور سارے راستے بند۔ اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ کیا وہ کمزور پڑ گئی تھی؟ کیسی جنگ تھی یہ؟ اسے کیوں اکسایا جا رہا تھا۔ یا پھر کمزور سمجھ کر دبایا جا رہا تھا۔ یہ وہ راستہ تو ہرگز نہیں تھا جس پر وہ چلنا چاہتی تھی۔ یہ اتنا بھی اس پر مسلط کیوں کیا جا رہا تھا۔



وہ خالی خالی نظروں سے معارج [illegible] کو دیکھ رہی تھی۔ عجیب تھکا ماندہ سا انداز تھا۔

معارج [illegible] کو شاید اس پر ترس آ گیا تھا۔ بہت آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ اپنے دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی میں رکھا تھا۔ اسے بھرپور توجہ سے دیکھا تھا۔

''کچھ بھی ہو ان آنکھوں کی اُداسی دیکھنے کی ہمت نہیں پاتا خود میں۔'' کیسا اقرار تھا یہ؟ کیسا انکشاف تھا۔؟

''عورت کے آنسوؤں میں جو بہہ جائے معلوم ہے اسے کیا کہتے ہیں؟'' سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔ انایا ملک نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

''مرد! مرد کہتے ہیں اسے انایا ملک۔ بڑے بڑے سورما ہار جاتے ہیں۔ اگر کہوں کہ میں پسپا نہیں تو یہ جھوٹ ہوگا اور کہتے ہیں کہ نئی نویلی دلہن سے جھوٹ کہنا اچھی روایت نہیں۔'' وہ غالباً ایک دوستانہ فضا میں چیزوں کو معمول پر لانے کی سعی کر رہا تھا۔

''دلہن بھی وہ جو کیل کانٹوں سے لیس ہو' نظریں تیز ہوں تو' لب تلوار' خود ہی کہو راہیں مسدود ہوں گی کہ نہیں۔ ایسے میں دور جانکلنے کے جتن کروں بھی تو کیسے۔ اور پاس آؤں تو......!'' اس کی بات مکمل ہونے سے بھی پہلے انایا ملک نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کی گرفت سے نکالا تھا۔ اور قدرے پیچھے ہٹ گئی تھی۔ اس کی اس حرکت پر وہ جیسے محظوظ ہوا تھا مگر کچھ کہا نہیں تھا۔

''تم بہت برے ہو معارج تغلق۔ میری توقعات سے بھی برے۔ میں نے زندگی میں کبھی کسی سے نفرت نہیں کی۔ مگر میں کہنا چاہتی ہوں کہ مجھے تم سے نفرت محسوس ہوتی ہے۔''

اناثیا کا انداز زہر میں بجھا ہوا تھا۔ مگر وہ بہت پرسکون انداز میں اسے دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''ممی کہتی ہیں شروع کے دنوں میں لڑائی نہیں کرتے۔ محبت روٹھ جاتی ہے۔'' وہ جیسے مکمل ریڈی تھا۔ سارے معاملے اس کی نظر میں تھے اور ہر شے کا ادراک پہلے سے تھا۔ لگتا تھا معارج تغلق نے شادی ایک پلاننگ سے کی تھی۔

''تم یہی سوچ رہی ہو نا مجھے اتنی باتوں کا کیسے پتا؟ تو جواب یہ ہے کہ ممی ایشاع کو بتایا کرتی تھیں تو اتفاق سے کبھی کبھی میں بھی آس پاس ہوتا تھا۔ تم مجھے اتنا کورامت سمجھو کافی باتوں کی ناج ہے مجھے۔''

اس کی آنکھوں میں شرارت تھی اور لبوں پر مسکراہٹ۔ اناثیا ملک اس کی طرف سے اپنا رخ پھیر گئی تھی۔

''مسز تغلق! دل تو یہی چاہتا ہے کہ اتنا وقت ہو کہ آپ روٹھی رہیں اور آپ کو مناتا رہوں مگر کمبخت وقت۔'' کاندھے سے پکڑ کر رخ اپنی طرف موڑا تھا۔

''حسن کی ناز برداریاں جی حضوریاں کون کرنا نہیں چاہے گا۔ وہ بھی تب جب اول اول کی بات ہو۔ ابتدائے عشق۔ اف یہ کمبخت معاشی ترقی کا حصول پیدل مات ہو گئی نا عشق کو......!'' اس کی آنکھوں کی شرارت وہ صاف دیکھ سکتی تھی۔ اس سرگوشی میں کس قدر پراسراریت تھی۔

''جیتنے کے گر آزمانا چاہتا ہوں مگر فی الحال آپ کے مسٹر ہزبینڈ کو کچھ دو اور دو چار کرنا ہے۔ اسٹاک مارکیٹ کے ریٹس چیک کرنا ہے۔ کچھ ضروری اپائنٹمنٹ سے بھی نمٹنا ہے اور کچھ اہم میٹنگز بھی۔ سو مسز تغلق [illegible] کا مانا ہو گا [illegible] فی الحال وقت [illegible] سو [illegible] کی [illegible] دیتے ہیں۔ جیسے بات [illegible] خواست۔ [illegible] فی الحال کے لیے کا عدم کام سمجھوں۔ اپنا خیال رکھنا میرے لیے۔'' اس سرگوشی میں کوئی خاص بات تو تھی۔ ان نظروں کی تپش شاید کچھ کہہ رہی تھی۔ اس کے پاس سمجھنے کی فرصت نہیں تھی۔ نگاہوں میں ناپسندیدگی دیکھ کر وہ بہت ملائمت سے مسکرایا تھا۔

''ان آنکھوں کو میں جلد رواداری محبت اور یقین محکم کے اسلوب سکھا دوں گا۔ تب یہ اجنبیت باقی نہیں رہے گی۔'' اس کے چہرے کو بہت پیار سے تھپتھپایا تھا اور پلٹ کر چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

اناثیا ملک نے اس گھٹن زدہ ماحول میں جیسے کھل کر سانس لینے کی سعی کی تھی۔ دم جیسے بہت گھٹ رہا تھا۔

♥......♥......♥

دکھ جتنا بھی بڑا ہو سوگ زیادہ دیر تک نہیں منایا جا سکتا۔ بالآخر زندگی کی طرف واپس آنا ہی پڑتا ہے۔ سواسے بھی روٹین لائف کی طرف واپس آنا پڑا تھا، مگر اس نے جو ٹھانی تھی پوری کی تھی۔ ایک بڑا لائر ہائر کیا تھا اور معارج تغلق کے خلاف کیس فائل کر دیا تھا۔

ممی کو پتا چلا تھا تو سیدھا اس کے پاس آئی تھیں۔

''تم نے کیس کر دیا؟ معارج تغلق کے خلاف؟'' وہ بے یقینی سے زیادہ فکرمند دکھائی دے رہی تھیں



اور فکر سے بھی کہیں زیادہ خوف زدہ۔

''ممی! مجھے جو مناسب لگا میں نے وہ کیا۔ کوئی کتنا بھی بڑا ہو قانون سے بڑا نہیں ہو سکتا اور اگر وہ اس عدالتی قانون سے بڑا ہے تو پھر اسے اس عدالت سے خوف زدہ ہونا چاہیے۔ جس میں اس کا اثر و رسوخ نہیں چلے گا۔'' وہ پرعزم دکھائی دے رہی تھی۔

زائرہ ملک بہت تھکے ماندے سے انداز میں چیئر پر ڈھے گئی تھیں۔

''اناثیا! بچے کبھی کبھی وقت ہمیں ایسے الجھاوے میں الجھا دیتا ہے کہ نہ صحیح اور غلط کا احساس ہوتا ہے نا پہچان رہتی ہے۔ میں نہیں جانتی اگر تم نے ایک صحیح اقدام بھی لیا ہے تو...... مگر مجھے تمہاری سلامتی کی فکر ہے اور میں تمہیں نقصان پہنچتے نہیں دیکھ سکتی۔'' وہ کمزور لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

''ہاں جانتی ہوں' یہ میری بقا کی لڑائی ہے۔ مگر میں احتجاج نہیں کروں گی تو یہ ظاہر کرے گا کہ میں اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافی پر بے حسی دکھا رہی ہوں۔ میں اپنے ساتھ مخلص نہیں۔''

''مگر تم جانتی ہو اس کا انجام کیا ہو گا؟'' ممی فکرمند تھیں۔

''کچھ بھی ہو۔ اب مجھے پروا نہیں ہے۔''

''اناثیا! میں چاہتی ہوں تم یہاں سے چلی جاؤ۔ کہیں بھی' کسی بھی دوسرے ملک۔''

''کیسی بچوں جیسی باتیں کرتی ہیں آپ ممی۔ بھاگ جانے سے کسی مسئلے کا حل نکلے گا؟'' وہ ان کے قدموں میں بیٹھی تھی۔ گھٹنوں پر ہاتھ رکھے تھے اور متانت سے بولی تھی۔

''ممی! چپ [illegible] مان لیا آ [illegible] نہیں سمجھایا [illegible] تو کیا تھا [illegible] چاہیے [illegible] میں [illegible] تو [illegible]؟''

میں نہیں غلط قرار [illegible] دے رہی اناثیا۔ بیٹا مجھے تمہاری فکر ہے۔ بہت پیار سے پالا ہے تمہیں۔ کبھی ایک خراش بھی نہیں آنے دی۔ ہر سرد و گرم سے بچا کر رکھا میں نے تمہیں کسی مشکل میں نہیں دیکھ سکتی۔ قانون میں نے پڑھا ہے۔ ایک جانی مانی لائر ہوں مگر میں ایک ماں بھی ہوں اور ماں جہاں بہت مضبوط ہوتی ہے وہیں اس کا دل بہت کمزور ہوتا ہے۔ میرا دل بہت چھوٹا ہے...... اتنا سا۔'' ہاتھ کے اشارے سے کہا تھا پھر اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ زائرہ ملک کی آنکھوں میں تیرتا پانی صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بغور دیکھ رہی تھی۔

''ممی! اگر پاپا ہوتے تو؟'' اتنے عرصے میں پہلا سوال تھا جو اس نے اپنے باپ کے بارے میں پوچھا تھا۔ ورنہ آج سے پہلے اس نے بات کرنے سے بھی گریز کیا تھا۔ دانستہ یا نادانستہ وہ اس موضوع پر بات کرنے سے ہمیشہ بچتی رہی تھی۔ کنی کتراتی رہی تھی۔

زائرہ ملک کچھ لمحوں تک کچھ کہہ نہیں سکی تھیں' مگر پھر اسے تھام کر ساتھ لگایا تھا اور آنکھوں میں رکا پانی بہہ نکلا تھا۔

''میں ہوں نا۔'' اتنے وثوق سے ممی نے کہا کہ آگے کچھ کہہ ہی نہیں سکی تھی۔

''آئی لو یو ممی۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ ''آئی ایم سوری۔ میری وجہ سے آج آپ کو اتنی

تکلیف ہو رہی ہے۔ اچھی بچی نہیں ہوں نا میں؟" وہ جیسے کچھ نہ کرکے بھی شرمندہ تھی۔

"نہیں! تم بہت اچھی بچی ہو۔ میری ننھی پری' جس کا دل چھوٹا سا ہے' مگر بہت نرم۔" ممی نے آنکھیں رگڑتے ہوئے اس کے ہاتھ تھامے تھے۔

"مجھے تم سے کچھ چھپانا نہیں چاہیے تھا اور میں نے شاید دانستہ چھپایا بھی نہیں مگر میں' میں تمہیں کمزور دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ بہت مضبوط تعمیر کرنا چاہتی تھی تمہیں۔ کبھی میں نے تم سے تمہارے پاپا کے بارے میں ڈسکس نہیں کیا۔" بہت نرمی سے کہہ رہی تھیں اور انایا ان کا چہرہ بغور دیکھ رہی تھی۔

"میں نے کبھی کوئی ہیولا تمہارے دماغ میں بنانے کی کوشش نہیں کی' مگر میں نے اکثر تمہیں پرانی الماری کی دراز سے ان کی تصویریں دیکھتے دیکھا ہے۔ چھپ کر مجھے بتائے بنا۔ میں جانتی تھی تم ان کی کمی محسوس کرتی ہو مگر میں چاہتی تھی کہ تم حقیقت خود جانو۔ جب سمجھنے بوجھنے کی عمر کو پہنچ جاؤ۔ مگر مقصد تمہیں تمہارے باپ کے خلاف کھڑا کرنے کا بھی نہیں تھا۔ نہیں کہہ سکتی کہ وہ ایک اچھے انسان نہیں تھے' مگر کبھی کبھی خودی کے زعم میں کچھ کوتاہیاں اور غلطیاں شاید ہو جاتی ہیں۔ تمہارے باپ سے بھی ہوئیں جس کے باعث ہمارا تعلق اس نہج پر نہیں جا سکا۔ جس پر ہونا چاہیے تھا اور جس کے باعث ہم دور ہوئے اور آج ساتھ نہیں ہیں۔" ان کی آنکھوں سے چپ چاپ آنسو بہہ رہے تھے۔ انایا نے ان کی آنکھیں پونچھیں تھیں۔

"مجھے آپ کو تکلیف دے کر کوئی سچائی نہیں جاننا۔ میرے لیے میری سچائی آپ ہیں۔ جو میرے ساتھ ہیں [illegible] وہ میری سچائی نہیں۔" [illegible] "آپ [illegible]

[illegible]

زائرہ ملک چپ چاپ اسے جاتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔

☆......☆☆......☆

کوئی پانچویں بار فون بجا ہوگا۔ اس کی نیند اتنی گہری تھی کہ بہ مشکل آنکھ کھلی تھی۔ مندھی آنکھوں کو کھولنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ کوئی نیا نمبر تھا۔ اس کے لیے کال اٹھانا ناگزیر ہو گیا تھا۔

"ہیلو...... کہاں ہو تم دامیان شاہ سوری؟ مجھے اکیلا چھوڑ کر؟" دوسری طرف سے پرزور احتجاج ہوا تھا۔ اسے آواز اور لب و لہجہ کچھ جانا پہچانا لگا تھا۔

"ملی میک؟ اوہ مائی گاڈ۔" وہ ایک جھٹکے میں اٹھ کر بیٹھا تھا۔ "مجھے پتا ہے لندن میں پچھلے ہفتے موسم بہت خراب رہا اور بہت برف باری ہوئی۔ میں تمہیں کال کرنے ہی والا تھا مگر مصروفیت اتنی رہی کہ......!" اس نے اپنے تمام حواسوں کو ایک لمحے میں بیدار کرنے کی سعی کی تھی۔

"میں لندن میں نہیں ہوں' میں پاکستان پہنچ چکی ہوں۔" ملی نے مطلع کیا تھا۔

"یعنی تم کراچی میں ہو؟ کب واپس آئیں تم؟ بتایا کیوں نہیں' میں پک کرنے آ جاتا۔"

"میں نے میسج کیا تھا مگر شاید آپ چیک کرنا بھول گئے۔ اپنا سیل فون چیک نہیں کرتے آج کل آپ؟" وہ یقیناً طنز کر رہی تھی۔ وہ مسکرا دیا تھا۔



"ویلکم بیک' میں تمہیں بہت یاد کر رہا تھا۔" اس کا موڈ بحال کرنا چاہا تھا۔

"دیکھو تمہارے آنے کی اتنی خوشی ہے کہ ایک ہی جست میں چھلانگ لگا کر زمین پر کھڑا ہو گیا ہوں اگرچہ میں اس سے پہلے گہری نیند میں تھا۔ تم حیران کن ہو ملی۔ ہمیشہ ایسے سرپرائز دیتی ہو۔"

"یہ کوئی سرپرائز نہیں ہے' میں نے یاسر سے بھی کونٹیکٹ کیا تھا۔ اس نے بتایا نہیں تمہیں؟" ملی خفگی سے کہہ رہی تھی۔

"ایکسل؟ کب بتایا تھا تم نے اسے؟ دیکھو ایکسل کو تو تم جانتی ہو۔ کتنی موٹی عقل ہے اس کی صبح کا کھایا اسے یاد رہتا نہیں۔ اتنی اہم بات کیسے یاد رکھتا۔ اس نے مجھے نہیں بتایا۔" وہ اس کا موڈ بحال کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ایکسل کو جانتی ہوں میں اور تمہیں بھی۔" انداز خفا خفا تھا۔

"کہاں ہو تم؟" دامیان نے پوچھا تھا۔

"کہاں ہو سکتی ہوں؟ گھر میں ہوں' ائرپورٹ سے کیب ہائر کرنا پڑی۔ اس نے فارز جان کر ڈبل چارج کیا۔"

"قصور تمہارا ہے بتا دیتی نا کہ تم ہاف پاکستانی ہو۔ اس زمین پر تمہارا بھی اتنا ہی حق ہے۔" وہ مسکرایا تھا۔

"میں بحث کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ آپ جاگ گئے ہیں اب؟"

"ہاں [illegible] پاگلی۔ میں آ رہا ہوں۔" [illegible]

[illegible] ناشتہ لیتے آنا۔ عائشہ بوا یہاں نہیں ہیں ورنہ وہ ناشتہ بنا دیتیں۔"

"تم فکر مت کرو۔ میں آتا ہوں کچھ منٹ کے لیے ویٹ کرو۔" دامیان نے فون کا سلسلہ منقطع کیا تھا اور واش روم میں گھس گیا تھا۔

☆......⌘⌘......☆

لائبریری سے نکلتے ہوئے نادانستگی میں وہ اس سے ٹکرائی تھی۔ سر اٹھا کر دیکھا تھا مگر کچھ بول نہیں سکی تھی۔

یلماز کمال نے انجان بن کر پاس سے نکل جانا چاہا تھا۔ تبھی وہ بولی تھی۔

"سوری نہیں کہہ سکتے تو مت کہو' مگر اتنا تو پوچھ سکتے ہو کہ مجھے ہرٹ ہوا کہ نہیں۔" اس کی جانب دیکھے بنا شکوہ ہوا تھا۔ وہ رکا تھا اس کی جانب دیکھا تھا اور مسکرایا تھا۔

"تم کیوں چاہتی ہو کہ یہ ادا میں کروں؟ جب کہ تم جانتی ہو اس سے تمہاری تکلیف مزید بڑھے گی۔"

"تکلیف بڑھا کر لطف تمہیں آتا ہے یلماز کمال۔ گاہے بگاہے درد دیتے رہتے ہو اور تمہیں اس کا ادراک تک نہیں۔"

"پھر الزام؟ تمہاری پٹاری میں کچھ اور بھی ہے؟ ان آنسوؤں اور شکوؤں کے سوا؟ نکتہ چینی کے سوا

کچھ اور بھی جانتی ہو تم؟''

''اور آپ؟ آپ کیا کرتے ہیں؟ ہر وقت ایک نیا وار ایک نیا گھاؤ۔ کبھی کبھی تو نفرت ہونے لگتی ہے مجھے۔''

''مجھ سے؟'' وہ غالباً محظوظ ہو کر مسکرا رہا تھا۔

آپ سے اور اپنے آپ سے بھی۔ ایک پچھتاوے میں مبتلا کرتے ہیں آپ مجھے۔'' وہ سر راہ کھڑی شکوہ کر رہی تھیں۔ یلماز کمال نے کسی بھی تاثر سے مبرا نظر آنے کے لیے آنکھوں پر سیاہ گلاسز چڑھا لیے تھے۔

''آج بھی بچی ہیں آپ' سارے مسائل کا حل اپنے طور پر چاہتی ہیں۔ آپ کو اتنا بھی اندازہ نہیں کہ سر راہ کھڑے بات کر رہی ہیں۔'' وہ سپاٹ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''مجھے پروا نہیں ہے کسی کی۔ نقصان میرا ہوا ہے۔ جو تکلیف مجھے ہے وہ دنیا محسوس نہیں کر سکتی کیوں پروا کروں میں کسی کی؟''

''نہیں کرنی تو مت کرو۔ چیخ چیخ کر بتاؤ سب کو اپنی عزت کی فکر نہیں ہے تمہیں مگر کسی اور کی معاشرے میں کچھ عزت ہے۔ بہتر ہوگا ہم دوبارہ ملیں نہ بات کریں کیونکہ تم جب بھی بات کرو گی یونہی واویلا کرو گی اور پھر وہی الزام اس کے علاوہ کوئی حصول نہیں ہے۔'' کہہ کر وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا تھا۔

پارسا [illegible] کتنی ہی دیر وہاں کھڑی [illegible] تھی۔ آنکھیں نمی [illegible] بھر گئی تھیں [illegible] اسے اپنا وجود [illegible] زندگی کی رمق سے مسکراتے چہرے وہ مرے مرے قدموں سے چلنے لگی تھی۔ تبھی اناہیتا بیگ نے اسے آلیا تھا۔

''پارسا! کہاں تھیں تم' میں تمہارے لیے ماری ماری پھر رہی تھی۔ تمہارا سیل فون بھی سوئچڈ آف ملا۔ تم ٹھیک تو ہو؟'' اسے پریشانی ہوئی تھی۔

''ہاں۔'' وہ جیسے زبردستی بولی تھی۔ ''وہ میں لائبریری میں تھی تو......!'' اس نے بات بنائی تھی۔

''تم ٹھیک ہو نا پارسا؟'' اناہیتا بیگ نے اس کا ہاتھ تھام کر تسلی کرنا چاہی تھی۔ تبھی وہ چونکی تھی۔

''تمہارا ہاتھ تو یخ برف سا ہو رہا ہے۔ آؤ ادھر بیٹھتے ہیں۔''

''نہیں میں ٹھیک ہوں' تمہیں کوئی کام تھا؟''

''تم ٹھیک نہیں لگ رہی ہو ادھر آؤ۔'' ہاتھ سے پکڑ کر سنگی بنچ کی طرف لے گئی تھی۔ اسے بٹھایا تھا اور منرل واٹر کی بوتل اس کی سمت بڑھائی تھی۔ جسے پارسا نے ہاتھ سے منع کر دیا تھا۔

''آئی ایم اوکے اناہیتا بیگ۔'' اناہیتا اس کے پاس بیٹھ گئی تھی۔ کچھ دیر تک اسے خاموشی سے آبزرو کیا تھا۔

''اگر تمہاری طبیعت خراب ہے تو گھر چلیں؟''



''نہیں میں ٹھیک ہوں تمہیں کوئی کام تھا؟''

''ہاں مجھے تم سے اسائنمنٹ کے سلسلے میں بات کرنا تھی اور......!'' اس کے بولتے لب یک دم خاموش ہو گئے تھے۔ نظر سامنے پڑی تھی جہاں راہ داری سے چلتے ہوئے دامیان شاہ سوری اور للی میک آ رہے تھے۔ دامیان نے اس کی جانب دیکھ لیا اور دور سے ہی ہاتھ ہلایا تھا۔ وہ فوری طور پر ری ایکٹ نہیں کر سکی تھی۔ للی اس کی سمت یقیناً آنا نہیں چاہتی ہوگی اور اس کی موجودگی میں دامیان اس کی سمت آنے کی ہمت کی کرتا۔ ایسا کچھ مشکل تھا۔ وہ چونکی تھی جب یاسر دوسری طرف سے جمپ لگا کر بنچ پر بیٹھا تھا اور پلیٹ میں دھرا ہاف برگر اس کی سمت بڑھاتے ہوئے لینے کی آفر کی تھی۔

''تو تھینکس' تمہارا دوست خاصا بزی ہو گیا۔'' مدہم لہجے میں کہا تھا۔

''ہاں اس فرنگن میم کی واپسی ہو گئی نا۔ کل رات فون آیا تھا۔ ان موصوف کا فون غالباً سوئچڈ آف مل رہا تھا۔ کسی پارٹی میں تھا وہ بھی اس نے مجھے رنگ کیا کہ میں اسے مطلع کر دوں میں نے بھی ٹرائی کیا۔ رات کے پچھلے پہر اس کا سیل فون رسپانڈ کرنے کے قابل ہوا تو وہ سو چکا تھا۔ مجھے یقین ہے اس نے صبح اس کے جاگنے پر خوب کان کھینچے ہوں گے اور ان محترم دامیان سوری نے آدھے سوتے آدھے جاگتے اس کی طرف دوڑ لگائی ہوگی۔ ان کو ملانے کے جتن کرنے کی کوشش ہوئی ہوگی تبھی چہرے پر کچھ رونق دکھائی دے رہی ہے ان فرنگن میم کے۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔

''اچھی بات ہے۔'' اناہیتا نے زیادہ بولنے سے گریز کیا تھا۔

''دونوں بہت [illegible] پارسا نے [illegible]

[illegible] ایک بات [illegible] موصوف [illegible] ضرور ہیں جیسے میرے ڈیڈی میری ممی سے ڈرتے ہیں۔ وہ کھسیانی ہنسی ہنسا تھا۔ برگر کی بڑی بڑی بائٹ لینے لگا تھا۔

''کم کھایا کرو ایسل!'' اناہیتا نے اسے گھورا تھا یاسر مسکرایا تھا۔

''مانو یا نا مانو یہ اپنا دامیان سوری ہے کچھ بے وفا۔ دیکھو کیسے نظریں پھیر گیا ایک پل میں۔'' یاسر نے رائے زنی کی تھی۔

''جانے دو نا' یاسر!'' اناہیتا نے موضوع بدلنا چاہا تھا۔

''چلو اٹھو ہم کینٹین چلتے ہیں۔'' اناہیتا اٹھی تھی۔

''یاسر کو رہنے دو نا اور کتنا کھائے گا۔ آل ریڈی کھا تو چکا ہے۔'' کب کی چپ بیٹھی پارسا بولی تھی اور وہ دونوں مسکرائے بنا نہیں رہے تھے۔

''تم لڑکیاں بھی نا' خود تو کچھ کھاتی نہیں ہو ڈائٹنگ کرتی رہتی ہو اور مجھے بھی کھاتے نہیں دیکھ سکتیں۔'' یاسر کے شکوے پر دونوں مسکرائی تھیں۔

''پارسا کا تو پتا نہیں مگر میں بہت کھانے والی ہوں۔ مجھے بہت ٹینشن ہو رہی ہے۔'' اناہیتا بولی تھی۔

''ٹینشن؟ کس بات کی ٹینشن؟'' یاسر چونکا تھا۔

''اسائنمنٹ کی ٹینشن' اب میں تمہاری طرح تو ہوں نہیں۔ کاش ہوتی۔ ایک دم کیئرلیس' کیئر فری اور

مست۔" اناجیا نے دونوں کو بازو سے پکڑ کر کھڑا کر دیا تھا۔

"ایکسل بل تم پے کرو گے نا؟" پارسا نے یاسر کی طرف دیکھا تھا۔ اتنا دوستانہ ماحول تھا کہ وہ کچھ دیر پہلے کی بپتا بھول چکی تھی۔

"میں؟" یاسر کو جیسے چار سو چالیس والٹ کا کرنٹ لگا تھا۔ "میں بل پے کروں گا؟ مگر میں تو کھا چکا ہوں؟"

"چپ چاپ چلو اور کھا لینا۔ جانتے ہیں ایک ننھے منے سے پرگرنے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا ہوگا۔ فکر مت کرو بل میں پے کردوں گی۔ تم دل کھول کر کھانا۔" اناجیا نے تسلی دی تھی اور اس کی جیسے جان میں جان آئی تھی۔

❖.....☆❖☆.....❖

تمہیں کوئی پریشانی ہے؟" رات کھانے کے برتن سمیٹتے ہوئے جب پارسا اس کی ہیلپ کر رہی تھی تو اس نے پوچھا تھا۔ پارسا نے چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"تمہیں کیوں لگا؟" پارسا کی نظروں میں جیسے چور تھا۔

"یونہی پوچھا تم کچھ کھوئی کھوئی سی ہو نا۔" اناجیا نے سرسری انداز میں کہا تھا۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔" پارسا نے جیسے اسے روکیا تھا۔

"تم کافی پیو گی؟" اناجیا نے پوچھا تھا۔

"ہاں!" پارسا نے جواب دے کر [illegible] اناجیا کافی بنانے لگی تھی۔

"ایکسل [illegible] انداز میں [illegible] پارسا چونکی تھی۔

"ہینڈسم لڑکا ہے نا؟ امیر بھی ہے [illegible] بھی یہ میٹر نہیں کرتا۔" اناجیا جیسے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"جانتی ہوں۔" وہ پلٹ کر جیسے دھیان بٹانے کو سنک پر پڑے کھانے کے برتن دھونے لگی تھی۔

"وہ اچھا لڑکا نہیں ہے پارسا۔ کیمپس کے سب لوگ جانتے ہیں۔ تم جانتی ہو گریجویشن کے پہلے ہی سال اس نے کیا کیا؟ اس کا اسکینڈل بنا اور کسی نے ویڈیو یوٹیوب پر اپ لوڈ کر دی۔ اس نے خود ایسا کیا یا کسی اور نے یہ تو وہی جانتا ہے مگر اسے جب یونیورسٹی سے نکالا جا رہا تھا اس نے اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہا۔ مگر اس کی فیملی نے اثر و رسوخ استعمال کر کے اسے رکوا دیا۔ وہ لڑکی کیمپس سے نکل گئی مگر یلماز کمال یہیں رہا۔ تم اس کے قریب جاتی ہو تو مجھے ڈر لگتا ہے تمہارا ایڈمیشن لیٹ ہوا تھا۔ شاید تم نہیں جانتی جو بھی ہوا اگر تمہیں یقین نہیں تو کیمپس میں کسی سے بھی پوچھ لو۔" اناجیا نے سہولت سے اسے سچائی سے آگاہ کیا تھا۔ تبھی اس کے ہاتھ رکے تھے۔

"جانتی ہوں!"

"تم جانتی ہو؟" اناجیا چونکی تھی اور اس کی طرف حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔

"ہاں!" پارسا انکاری نہیں ہوئی تھی۔



"اور اس کے باوجود تم اس کے قریب جاتی ہو؟" پارسا کی حرکت پر اناجیا کو حیرت ہوئی تھی۔ "یہ کیا ہے پارسا؟ کوئی پاگل پن؟ تم جانتی ہو وہ تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے تو؟"

"وہ مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا اناجیا۔" پارسا کا انداز و لہجہ سرد تھا۔ اناجیا کو حیرت ہوئی تھی۔

"پارسا تم میری دوست ہو اور میں تمہیں مشکل میں پڑتا یقیناً نہیں دیکھنا چاہوں گی۔"

"تھینکس۔" پارسا نے مدہم لہجے میں کہا تھا۔

"پارسا خطرے کے قریب جانا اور محفوظ رہنے کی توقع کرنا کبھی کبھی ہماری خام خیالی بھی ہو سکتی ہے۔ یہ رسک ہے اور خود کو مشکل میں ڈالنے کا خیال عقل مندی نہیں ہے۔" اناجیا اپنے طور پر اسے سمجھانا چاہتی تھی۔ وہ سمجھتی تھی شاید یلماز کا ہینڈسم ہونا یا مال دار ہونا پارسا کے لیے اٹریکشن کا باعث ہے تبھی وہ اس کے منع کرنے کے باوجود اس کی طرف کھنچی چلی جا رہی ہے۔ وہ صحیح تھی یا غلط۔ پارسا نے کوئی جواب دے کر اسے کچھ پروف کرنا نہیں چاہا تھا۔

"یا آج کی ڈیٹ میں کافی بنے گی یا نہیں؟" عدن نے کچن کے دروازے میں کھڑے ہوتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ اناجیا بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

"کافی ریڈی ہے مجھے لگا آپ لانگ ڈرائیو پر نکل گئے ہیں۔ سردیوں کی ابتدا کے ساتھ آپ کو شوق ہے نا بلاوجہ لانگ ڈرائیو پر جانے کا۔"

"ہاں مگر انایا اور تمہارے بنا یہ پاسبل ہے بھلا؟ میں اکیلا لانگ ڈرائیو پر جاتا کچھ بے وقوف سا لگوں گا نا۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" اناجیا نے کافی کا کپ بھائی [illegible] بڑھایا تھا۔

"آپ گئے تھے انایا کی طرف؟" اناجیا نے پوچھا تھا۔

"نہیں یار بہت بزی رہا نہیں جا پایا۔ کچھ دیر میں رنگ کروں گا۔ پھوپو کا فون آیا تھا میں میٹنگ میں تھا۔ آفس سے واپسی میں راستے میں فون کیا تو پتا چلا کہ انایا نے کیس فائل کر دیا ہے۔ پھوپو بہت پریشان ہو رہی تھیں۔ یہ ٹھیک نہیں ہے مگر یہ غلط بھی نہیں ہے۔ اصولاً ہمیں انایا ملک کا حوصلہ بڑھانا چاہیے اور اس کے ساتھ اسٹینڈ لینا چاہیے مگر ہم ڈرتے ہیں اپنے لیے نہیں مگر اس کے لیے کیونکہ ہمیں انایا عزیز ہے۔ میں نے انایا کو سمجھایا تھا کہ یہ حل نہیں ہے پھوپو لائر ہیں وہ خود بھی جانتی ہیں یہ ٹھیک نہیں ہے۔ کیس کمزور ہے اور کورٹ ہیئرنگ کے دوران اسے مزید ویک کر دیا جائے گا کیونکہ معارج تعلق اہلیت رکھتا ہے۔"

"تو پھر حل کیا ہے؟ اس سب کا جو ہوا کوئی حل نہیں؟ یہی مان لینا چاہیے ہمیں؟" اناجیا کو کسی قدر الجھن ہوئی تھی۔ کیونکہ وہ انایا کے بہت قریب تھی اور اسے اس مشکل ٹائم سے باہر لانا چاہتی تھی۔

"ایسا نہیں ہے اناجیا کہ اس کا کوئی حل نہ ہو کوئی نہ کوئی حل تو ضرور ہوگا۔ ابھی میں تھوڑی دیر پہلے ڈیڈ سے بات کر رہا تھا۔ ممی اور ڈیڈی بھی پریشان ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ نرمی کے ساتھ اسے سمجھایا جا سکتا ہے۔ کورٹ سے باہر۔" عدن نے نیا رخ دکھایا تھا۔

''کیا یہ ممکن ہوگا؟'' انابیتا بے یقینی سے بولی تھی۔
''پتا نہیں مگر کچھ تو ہونا چاہیے اور کچھ کرنا بھی پڑے گا۔ ہم انایا کو اس چوئشن میں تنہا تو نہیں چھوڑ سکتے۔'' تبھی نظر پارسا کی پشت پر پڑی تھی جو رخ پھیرے کھانے کے برتن دھو رہی تھی۔ انابیتا نے بھائی کے نظروں کے تعاقب میں دیکھا تھا تبھی پارسا کا دھیان آیا تھا ورنہ انایا کی پریشانی میں وہ تو اسے بھول ہی گئی تھی۔
''پارسا! تمہاری کافی وہاں شیلف پر رکھی ہے ٹھنڈی ہو جائے گی تم لے لو باقی کے برتن میں دھو کر رکھ دوں گی۔''
''نہیں اس کی ضرورت نہیں' اٹس ڈن۔'' وہ ہاتھ پونچھتے ہوئے پلٹی تھی اور شیلف پر رکھی اپنی کافی اٹھا کر سپ لینے لگی تھی۔
''آپ آج کل بہت خاموش ہیں' خیریت تو ہے؟ آفس میں کام کا زیادہ برڈن تو نہیں؟'' انابیتا قریب سے ہو کر گزر کر باہر نکل گئی تھی جب عدن نے پارسا سے دریافت کیا تھا۔
''نہیں' کام تو کچھ زیادہ نہیں ہے مگر یونیورسٹی کے بعد آفس کچھ ہیکٹنگ لگتا ہے۔'' وہ صاف گوئی سے بولی تھی۔
''ہاں یہ تو ہے' لیکن جلد یونیورسٹی ختم ہو جائے گی تو پھر صرف جاب پر کونسنٹریٹ کرنا ہوگا اور یہ شاید اتنا مشکل نہیں ہوگا۔'' عدن بیگ نے کہا تھا۔ ایک رسمی سی گفتگو تھی۔ ایک رسمی سے اسلوب کے ساتھ کچھ خاص نہیں تھا اور [illegible] بے چینیوں [illegible] اب [illegible] سا گیا تھا۔ [illegible] جو ایک احساس اندر [illegible] شاید [illegible] شادی [illegible]
چاہتا تھا اور اس کے لیے ضروری تھا کہ باقی اور کوئی ''احساس'' رگ و جاں میں باقی نہ رہے۔
''آپ انایا کے لیے بہت کنسرن ہیں نا۔'' اس نے جیسے نوٹس کیا تھا۔
''ہاں ہوں' یہ بات آپ پہلے بھی پوچھ چکی ہیں۔ شی از آ فیملی۔ ہم فیملی ہیں اور جب فیملی کے کسی ایک فرد پر کوئی آفت آئی ہے تو دوسرا بے حس بن کر نہیں بیٹھ سکتا۔ ہم ایک دوسرے سے جڑے ہیں۔ اسے فیملی بونڈنگ کہتے ہیں شاید۔'' وہ بہت اطمینان سے بولا تھا۔
''ہاں جانتی ہوں۔ آئی ایم سوری مجھے آپ لوگوں کے فیملی افیئرز میں بولنے کا کوئی حق نہیں۔''
''آپ اس گھر کا حصہ ہیں اور فیملی کا پارٹ بھی۔ آپ فیملی افیئر کو جان پائیں کیونکہ آپ اس گھر میں ہیں۔ میں انایا کے لیے وہ سب نہیں کر پا رہا جو مجھے کرنا چاہیے۔ کہیں نہ کہیں ہم اپنی اپنی زندگیوں میں الجھے ہوئے ضرور ہیں کہ وقت نکل نہیں پاتا۔ میں اگرچہ چاہتا ہوں انایا کے آس پاس رہوں اور اس کی ہیلپ کروں جس کی اسے ضرورت ہے مگر میری مصروفیات مجھے اس کی اجازت نہیں دے رہی۔ انایا بہت اچھی لڑکی ہے پارسا۔ اس کا دل بہت چھوٹا ہے مگر اس میں ڈھیر ساری جگہ ہے۔ اس نے کبھی کسی کا برا نہیں چاہا۔ مجھے یقین ہے اس کے ساتھ کبھی بھی غلط نہیں ہوگا۔ اگر ہوا بھی تو بہت جلد اس کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔''



''مجھے بھی یقین...... اگر وہ اتنی اچھی ہے تو اس کے ساتھ کچھ غلط نہیں ہونا چاہیے۔'' پارسا نے یقین دلایا تھا۔ عدن بیگ نے اسے بغور دیکھا تھا۔ وہ سر جھکائے کافی کے سپ لے رہی تھی۔ ان کنگھی آنکھوں کو وہ نہیں دیکھ پایا تھا۔ مگر اس چہرے پر جیسے سکون نہیں تھا۔ جیسے ایک اضطرابی کیفیت تھی۔
''آپ ٹھیک ہیں؟'' عدن بیگ کو تشویش ہوئی تھی۔
''ہوں......'' اس نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

☆☆......☆......☆☆

''تم؟'' وہ ڈور کھول کر ہاتھ میں چائے کا کپ تھامے باہر نکلی تھی جب دامیان شاہ سوری کو سامنے دیکھ کر چونک پڑی تھی۔
''محترم دامیان شاہ سوری یہاں؟ وہ بھی بنا مجھ سے اپائنٹمنٹ مانگے؟ حیرت ہے؟'' انابیتا بیگ نے اسے شرمندہ کرنے کی اپنی سی کوشش کی تھی وہ بجائے بُرا ماننے کے مسکرا دیا تھا۔
''انابیتا بیگ تم بھی نا۔''
''ایکسکیوزمی آپ مجھے جانتے ہیں؟'' وہ وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گئی تھی۔ وہ مسکراتا ہوا اس کے پاس آن بیٹھا تھا۔
''اتنی ناراضگی؟ مجھے نہیں پتا تھا لوگ اتنا مس کریں گے۔''
''ہیلو؟ یہاں کسی نے آپ کو مس وس نہیں کیا اور ہوتے کون ہیں آپ؟ کہیں کے پرنس آف ویلز ہیں کیا؟ کیسی کیسی خوش فہمیاں پال لیتے ہیں [illegible] خوش فہمیاں [illegible]
[illegible] نظریں [illegible] پھیر [illegible]
آپ بتا دیں!''
''فالتو وقت نہیں ہے میرے پاس۔ دوست ہوتے تو سکھا بھی دیتی اجنبی لوگوں سے بات کرنا کچھ عجیب سا لگتا ہے؟'' انابیتا بیگ بے گانگی سے بولی تھی اور دامیان شاہ سوری ہنس دیا تھا۔
''اب اجنبی ہو گئے ہم؟ اتنی اجنبیت؟ اتنی جلن؟ کہیں آغاز محبت تو نہیں؟ کہا تھا نا قریب مت آؤ بات کرو گی تو مشکلیں بڑھ جائیں گی۔ عشق ہو گیا تو پھر الزام دیتی رہ جاؤ گی۔'' وہ چھیڑ رہا تھا۔
انابیتا نے نظریں اس کے چہرے پر گاڑے ہوئے مکمل غصے سے دیکھا تھا۔
''عشق اور آپ سے؟ منہ دھو رکھیے ارمان رہ جائے گا دل میں۔''
''اور اگر ہو گیا تو؟'' وہ آنکھوں میں جھانکنے لگا تھا۔
''ہو نہیں سکتا آپ سے تو یقیناً نہیں۔'' وہ نظروں کا زاویہ موڑ گئی۔
''مجھ سے کیوں نہیں؟ مجھ میں کیا خرابی ہے؟ اچھا بھلا تو ہوں۔'' وہ چھیڑ رہا تھا۔ ''اونچا لمبا ہوں' اچھی فزیک ہے' گڈ لکنگ ہوں' موسٹ آف گرلز تو ہینڈسم ہی کہتی ہیں۔ اچھی اسمائل ہے۔ بائے دی وے لڑکیوں کو میری اسمائل بہت پسند ہے۔ آنکھوں میں خاصی کشش ہے ایسا دیکھنے والے کہتے ہیں اب بتاؤ جب اتنا سب ہو تو کوئی متاثر نہ ہو یہ ہو نہیں سکتا نا؟'' وہ مسکراتے ہوئے اس کا کپ اس کے ہاتھ سے

لے کر سپ لینے لگا تھا۔ وہ حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔

''آپ نا پرلے درجے کے ایڈیٹ ہیں سیلف پریز کا خبط ہو گیا ہے آپ کو۔'' وہ چائے چھین جانے پر گویا احتجاج کر رہی تھی۔ باقاعدہ گھورا گیا تھا۔ مگر دامیان سوری پر غالباً اثر ہوتا دکھائی نہیں دیا تھا۔

''تمہارا ماننے کا دل نہیں ہو رہا تو مت مانو۔ مگر سنو کوئی خبط وبط نہیں ہے یہ اور کہیں نہ کہیں تھوڑی بہت امپریسڈ تو آپ بھی ہیں۔ اب مانیں یا نہ مانیں۔'' وہ چائے کی چسکیاں لے رہا تھا۔

''اچھا بتاؤ غصہ کس بات پر ہے؟'' مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

''کوئی غصہ نہیں ہے۔'' وہ بے کلی سے بولی تھی۔

''چائے اچھی ہے۔ تم نے بنائی ہے؟''

اس نے سراثبات میں ہلا دیا تھا۔

''اچھا سنو آئی ایم سوری میں کچھ بزی رہا تبھی نہ بات ہو سکی نہ تمہاری طرف آ سکا۔ جانتا ہوں اس ایکسل کے بچے نے خوب کان بھرے ہوں گے۔''

''نہیں اس نے کچھ نہیں کہا۔'' لاتعلقی سے بولی تھی۔

''اچھا بھی تم نے اس سے سچ اگلوانے کے لیے کینٹین لے جا کر خوب کھلایا پلایا تھا؟ جانتی ہیں اس بے چارے کا پیٹ خراب ہو گیا تھا گھر جا کر مجھے فون کیا۔'' وہ مسکراتے ہوئے انکشاف کر رہا تھا۔

''میں نے اسے کھلایا پلایا؟ کچھ اگلوانے کے لیے؟ ایکسکیوزمی مجھے کچھ اگلوانے کی ضرورت نہیں ہے اور اس ایکسل کی خبر تو میں کل لوں گی۔''

''اس بیچارے کو چھوڑ [illegible] اس کا پیٹ [illegible] تک [illegible] کل [illegible] بارے میں فی الحال سوچ بھی نہیں سکتا۔ اتنا زیادہ کھلا دیا [illegible] اسے [illegible] تمہارا ہے نا۔'' وہ پوری طرح [illegible] محظوظ ہو رہا تھا۔ وہ گھورنے لگی تھی۔

''میں نے اسے بدنیتی سے نہیں کھلایا تھا۔ اگر اس کا ہاضمہ درست نہیں ہے تو میں کچھ نہیں کر سکتی۔'' وہ اس کی سمت دیکھنے سے مکمل گریز کرتی ہوئی بولی تھی۔

''ناراضگی اپنی جگہ مگر آپ میری طرف دیکھ تو سکتی ہیں۔ ویسے آپ کو خبر ہو گئی کہ للی واپس آ گئی ہیں۔''

''ہاں دیکھ لیا تھا آپ کو ان کے ساتھ۔ دم چھلا بنے گھوم رہے تھے۔'' وہ تپ کر بولی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

''کوئی جلن اور حسد ہے یہ؟'' دامیان شاہ سوری شرارت پر مائل ہوا تھا۔

''کوئی جلن کیوں ہونے لگی؟ دماغ خراب ہو گیا ہے آپ کا اور آپ یہاں کیوں نظر آ رہے ہیں کہیں اور کیوں نہیں؟'' تنک کر بولی تھی۔

''کہیں اور کہاں؟'' وہ چونکا تھا۔ ''للی کے ساتھ؟''

''میری بلا سے۔'' وہ لاتعلقی کی حد کرتی ہوئی بولی تھی۔ ''آپ جیسے دوست سے اچھا ہے بندہ ایک



دشمن پال لے۔ قصداً چاہتے ہوئے نہ چاہتے ہوئے اپنی توجہ آپ پر تو مرکوز رکھے گا۔''

''دشمنی کا ارادہ ہے؟'' وہ محظوظ ہوا تھا۔

''دوستی ہے کیا؟'' وہ آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی تھی۔

''نہیں ہے؟'' وہ مسکرایا تھا۔

''اوں ہوں۔'' سرنفی میں ہلایا تھا۔

''چلو ٹھیک ہے آج سے مورچہ بندی شروع۔ دشمنی ہے تو دشمنی ہی سہی' پھر رونے مت بیٹھ جانا۔'' اندیشہ ظاہر کیا تھا۔

''میں نہیں رونے والی اور سنیں اس بار اپنی اسائنمنٹ اپنی ان مس للی میک سے بنوا لیجیے گا۔ میں نہیں بنانے والی۔ فالتو وقت نہیں ہے میرے پاس۔'' وہ مکمل ناراضگی کا اظہار کر رہی تھی۔ مگر وہ بنا کچھ کہے مسکرا دیا تھا۔ چائے کا خالی کپ ایک طرف سائیڈ پر رکھا تھا اور اس کی سمت پورے حواسوں سے متوجہ ہوا تھا۔

''آپ کے سامنے جانے کیوں میری حسیں کام نہیں کرتیں۔ نہیں جانتا مگر اکثر شکست خوردہ سا محسوس کرتا ہوں۔ اب آپ پے در پے وار کریں گی تو ہمت جواب دے جائے گی نا؟ بہت ہو گئی ناراضگی اب صلح کرتے ہیں۔'' وہ برملا ہار تسلیم کر رہا تھا۔ مضبوط ہاتھ اس کی طرف پھیلا تھا۔

اس کی آنکھوں میں کچھ تھا کیا؟ انابیہ بیگ نے چند ثانیوں تک اس کی طرف خاموشی سے دیکھا تھا پھر جیسے میکانکی انداز میں ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

[illegible] مجھے بھوک لگ رہی [illegible] ہوں۔ وہ بتا اس کا جواب اپنے اندر بڑھ گیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک وہاں بیٹھی رہی تھی پھر اٹھ کر گلاس ڈور کھولا تھا اور اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

☆

''کہتے ہیں جو چاہو اگر حاصل کر لیا جائے تو ایک سکون آ جاتا ہے آپ کی نظروں میں پھر یہ اضطراب کیسا ہے؟ کس لیے بے چینی ہے؟'' حارث نے اس کی سمت کھوجتی نظروں سے دیکھ کر کہا تھا۔ وہ چونکا تھا چپ چاپ کافی کا مگ تھام لیا تھا۔

''آپ یہاں وہاں قیاس آرائیاں کرنے کے علاوہ کچھ کرتے ہیں؟ طنز کیا تھا شاید معارج تعلق نہیں چاہتا تھا کہ اسے ڈسکس کیا جائے یا اس کے اندر کی خبر کسی کو ہو۔

''ہاں کرتا ہوں نا۔ آپ بھول گئے۔ آپ ہی کی ایک کمپنی میں فنانس سنبھالتا ہوں؟ یار معارج ایک بات کہنا چاہتا تھا میں۔'' حارث نے قصد کیا تھا۔

''بولو تمہیں پوچھنے کی ضرورت کیوں پیش آنے لگی؟'' وہ چونکا تھا۔

''تو میرا دوست ہے' میں جانتا ہوں تو برا آدمی نہیں ہے اور اگر کوئی چھوٹی موٹی برائی ہوئی بھی تو شاید دوست ہونے کے ناتے میں تجھے پھر بھی فیور کرنا چاہوں گا مگر ضروری تو نہیں ہر بار تو حق پر ہو اور میں

ہمیشہ تجھے ہی فیور کروں؟''

''کہنا کیا چاہتا ہے تو؟'' معارج تعلق نے کافی کا سپ لیتے ہوئے کہا تھا۔

''یار معارج تو میرا دوست ہے مگر اس لڑکی کے ساتھ مجھے ہمدردی ہے۔ دانستہ تو نے اس کی لائف کو ڈسٹرب کردیا ہے۔ کسی بھی لڑکی کی مرضی کے خلاف اس پر فیصلہ مسلط کردینا ٹھیک نہیں۔ ہم اکیسویں صدی میں جی رہے ہیں۔ جانوروں کے حقوق کے لیے لڑتے ہیں اور انسانوں کی پروا نہیں کرتے۔ ہماری سوچوں میں تضاد لگتا ہے نا۔ تجھے اگر وہ پسند تھی تو پوچھ لینا چاہیے تھا تیرے ایکسپریشن سمجھ میں نہیں آئے کس قدر گہرا بندہ ہے تو میرا دوست ہے مگر بھی کبھی لگتا ہے میں بھی پورے طور پر تجھے نہیں جانتا۔'' حارث بہت متانت سے کہہ رہا تھا وہ مسکرادیا تھا۔

''تمہارا خیال ہے میں بہت پیچیدہ ہوں۔'' وہ قطعاً برا نہیں مان رہا تھا۔ حارث کچھ نہیں بولا تھا۔

''مجھے لگتا ہے کچھ مشکل وہ بھی ہے سائڈز لائک اے ٹاس کپل؟'' وہ غالباً اس کی کسی بات کو سنجیدہ نہیں لے رہا تھا۔

''معارج میری اماں کہتی ہے جوڑے بنتے آسمانوں پر ہیں اور ملتے زمین پر ہیں۔ نہیں جانتا کیا لکھا ہے مگر تیرا جوڑا اگر آسمان پر بنا ہے تو اب یہ واقعی ایک پرفیکٹ کپل ہے مگر تو اتنا اچھا نہیں جتنی وہ ہے۔ کچھ الٹا دماغ ہے تیرا۔ سچ پوچھو تو اس جیسی نائس لڑکی کو ڈی زرو نہیں کرتا تو۔'' حارث نے مسکراتے ہوئے کہا تھا وہ شاید بہت محظوظ ہوا تھا۔ تبھی مسکراہٹ لبوں کو چھوگئی تھی۔

''تو کہتا ہے اسے مجھ سے بہتر مل سکتا تھا۔''

''یقیناً۔'' حارث برملا بولا تھا۔ معارج تعلق نے جیسے اسے شانے اچکا دیے تھے۔

وہ بات ایسے......



''کسی کو کانٹوں پر گھسیٹ لینا اچھا اقدام نہیں معارج تعلق اچھی خاصی زندگی جی رہی تھی وہ۔ سکون اور اطمینان والی تیری وجہ سے کیسا بھونچال آگیا ہوگا نا اس کی زندگی میں۔''

''شاید مگر میں نے مسز زائرہ ملک سے معذرت کی ہے نا۔ انہیں بتادیا تھا اگرچہ راستہ اور طریقہ صحیح نہیں مگر اقدام غلط نہیں۔'' وہ خود کو حق پر سمجھ رہا تھا۔

''نقصان مسز زائرہ ملک کا نہیں ہوا معارج تعلق سوری آپ کو ان کی بیٹی سے کرنا چاہیے۔'' حارث نے جتایا تھا۔

''مسز تعلق سے؟'' وہ جیسے چونکا تھا۔ ''مگر وہ تو خوش ہیں نا۔ ملاقات ہوئی تھی ان سے دو دن پہلے اتنی خفا نہیں تھیں۔ احتجاج بھی پرزور نہیں تھا۔ شاید وہ ذہنی طور پر تسلیم کررہی تھی اگرچہ ایک چھوٹا سا احتجاج ہوا ہے۔ لائر بتا رہا تھا۔ کیس کردیا ہے انہوں نے۔ بہت جلد معاملہ نمٹ جائے گا اور انہیں احساس ہوجائے گا کہ جو انہوں نے کیا وہ ٹھیک نہیں انہیں چاہتا ہوں انہیں اپنے طور پر احساس ہو بھی پچھلے دو تین دن سے ملنے بھی نہیں گیا۔''

''بھابی نے کیس کردیا ہے؟ بات بڑھ رہی ہے اور تو اسے اتنے سکون سے لے رہا ہے۔'' حارث



چونکا تھا۔

''حارث! ہمارے یہاں کب رواج ہے گھر کے معاملات کو کورٹ کچہریوں تک لے جانے کا؟ بات گھر کے اندر چار دیواری میں طے ہوسکتی ہے تو دنیا کے سامنے تماشا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟'' وہ رسانیت سے کہہ رہا تھا۔

''تیرے اندر کی نوابی بول رہی ہے معارج تعلق اتنا پڑھ لکھ کر سوچنے کا انداز کچھ بدل جانا چاہیے۔ ایون انکل تیمور اتنے لبرل ہیں سدرہ آنٹی ایک ماڈرن خاتون ہے۔ سوچ انداز سب سلجھا ہوا ہے۔ پھر تو اتنے دقیانوسی انداز میں کیسے سوچ سکتا ہے؟'' حارث کو حیرت ہوئی مگر وہ بے پروا کیے مسکرا رہا تھا۔ جیسے اس کی رائے زنی سے بھرپور محظوظ ہوا تھا۔

☆......☆......☆

''گرینی اب کیسی ہیں؟ اگر ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو تمہیں انہی کے پاس رہنا چاہیے تھا۔'' دامیان نے کہا تھا۔ للی نے سرنفی میں ہلادیا تھا۔

''گرینی کی طبیعت اگر ٹھیک نہ ہوتی تو شاید میں نہ آتی' مگر اب وہ پہلے سے بہتر ہیں اور انہی کے کہنے پر میں واپس آنے کا فیصلہ کیا اور تم جانتے ہو مجھے واپس تو آنا ہی تھا۔ میں نے ممی سے پرامس کیا تھا میں نے ایک بار ان کو ضرور ملوں گی جنہوں نے ممی سے شادی کی اور جو مجھے اس دنیا میں لانے کی وجہ بنے۔ شاید وہ بہت اچھے باپ نہیں۔ یا پھر کوئی مجبوری رہی ہوگی مگر میرے دل میں شاید ان کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ میں انہیں تلاش کررہی ہوں [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] آواز بوجھل ہوگئی تھی۔ دامیان نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی تھی۔ دونوں بالکنی میں کھڑے تھے اور یخ بستہ ہوا کے جھونکے انہیں چھوکر گزر رہے تھے۔

''دیکھو تم یہاں کے موسم کی عادی ہوگئی ہو۔ پہلے جب تم آئی تھیں تو یہاں کی ٹھنڈ پر ہنستی تھیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور اپنا جیکٹ اتار کر اس کے شولڈر پر ڈال دیا تھا۔

''نہیں مجھے ٹھنڈ نہیں لگ رہی مگر میں کچھ سنسیٹیو ہورہی ہوں۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی تھی۔

''تم پریشان مت ہو ہر بات کے ہونے کا ایک ریزن ہوتا ہے' اگر تم یہاں آئی ہو تو ضرور اس کی ایک وجہ رہی ہوگی۔'' دامیان نے دلاسا دیا تھا۔ اس کی ہمت بندھائی تھی۔

''پتا نہیں دامیان اگر کوئی ریزن ہے یا نہیں مگر یہ تلاش مجھے بڑی بے معنی سی لگتی اور اس کا فائدہ کیا ہوگا؟ کبھی کبھی مجھے سب فضول لگتے ہیں۔ یہ کسی کو ڈھونڈنے کی کوشش یہاں تک کا سفر اور پتا نہیں وہ یہاں اس کنٹری میں ہیں بھی کہ نہیں۔ دوسری بات اگر ان کو ملنا ہی ہوتا تو وہ ایسے کہیں جاکر چھپ نہ جاتے۔'' للی کو جیسے الجھن ہورہی تھی۔

''اتنی ٹینشن مت لو۔ آئی ہوپ کہ تم اپنے ڈیڈ کو ایک دن ضرور تلاش کرپاؤ گی۔ یہاں اس زمین پر یا کہیں بھی۔'' یقین دلایا تھا۔

"کسی بندے کو ڈھونڈنے کے لیے اتنی ڈیسپریٹ ہو رہی ہوں میں؟ اسے جس نے ہماری پروا بھی نہیں کی؟ بہت بے حس بندہ رہا ہوگا وہ۔" وہ جیسے اس سفر سے اور تلاش سے تھک رہی تھی۔

"تم نے جو نیوز پیپر میں ایڈ دیا تھا اس کا کیا ہوا؟" دامیان نے پوچھا تھا۔

"فی الحال نہیں دے پائی۔ کل شام اس پر کام کروں گی۔ دراصل مجھے اسائنمنٹ پر کام کرنا تھا۔"

"اس کی فکر تم نہ کرو۔ تم ایڈ دو۔ میں تمہاری اسائنمنٹ کمپلیٹ کر دوں گا۔"

"تھینکس دامیان۔ تم بہت ہیلپنگ ہو پہلے ہی میرے لیے بہت کر رہے ہو۔ میں خود کر لوں گی۔" للی نے سہولت سے منع کر دیا تھا۔ دامیان نے سر ہلا دیا تھا۔

"میں نے ممی کو تمہارے آنے کے بارے میں بتا دیا تھا۔ انہوں نے تمہیں کل رات ڈنر پر انوائیٹ کیا ہے۔" دامیان نے مطلع کیا تھا۔

"تمہارے ممی ڈیڈی کتنے نائس ہیں نا۔" وہ مسکرائی تھی۔ "تمہاری ممی کھانے مزے کے بناتی ہیں۔ جانے سے پہلے ان سے ضرور سیکھ کر جاؤں گی اور ان سے ساڑھی باندھنا بھی مجھے سیکھنا ہیں تمہاری ممی بہت فٹ دکھتی ہیں۔" دامیان ماں کی تعریف سن کر مسکرایا تھا۔

"تم بھی اچھی ہو مگر بہت جلد پریشان ہو جاتی ہو۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ ویسے کیا بہت جلد جانے کا پلان ہے تمہارا۔"

"شاید واپس تو جانا ہی ہے۔ یہاں ہمیشہ کے لیے تو نہیں آئی۔ میری تلاش میرا مقصد ہے اور یہ بات تم جانتے ہو۔" وہ شانے اچکا کر بے فکری سے بولی تھی۔ دامیان نے سر ہلا دیا تھا۔

"[illegible] کھانا تیار ہے۔ اس کے بعد [illegible] ڈرائیو پر چلیں گے؟" وہ مسکرائی تھی۔

"نہیں آج نہیں میں ڈنر کر کے گھر سے نکل جاؤں گا۔ آج ایک اہم میٹنگ ہے ورنہ ڈیڈی ناراض ہوں گے۔" وہ بولا تھا اور پھر قدم ڈائننگ روم کی سمت بڑھا دیے تھے۔

○......☆......○

زائرہ ملک نے دروازہ کھولا تھا اور گھر کی دہلیز پر تیمور تغلق اور سدرہ تغلق کو کھڑے دیکھ کر چونکی تھیں۔

"کیا ہم اندر آ سکتے ہیں۔" تیمور تغلق نے بہت سلجھے ہوئے انداز میں پوچھا تھا۔ انہیں اندر نہ بلانے کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا سو زائرہ ملک نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ وہ اندر بڑھ آئے تھے۔ زائرہ ملک نے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"راحت ابا سے کہو کچھ مہمان آئے ہیں۔ یہیں لیونگ روم میں آ جائیں۔" ملازمہ سے نانا کو بلانے کے لیے کہا تھا اور خود ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی تھیں کچھ دیر خاموش رہی تھیں۔ پھر مسز تغلق نے بولنے کا قصد کیا تھا۔

"ہم معارج تغلق کے پیرنٹس ہیں۔ میرا نام سدرہ تغلق ہے اور یہ میرے ہزبینڈ تیمور تغلق، ہم آپ سے بچوں کے لیے بات کرنا چاہ رہے تھے۔" مسز تغلق نے جیسے تمہید باندھی تھی۔ تبھی نانا چلتے ہوئے آئے تھے اور زائرہ ملک کے برابر میں بیٹھ گئے تھے۔



### اقوال زریں

◆ زندگی بہت ہی مختصر ہے اسے بوریت میں ضائع نہیں کیا جا سکتا۔
(نطشے)

◆ انسان آنسوؤں اور مسکراہٹوں کے درمیان لٹکا ہوا ایک پینڈولم ہے۔
(بائرن)

◆ لوگ موت سے ڈرتے ہیں لیکن ایک تہائی زندگی سو کر گزار دیتے ہیں۔
(بائرن)

◆ ہر آدمی صرف یہی سمجھتا ہے کہ موت صرف دوسروں کے لیے ہے۔
(ایڈورڈ ینگ)

◆ اگر دنیا میں ایک بھی محبت کرنے والا دل باقی نہ رہے تو آفتاب اپنی حرارت کھو بیٹھے۔
(تھیلر)

◆ میرا مشورہ ہے کہ آپ منٹوں کا خیال رکھیں گے تو گھنٹے اپنا خیال خود رکھیں گے۔
(اسٹین ہوپ)

◆ جو شخص اپنے علاقے سے باہر نکل کر دنیا کو نہیں دیکھتا وہ تعصب سے بھرا رہتا ہے۔
(گولڈونی)

◆ محنت اور ہنر مندی کے آگے کچھ بھی ناممکن نہیں۔ اگر لگن ہو تو [illegible] جاتے ہیں اور اگر [illegible] تو آدمی خود [illegible] لگتا ہے۔
(چین تنگ)

(غزل سیال۔ پیر کوٹ سدھانہ)

"یہ میرے والد ہیں ریٹائرڈ بریگیڈیئر میرے ساتھ ہی رہتے ہیں۔"

"ان کا کالم تو اکثر ہم پڑھتے رہتے ہیں۔" مسز تغلق نے ملائمت سے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ ان کی گفتگو سے پتا چل رہا تھا دونوں بہت سلجھے ہوئے مزاج کے تھے۔ نانا نے سر ہلا دیا تھا۔

"کچھ سیاست سے انٹرسٹ ہے تو کبھی کبھی لکھ ڈالتے ہیں اور آپ کو کون نہیں جانتا۔ آپ کی پچھلی گورنمنٹ کی حمایت میں تو میں نے کئی کالمز لکھے تھے۔"

"جی میں انہی کی بات کر رہا ہوں کئی بار سوچا پرسنلی آپ سے ملوں اور تھینکس کہوں مگر نہیں کر سکا کہ مصروفیت ہی اس قدر ہیں۔ آپ تو جانتے ہیں وزارت سنبھالنا آسان کام نہیں۔ بندہ حکومت میں ہو تو سر اٹھانے کا بھی ٹائم نہیں ملتا۔" تیمور تغلق مسکرائے تھے۔

"جی سمجھتا ہوں آپ کی گورنمنٹ نے کچھ اچھے کام کیے تو لکھ دیے اگر کوئی برائی ہوتی تو تب بھی لکھنے سے نہ چوکتا۔ ہم تو سچائی کا ساتھ دیتے ہیں۔ ڈیموکریسی کا مطلب یہی آزادی تو ہے۔"

"بہتر فرما رہے ہیں آپ ہم یہاں بچوں کے سلسلے میں بات کرنے آئے تھے۔" تیمور تغلق بہت

پڑھے لکھے آدمی تھے۔ بات کرنے کا طریقہ جانتے تھے۔

"آپ لوگوں کو یہاں معارج تغلق نے بھیجا؟" زائرہ ملک نے پوچھا تھا۔

"نہیں انہوں نے ہمیں نہیں بھیجا ہم خود یہاں آئے ہیں اگرچہ انہوں نے بات ہم سے شیئر کی تھی اور ہمارے علم میں آ گیا تھا مگر آنے کا فیصلہ ہمارا اپنا ہے ہمیں صورت حال کی سنگینی کا اندازہ ہے۔ جو ہوا یقیناً نہیں ہونا چاہیے تھا مگر بچوں کا مزاج مختلف ہوتا ہے ہم بڑے مصلحت پسندی سے سوچتے ہیں اور اقدام کرتے ہیں مگر نئی نسل کی سوچ اور طریقہ ہم سے مختلف ہے۔ جلد بازی میں چھوٹی موٹی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں مگر وہ خود کو حق پر محسوس کرتے ہیں جب کہ درحقیقت وہ غلط ہوتے ہیں۔ انہیں غلط ثابت کرنے کے لیے ان سے الجھنا مناسب نہیں کیونکہ بات کو مزید طول دینا اور بڑھانا اس سے کوئی حل نہیں نکلتا مگر صورت حال مزید سنگین ہوتی جاتی ہے۔ ہم مانتے ہیں معارج تغلق سے غلط ہوا اس نے جو کیا وہ غلط کیا۔ ہم اس کی غلطی کو تسلیم نہیں کر رہے مگر ہم بچوں کی غلطیوں کو سدھار سکتے ہیں اور انہیں ایسا کرنا ایک صحیح راہ دکھا سکتا ہے تو۔ ہمیں ایسا ضرور کرنا چاہیے۔ میں معارج تغلق کے حق میں بات کر رہا ہوں نہ اس کی غلطی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ہماری اپنی بھی ایک بیٹی ہے۔ ہم بیٹی کی عزت سے واقف ہیں بھی جب بات ہمارے علم میں آئی تو ہم نے یہاں آنے میں دیر نہیں کی۔ آپ کی بچی انانیا ہمیں ہماری اپنی بیٹی جیسی لگتی ہے۔ اس کی ریسپکٹ اتنی ہی ہے جتنی ہماری اپنی بیٹی کی ہے۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ کی بیٹی اب معارج کے نکاح میں ہے اور اس ناتے وہ ہمارے گھر کی بہو اور عزت ہے اور ہم اپنی عزت کی حفاظت کرنا خوب جانتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں آپ لوگ غم و غصے کا شکار ہیں اور فی الحال [illegible] اس معاملے کو بھی معاملہ رہنے دیجیے اسے عدالتوں میں مت اٹھایئے ہمارے گھر کی عزت عدالتوں میں چکر کاٹے اور اخبارات اچھالیں ہمیں یہ مناسب نہیں لگتا۔ اگر انانیا کی جگہ ہماری اپنی بیٹی ایشاع بھی ہوتی تو ہم یہی فیصلہ لیتے اور اگر آپ لوگوں کی جگہ ہم ہوتے تب بھی ایسا ہی فیصلہ کرتے۔"

"آپ لوگ چاہتے کیا ہیں کھل کر کہیے؟" نانا نے پُرسکون انداز میں ساری تمہید سن کر کہا تھا۔

"ہم چاہتے ہیں آپ اس معاملے کو عدالت میں نہ اٹھائیں اور ایسا ہم اپنے سیاسی اثر و رسوخ کو بچانے کے لیے نہیں کہہ رہے نہ اپنے بیٹے کے کیے پر پردہ ڈالنے کے لیے بلکہ صرف اس لیے کہ ہم انانیا کو اپنے گھر کی عزت مانتے ہیں اور نہیں چاہتے ہماری بچی پر کوئی انگلی اٹھائے اور معاملات کو ڈسکس کرے یا ایک نجی معاملہ ایک الجھا ہوا کیس بن کر پبلک پراپرٹی بن جائے ہر کوئی نکتہ چینی کرے اور انگلی اٹھائے۔ عزت کی اہمیت ہم بھی جانتے ہیں ہم تغلق خاندان انانیا ملک کو اپنے گھر کی عزت مانتے ہیں۔ بیٹی مانتے ہیں، اپنی بہو مانتے ہیں اور اسے اپنے گھر عزت سے لے جانے کی اجازت چاہتے ہیں۔"
تیمور تغلق نے پُرسکون لہجے میں مدعا بیان کر کے ان کی سمت دیکھا تھا۔

"ٹھیک ہے آپ ہمیں سوچنے کے لیے ٹائم دیجیے۔ ہم آپ کو بتا دیں گے۔" نانا نے متانت سے کہا تھا۔



امید

- امیدوں کے سہارے زندہ رہنا اور جینا خود کو دھوکہ دینا ہے۔
- بندے کو اپنے مالک کے سوا کسی سے امید نہیں رکھنی چاہیے۔
- اپنے گناہوں کے سوا کسی سے نہیں ڈرنا چاہیے۔
- عاقل اپنے عمل اور جاہل اپنی امیدوں پر بھروسہ کرتا ہے۔
- بری عورت سے وفا اور محبت کی امید رکھنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ جگنو کی آگ سے دیا روشن کرنا۔
- اس سے بڑھ کر بے وقوفی نہیں ہو سکتی کہ آگ کا بیج بوؤ اور جنت کی امید رکھو۔
- فضول امیدوں پر بھروسہ مت کرو۔ یہ احمقوں کا سرمایہ ہے۔
- ہمیں ناامید، مایوس اور پست نہیں ہونا چاہیے۔
- اسی لیے امید پر دنیا قائم ہے۔
- امید ایک چیز ہے جس میں انسان اپنے اعمال، عمل کا بھروسہ رکھتا ہے۔ امید ہے تو انسان اس پر قائم ہے۔

(اریج سحر۔ چوتالہ جہلم)

"بریگیڈیئر صاحب! ہم نہیں چاہتے بچے مزید غلطیاں کریں اور معاملات مزید بگڑیں۔ اگر معارج تغلق نے ایک فیصلہ مسلط کیا تو ری ایکشن کے طور پر انانیا بی بی نے کیس درج کروا دیا۔ اگرچہ جانتے [illegible] جانتے ہیں دوسری بات یہ سیاسی معاملہ نہیں ہے نا ہی ہمارا ارادہ اسے دبانے یا بند کروانے کا ہے۔ معاملات دو خاندانوں کی عزت کا ہے۔ ایک بچی کی عزت کا ہے اور یہ سب سے بڑھ کر ہے۔ جو ناانصافی ہوئی ہے اس کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں آپ ہم پر اعتبار کر سکتے ہیں۔ ہم انانیا کو ایشاع جتنا پیار دیں گے اور اس گھر میں وہ سیاہ و سفید کی مالک ہوگی ہم اسے سر آنکھوں پر بٹھائیں گے۔ مکمل عزت و احترام کے ساتھ اسے تغلق پیلس میں لے جانے کی اجازت مانگ رہے ہیں ہمیں مایوس مت کیجیے۔"

"مگر پھر بھی ایک دوسرے سے مشورہ کرنے کے لیے کچھ تو ٹائم دیجیے۔" زائرہ ملک جو کب سے خاموش بیٹھی تھیں بولی تھیں۔ تبھی راحت چائے کے ساتھ لوازمات لے کر آ گئی تھی۔ چائے سروکی گئی تھی۔ اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی دونوں خاندانوں کی طرف سے ایک متانت پسندی کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔ ایک سلجھا ہوا انداز اپنایا گیا تھا۔ اس کی وجہ یقیناً دونوں فیملیز پڑھی لکھی اور سلجھے ہوئے مزاج کی حامل تھیں۔

"انانیا کہاں ہے؟ کیا میں اپنی بیٹی سے مل سکتی ہوں؟" سدرہ تغلق ملائمت سے مسکرائی تھیں۔

"وہ ابھی آفس سے آئی ہے اپنے کمرے میں ہے۔" زائرہ ملک زمانہ شناس تھیں۔ ان کے طور طریقے انہیں بہت مہذب لگ رہے تھے۔ وہ ان کی نرمی اور انکساری سے متاثر ضرور ہوئی تھیں۔ اگر

معارج تغلق نے ایسا اقدام نہیں اٹھایا ہوتا اور سیدھے سے پروپوزل بھجواتا تو وہ سب سے زیادہ اس کی حمایت کرتیں مگر اب معاملہ مختلف تھا اور بات انابیہ کی مرضی کی بھی تھی۔ اس سے پوچھے بنا وہ کوئی فیصلہ لینا نہیں چاہتی تھیں۔ بھی چاہتی تھیں کہ اگر مسز تغلق اس سے ملنا چاہتی ہے تو وہ اسے ملنے دیں۔

وہ انہیں لے کر انابیہ کے کمرے تک لائی تھیں۔

"کیا میں اکیلے میں انابیہ سے مل سکتی ہوں؟" سدرہ تغلق نے ملائمت سے کہا تھا۔ زائرہ ملک نے سر ہلایا تھا اور واپس پلٹ گئی تھیں۔

مسز تغلق نے دروازے پر دستک دی تھی۔ دروازہ کھلا تھا اور انابیہ مسز تغلق کو اس لمحے اپنے سامنے دیکھ کر چونک پڑی تھی۔

"آپ......؟"

"اندر آنے کے لیے نہیں کہو گی؟" ان کا انداز بہت نرم تھا۔ بالکل ممی جیسا۔ وہ ان سے کسی رُوڈنس کا مظاہرہ نہیں کر سکی تھی۔ ایک طرف ہوئی تھی اور ان کے لیے اندر آنے کی راہ چھوڑ دی تھی۔ مسز تغلق نے کمرے کا طائرانہ جائزہ لیا تھا۔ انابیہ نے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا اور وہ کاؤچ پر بیٹھ گئی تھیں۔

"انابیہ بچے آپ ہمارے گھر آتی جاتی رہی ہیں۔ آپ گھر کے ماحول سے طور طریقوں سے اور مزاج اور اسلوب سے اچھی طرح واقف ہیں۔ آپ جانتی ہیں ہمارے یہاں کوئی بھی ایسا نہیں جو دوسروں کو تکلیف پہنچا کر خوشی محسوس کرے یا کسی کے خلاف سازش کر کے سکون کی نیند سو جائے۔ ہمارے یہاں ملازموں کی تکلیف کا احساس بھی کیا جاتا ہے۔ اگر انہیں گھاؤ لگے تو مرہم رکھا جاتا ہے۔ اگرچہ میں نے [illegible] امور نبھا سکتی ہو اور مجھے فخر ہو رہا ہے کہ تم جیسی لڑکی میرے گھر کی بہو ہو گی۔" وہ کیا کہہ رہی تھیں۔ بنا تمہید کے کیا بول رہی تھیں۔ انابیہ کی سمجھ میں پورے طور پر نہیں آیا تھا۔

"انابیہ ہم معافی مانگنے آئے ہیں۔ ہمیں معاف کر دو۔ جو بھی معارج نے کیا، ہم مانتے ہیں غلط کیا۔ مگر ہم اس کا ازالہ چاہتے ہیں۔ مداوا کرنا چاہتے ہیں۔ ہم آپ کو اپنی بیٹی بنا کر تغلق محل لے جانا چاہتے ہیں۔"

"جی......؟" وہ حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ "آپ......" اس نے بولنے کے لیے لب کھولے تھے۔ مسز تغلق نے ہاتھ اس کے سامنے باندھ دیے تھے۔

"گناہ یا غلطی جتنی بھی بڑی ہو اس کی تلافی ہوتی ہے اور معافی بھی۔ ہم ہاتھ جوڑ کر آپ سے اپنے بیٹے معارج کی غلطی کی معافی چاہتے ہیں۔ اس نے جو کیا بہت غلط طریقے سے کیا اور جلد بازی میں کیا۔ اگر وہ ہمیں اپنے دل کی بات بتا دیتا تو یقیناً ہم یہاں آ کر خود رشتہ مانگتے۔ مگر اس نے ہمیں موقع نہیں دیا۔ تھوڑا جلد باز ہے۔ اپنے طریقے سے چیزوں کو کرنا چاہتا ہے مگر اس کا دل برا نہیں ہے۔ میرے بیٹے کا دل بہت سچا ہے۔ پلیز اس کی غلطی کے لیے اسے اور ہمیں معاف کر دو۔ میں اسے جانتی ہوں وہ کسی کو



یہی سچ ہے

☆ کسی آدمی کو اپنی بساط سے زیادہ مل جائے تو پھر لوگوں کے ساتھ اس کا برتاؤ برا ہو جاتا ہے۔
☆ ہر جملہ خوب صورت ہے اگر وہ ہماری امیدوں کے مطابق ہو۔
☆ بعض لوگ جہاں جاتے ہیں اپنے ساتھ خوشیاں لے جاتے ہیں اور بعض لوگوں کے چلے جانے سے خوشی ہوتی ہے۔
☆ محبت اس سے نہیں کی جاتی جو خوب صورت ہو۔ خوب صورت وہ ہے جس سے محبت ہو۔
☆ دوست کو اپنے معاملات سے اتنا ہی آگاہ کرو کہ اگر وہ دشمن ہو جائے تو تمہیں نقصان نہ پہنچا سکے۔

(طاہرہ ملک۔ جلال پور پیروالا)

تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔ اس کا ارادہ تمہیں تکلیف پہنچانے کا یقیناً نہیں رہا ہو گا۔" وہ بدستور ہاتھ باندھے بیٹھی تھیں۔ وہ ان کا مزاج جانتی تھی اس کی ممی جیسی تھیں۔ اسے اپنے طور پر شرمندگی ہوئی تھی۔ تبھی اس نے ان کے ہاتھ تھام لیے تھے۔

"پلیز...... آپ ایسا مت کریں۔ میری ماں کی عمر کی ہیں آپ اور میں آپ کی عزت کرتی ہوں۔ مگر......!" اس نے بولنا چاہا تھا مگر...... مسز تغلق نے ہاتھ اٹھا کر اسے باز رکھا تھا۔

"کیا چاہتی ہیں آپ؟" انابیہ نے جیسے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"ہم آپ کو لینے آئے ہیں۔ گھر لے جانا چاہتے ہیں، اپنی بیٹی بنا کر۔ ایشاع کے بعد گھر سونا ہو گیا ہے [illegible] اگرچہ میں معارج تغلق کو سزا دینا چاہتی ہوں مگر میرا دل اس کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ کہیں نہ کہیں میں اس کے دل سے واقف ہوں۔ میرا ارادہ اس کی غلطی کو دبانا نہیں ہے مگر مجھے سچ میں ایشاع کے بعد ایک بیٹی کی ضرورت ہے۔ اس کی کمی کو پورا کرنے کے لیے اور گھر میں اس کا خلا بھرنے کے لیے اور کسی بھی طریقے سے سہی خدا نے میری وہ خواہش پوری کر دی۔ کیا آپ میرے ساتھ ہمارے گھر چلیں گی؟ ہمیں...... معارج کو، تغلق محل کو، سب کو آپ کی بہت ضرورت ہے۔ میں چاہتی ہوں آپ دل صاف کر لیں اور کھلے دل کا مظاہرہ کرتے ہوئے۔ معارج کی غلطی کو معاف کر دیں، گھر چلیں۔" مسز تغلق کہہ رہی تھیں اور اس پر جیسے چاروں طرف سے راہیں تنگ ہو رہی تھیں۔ وہ ساکت سی انہیں دیکھ رہی تھی۔

"پکنک کا پلان اور وہ بھی بیچ پر؟ وہ بھی موسم سرما میں؟ تم لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" اہلیتا نے احتجاجی انداز میں کہا تھا۔

"تمہارے اندر کی بڈھی روح کب بدلے گی لڑکی؟ کیا بُرائی ہے۔ یار ساؤتھ افریقہ کے اسٹڈی ٹور کا پلان تم نے رد کر دیا، حالانکہ وہاں تو اس وقت شاندار گرمی پڑ رہی ہے۔ اگر گرمی کا موسم اتنا ہی پسند تھا تو تم نے آسٹریلیا جا کر کرکٹ میچز کی ہامی کیوں نہیں بھری کرکٹ تو تمہیں بھی پسند ہے اور آسٹریلیا کا موسم

تمہارا آئیڈیل موسم ہے۔ ساؤتھ افریقہ بھی گرم ہے ان دنوں۔" یاسر نے اس کے نا کہنے پر بھرپور احتجاج کیا تھا۔

"ایکسل یار آہستہ بول تو ابھی ابھی پیٹ کی بیماری جھیل کر ٹھیک ہوا ہے۔ کبھی کبھی زیادہ احتجاج کرنے سے بھی ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے۔" دامیان نے کہا تو وہ مسکرائے بنا نہیں رہ سکے تھے یاسر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا تھا۔

"آسٹریلیا جا کر کرکٹ میچز دیکھنے کا اور ساؤتھ افریقہ اسٹڈی ٹور کا پلان تو گزر گیا۔ اب موجودہ پلان ہے۔ "پکنک آن دا بیچ" اب اس میں کیا برائی ہے؟ کراچی میں زیادہ سردی پڑتی ہے کیا؟ دن بھر کا موسم تو نارمل سا ہوتا ہے۔ ہم سورج ڈھلنے سے پہلے واپس آسکتے ہیں۔" دامیان نے صلاح دی تھی۔

"یہی بات میں بھی کہہ رہا تھا۔" یاسر نے احتجاج کیا تھا۔

"ہاں مگر تم نے اتنی تفصیل میں بات نہیں سمجھائی تھی۔" پارسا نے کہا تھا۔ دامیان نے اناہیتا کی جانب دیکھا تھا۔

"اب کہو انارکلی۔ کیا پلان ہے؟ آسٹریلیا اور ساؤتھ افریقہ جانے کا چانس تو ہم مس کر چکے...... یہ چھوٹی سی پکنک کا پلان خراب مت کرو یار۔"

"دامیان ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ٹھنڈ اتنی نہیں ہے۔ سورج ڈھلنے کے بعد ہی کچھ ٹھنڈ ہوتی ہے اور سورج جانے سے پہلے واپس آیا جا سکتا ہے۔" للی بھی وہیں موجود تھی اور فون پر بزی تھی۔

"ٹھیک ہے...... ہم پکنک کے لیے جائیں گے، وہ بھی بیچ پر...... خوش؟" سب کی طرف دیکھ کر جیسے [illegible] اعلان کیا تھا۔ سب کے چہرے مسکرائے تھے اور [illegible] وہ [illegible] وہاں سے نکل گئی تھی۔

دامیان شاہ سوری نے اس کا وہاں سے اٹھ کر نکل جانا صاف محسوس کیا تھا۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو شاید وہ بحث کرتی۔ مزید وضاحتیں دیتی۔ مگر اتنی آسانی سے ہتھیار ڈال دینا......؟ اناہیتا ایسی نہیں تھی اسے فوری طور پر اٹھ کر اس کے پیچھے جانا اچھا نہیں لگا تھا مگر جونہی للی فون پر بزی ہوئی تھی وہ اٹھا تھا اور اس کے پیچھے نکل آیا تھا۔

"آج کل تم کچھ زیادہ سنسیٹیو نہیں ہو رہیں؟ بات بات پر اوور ری ایکٹ کرتی ہو۔" لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے اس کے ساتھ قدم ملانے کی کوشش کی تھی۔ وہ رکی تھی۔ اسے دیکھا تھا اور دوبارہ چل پڑی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ مجھے وہاں گھٹن ہو رہی تھی۔ سو میں وہاں سے اٹھ کر چلی آئی۔"

"تمہیں وہاں گھٹن کیوں ہو رہی تھی؟ کیونکہ للی وہاں تھی؟" وہ اس کے چہرے کو جیسے جانچتے ہوئے بولا تھا۔

"پاگل ہو گئے ہو تم؟ میں اس کی کیئر کیوں کرنے لگی؟ اس کی موجودگی سے مجھے فرق کیوں پڑنے لگا؟ مجھے کوئی پرابلم نہیں ہے۔" اس نے سختی سے تردید کی تھی۔



باتوں سے خوشبو آئے

- شرم کی کشش حسن سے زیادہ ہے۔
- مضبوط ارادے ماں بناتی ہے۔
- غم اس وقت کرو جب مسرت حد سے بڑھ جائے۔
- خاموشی اسٹور میں جمع شدہ عقل مندی ہے۔
- کامیاب انسان بننے کے لیے ہمیشہ وقت کی دہلیز کو عبور کرنا پڑتا ہے۔
- داناؤں کی زبان میں خدا کی طاقت ہے۔
- کسی کے ایمان کا اندازہ اس کے وعدہ سے لگاؤ۔
- کم گو کم خور اور بے آزار ہمیشہ خوش، سلامت اور مصیبتوں سے دور رہتا ہے۔
- اگر تم غلطیوں کو روکنے کے لیے دروازے بند کر دو گے تو سچ بھی باہر رہ جائے گا۔
- کام کرو کیونکہ کام سے غلطی، غلطی سے تجربہ اور تجربہ سے ہی عقل آتی ہے۔
- مذاق میں بھی بات سوچ سمجھ کر کرنی چاہیے تاکہ کسی کا دل نہ دکھے۔

فرزانہ شوکت...... کراچی

"کینٹین چل کر کافی پئیں؟" موسم سرما کی ہلکی پھوار شروع ہوتے دیکھ کر دامیان سوری نے ملائمت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

[illegible]

"نہیں ہے...... آپ کے ساتھ رہنا، آپ کو سنبھالنا بھی تو ایک کام ہے۔" وہ نرمی سے کہتا ہوا مسکرایا تھا۔

"میں آپ کی ذمے داری نہیں ہوں۔ آپ جا کر للی کو سنبھالیے۔" بوچھاڑ میں بھیگتی ہوئی وہ بے فکر چل رہی تھی۔ اپنی من مانی کرتی، بالکل کوئی بچی جیسی۔

دامیان نے اسے کلائی سے پکڑ کر ایک دم کوریڈور کی طرف کھینچ لیا تھا۔ اسے بوچھاڑ سے بچانے کا اس سے بہتر طریقہ نہ تھا مگر جس سرعت سے اس نے اسے کھینچا تھا اس سے وہ بے توازن ہو کر اس کی سمت کھنچتی چلی گئی۔ فوری طور پر سمجھ نہیں آیا تھا۔ اندازہ نہیں ہوا تھا کہ کیا ہوا ہے۔ وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ پھر ایک دم اسے پرے دھکیل دیا تھا۔

"وہاں بارش میں بھیگتی ہوئی بالکل پاگل لگ رہی تھیں آپ، اندازہ نہیں ہے آپ کو، بیمار پڑ جاتیں تو؟ اور اتنا احتجاج کس بات پر؟ ایسا کیا ہو گیا؟ آپ کے غصے کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آ رہی......" وہ الجھ کر بولا تھا۔ اناہیتا بیگ نے اس سے قطع نظر کہ وہ کیا کہہ رہا ہے ڈانٹ ڈپٹ رہا ہے۔ اپنی کلائی پر نظریں مرکوز کی تھیں۔ جہاں انگلیوں کے نشان آگئے تھے۔ دامیان شاہ سوری کو اندازہ ہوا تھا۔ تبھی اس کی کلائی تھام کر اسے بغور دیکھا تھا۔

''آئی ایم سوری......'' اس کا لہجہ معذرت چاہتا تھا۔
''دیکھا...... کہا تھا نا بارش میں واک مت کرو۔ مگر تمہیں تو کسی کے کہے کا احساس ہوتا نہیں۔ دیکھو اب کانپ رہی ہو نا۔ تم کسی کی سنتی بھی ہو؟ عجیب ہٹ دھرم ہو نا رگلی اور شکوے دوسروں سے کرتی ہو۔''
دامیان دو قدم بڑھا کر اس کے قریب رکا تھا۔ وہ اس کی جانب سے پشت کیے کھڑی تھی۔ اس کی موجودگی پشت پر محسوس کرلی تھی مگر کچھ بولی نہیں تھی، نہ پلٹی تھی۔
دامیان شاہ سوری نے اپنی جیکٹ اُتاری تھی اور بہت آہستگی سے اس کے شانوں پر رکھ دی تھی۔
''تمہیں کیوں لگا کہ تم ہمیشہ میری مخالفت کرتی ہو جب کہ للی حمایت؟'' دامیان شاہ سوری نے اسے کہتے ہوئے چونکا دیا تھا۔
''آپ سے کس نے کہا کہ میں نے کچھ ایسا سوچا؟'' وہ پلٹ کر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ دامیان نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔
''آپ اپنی آنکھوں کو جھوٹ بولنا سکھا سکتی ہیں تو سکھا دیں۔ آپ کی مرضی کے خلاف یہ آپ کی مخالفت کرتی ہیں۔'' وہ جیسے اس کی آنکھوں پر لکھی کہانیاں صاف پڑھنے کی سکت رکھتا تھا۔
''کیا بکواس ہے یہ؟'' اس نے گھورا تھا مگر وہ بنا کچھ کہے اسے گویا جھلاتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔
''آپ کے احتجاج کے طریقے بڑے انوکھے ہیں آپ کو رنگے ہاتھوں پکڑوا دیتے ہیں۔ بہت جلد بازی کا مظاہرہ کرتی ہیں آپ۔ ڈھنگ سے کچھ چھپا بھی نہیں سکتیں۔ یہ ٹھیک نہیں نا؟ جب کہ آپ کچھ چھپانا بھی چاہیں؟'' وہ اسے شرمندگی میں مبتلا کرتے ہوئے مسکرایا تھا۔
[illegible]
''للی کے پاس کیوں؟ آپ کے پاس کیوں نہیں؟ آپ کو میں سپائے لگتا ہوں؟'' آنکھوں میں جھانکا تھا۔
''ہوں گے...... مجھے کیا۔'' اس نے نظریں پھیرتے ہوئے شانے اُچکا دیے تھے۔ جیسے کوئی واسطہ نہ ہو۔
دامیان نے اسے شانے سے تھام کر اس کا رُخ اپنی طرف پھیرا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ غالباً وہ کچھ کہنے کا قصد کررہا تھا تبھی للی نے راہداری کے کنارے پر کھڑے ہوکر اسے پکارا تھا۔ وہ چونکا تھا۔ آواز کی سمت راہداری کے کنارے پر کھڑی للی کی سمت دیکھا تھا اور پھر ''ایکسکیوز می'' کہتا ہوا تیزی سے انابیا سے دور جانے لگا تھا۔
انابیا اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی تھی پھر پلٹ کر کینٹین کی سمت بڑھنے لگی تھی۔ وجود بہت سرد لگ رہا تھا اور ایسے میں کافی کی ضرورت تھی۔



معلومات حضرت آدم علیہ السلام

- سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔
- آپ کی پیدائش کا دن جمعتہ المبارک ہے۔
- آپ کو ابوالبشر کہا جاتا ہے۔
- حضرت حوا کو آپ کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔
- سب سے پہلے بیت اللہ کی تعمیر آپ نے کی۔
- آپ کی زبان عربی ہے۔
- آپ نے دنیا میں سب سے پہلی غذا گندم کی روٹی کھائی۔
- آپ کے بیٹے کا نام قابیل تھا۔
- دنیا میں سب سے پہلے آپ نے اپنا سر منڈوایا۔
- دنیا میں سب سے پہلے پرندہ آپ نے پالا۔
- حضرت آدم پر دس صحیفے نازل ہوئے۔
- دنیا میں سب سے پہلے روزہ آپ نے رکھا۔
- آپ ہر مہینے تین روزے رکھتے تھے۔
- آپ کا قد ساٹھ (60) گز تھا۔
- آپ نے دنیا میں پہلا پھل ''بیر'' کھایا۔
- [illegible] آپ کی داڑھی ناف کے برابر [illegible]
- دنیا میں سب سے پہلے درہم و دینار آپ نے بنائے۔
- آپ کی وفات کا دن بھی جمعتہ المبارک ہے۔

عاشی...... فیصل آباد

وہ راکنگ چیئر پر چپ چاپ بیٹھا تھا۔ جب کچھ دور قدموں کی چاپ ہوئی تھی۔ معارج تغلق نے گردن کا رُخ موڑ کر دیکھا تھا۔ وہاں قدرے نیم تاریکی میں ایک ہیولا کھڑا دکھائی دیا تھا، وہ چونکا نہیں تھا۔ کچھ دیر تک اس ہیولے کے خود تک آنے کے انتظار کی کیفیت میں مبتلا بیٹھا رہا تھا مگر اس کی جانب سے جب کوئی پیش قدمی نہیں ہوئی تھی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اس نیم تاریکی میں کھڑے وجود کی سمت پیش قدمی کردی تھی۔
وہ چہرہ، وہ خدوخال، اسے بھولے نہیں تھے۔ وہ قریب جا کر چھو کر یقین کرنے کے مرحلے سے گزرنا ضروری نہیں خیال کرتا تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے بھی اگر چلتا تو اس کی خوشبو محسوس کرکے اسے پہچان لیتا۔
وہ وہی تھی
اس کی خفا خفا سی زندگی
اس سے بیگانگی برتنے کے جتن کرتی اور اس کی سمت کھنچتی

وہ وہی تھی...... وہ چہرہ...... وہی خدوخال...... وہی تمکنت...... وہ ہار نہ ماننے والا انداز...... وہی مات کرتی آنکھیں...... اپنے ساتھ باندھتی ایک کشش...... وہ وہی تھی!

معارج تغلق نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو بہت آہستگی سے چھوا تھا۔ جیسے وہ اپنے طور پر یقین کر رہا تھا۔ وہ ساکت سی بت بنی کھڑی تھی مگر جیسے ہی اس نے اس کے چہرے کو چھوا تھا۔ اس نے جیسے احتجاج کرتے ہوئے چہرے کو آہستگی سے پھیر لیا تھا۔

"آپ کیا یونہی ہمیشہ اجنبی رہیں گی؟ چاہے آپ کی آنکھوں کی روشنی ایک لکیر کھینچے اور میرے اور آپ کے درمیان ایک ربط بنا ڈالے آپ پھر بھی انکاری رہیں گی۔ یہاں...... میرے سامنے کھڑی ہیں مگر...... جیسے آپ کو میری ان دھڑکنوں سے کچھ لینا دینا نہیں۔ شاید آپ کا بس چلے تو میرے اس دل کی بوند بوند نچوڑ لیں اور دھڑکنوں کو روک دیں۔ ایسے ہی گلے ہیں نا آپ کو مجھ سے؟" اس کے چہرے کا رُخ اپنی طرف پھیر کر وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا تھا۔ مگر اس ساکت وجود سے کوئی ری ایکشن نہیں ہوا تھا۔

"شاید مجھے سمجھنے میں کہیں کچھ غلطی ہوئی۔ آپ ٹھیک کہتی تھیں ہم دو الگ دنیاؤں کے لوگ ہیں۔ ہمارے ستارے نہیں ملتے۔ آج نہیں لگ رہا ہے۔ اک پل کو اور اک ہوا ہے، شاید میں غلط تھا۔ آپ ٹھیک تھیں۔ آپ کو مجھ سے جتنے بھی شکوے تھے گلے تھے، وہ بجا تھے، آپ حق پر تھیں مگر میں کیا کروں؟ کوئی چیز ہے جو کہیں نہ کہیں مجھ سے آپ کو باندھتی ہے، مجھے آپ سے باندھتی ہے۔ ایک ان دیکھی ڈور، جو دکھائی نہیں دیتی مگر محسوس ہوتی ہے۔ ایک انجان سی کشش میں محسوس کرتا ہوں جو اپنے مدار کے گرد [illegible] لازم ہو سکتے ہیں۔ میرے لیے آپ کتنی ضروری ہیں یا میں آپ سے کیا ناتہ رکھتا ہوں اس کے بارے میں، میں نہیں جانتا۔ مگر میں پچھتاوا کرنے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی احساس جرم میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔ میں خود کو غلط نہیں سمجھ سکتا۔ چاہے آپ میرے خلاف کھڑی ہوں یا میرے مخالف چلیں مگر میں خود کو آپ کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے سے باز نہیں رکھ سکتا۔" وہ مدھم سرگوشیوں میں کہہ رہا تھا وہ جو بت سی بنی اس کے مقابل کھڑی تھی اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"آپ کو گیمز کھیلنے کا بہت شوق ہے نا؟" وہ سرد نظروں سے اس کی سمت دیکھتی ہوئی بولی تھی۔ "کبھی لفظوں کے کبھی رشتوں کے؟ دوست کہہ کر پیٹھ میں خنجر گھونپتے ہیں اور کبھی جھوٹ بولنے کی حد کر دیتے ہیں۔ آج آپ کو مجھے یہاں دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہوگی نا؟ دل خوشی سے اچھل کر یہ اتنا بڑا ہو گیا کہ آپ کی مرضی پوری ہو گئی جو آپ چاہتے تھے وہ ہو گیا، میں آپ کے اس گھر کی چھت تلے آ گئی ہوں۔ یہی چاہا تھا نا آپ نے؟ بڑے ہو گئے مگر کھلونوں سے کھیلنے کا کوئی شوق ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ چالیں چلنے کا جنون ہے آپ کو، ساری دنیا کو مٹھی میں دیکھنا چاہتے ہیں۔" اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے شانے پر رکھا تھا۔



"بند کر لیں مجھے بھی اپنی مٹھی میں، فنا کر دیں، بہت تسکین ملے گی نا آپ کے دل کو؟ آپ کی جھوٹی انا کو، توڑنا پسند ہے آپ کو۔ پرلے درجے کے ڈس ٹرکٹیو مائنڈ ہیں آپ، توڑ پھوڑ کے علاوہ آپ کو کچھ نہیں آتا۔ رشتے جوڑنے کی بات کرتے ہیں۔ جانتے بھی ہیں آپ کہ رشتے کیا ہوتے ہیں؟ ایک بے حسی موجود ہے آپ کا دل نہیں ہے اس میں اور میں کیا دبوچوں گی آپ کا دل مٹھی میں اور بوند بوند نچوڑ دوں گی۔ آپ کے پچھتاوے آپ کو پل پل ماریں گے اور آپ کو ان پچھتاوؤں میں گھیر دوں گی میں۔ آپ پر گھیرا تنگ کر دوں گی اور سانس لینا مشکل کر دوں گی۔ میں آپ کو اپنا دوست سمجھتی تھی، اعتبار بھی کرنے لگی تھی مگر آپ چھپ کر وار کرنے والوں میں سے ہیں۔ ایک معصوم سے بھولے جانور کی کھال میں چھپے ایک خطرناک جانور ہیں آپ۔ حیرت ہے آپ کو غلط کرنے کا دُکھ نہیں ستاتا۔ نہ مداوا کرنے کی فکر ستاتی ہے۔ کبھی اندازہ ہوا ہے آپ کو کہ کتنے چھوٹے انسان ہیں آپ؟ کیا مل جائے گا آپ کو مجھے حاصل کر کے؟ آپ کے لیے کیوں میرا حصول ضروری ہو گیا؟ کیوں کہ اس لیے کہ آپ صرف مجھے، میرے اعتماد کو توڑنا چاہتے تھے؟ آپ کو میرا کونفیڈنس اچھا نہیں لگا؟ کتنے دقیانوسی ہیں آپ۔ کتنے قنوطی...... کتنی چھوٹی ہے آپ کی سوچ۔ بس حاصل کر لو۔ بائے ہک اینڈ کروک؟ جیسے بھی؟ کیا میڈ کرتا ہے آپ کے لیے؟ صرف یہی کہ آپ کی خواہشیں اہم ہیں؟ جو آپ کا دل چاہ رہا ہے وہ خاص ہے؟ دل چاہتا ہے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں آپ کا دل۔ مسل دوں، کچل دوں۔ آپ سے نفرت محسوس ہوتی ہے مجھے، اگرچہ میں نے کبھی کسی سے نفرت نہیں کی مگر آپ نے مجھے اب نفرت کا مفہوم سمجھا دیا ہے۔ میرے ساتھ جینے کی خواہش آپ کے دل میں حسرت بن جائے گی اب۔" انا یا ملک کی آنکھوں سے آنسو چپ چاپ بہے [illegible] نکلے تھے۔

معارج تغلق کو یہ دیکھ کر [illegible] اندر بہت تکلیف محسوس ہوئی تھی۔ یہ درد بہت نیا تھا۔ اس سے پہلے اس نے ایسا درد محسوس نہیں کیا تھا۔ جیسے واقعی پل بھر کو اس کا دل مٹھی میں لے کر مسلا تھا۔

ساری جان جیسے مشکل میں گھر گئی تھی۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر انا یا ملک کے چہرے کو چھوا تھا۔

بہت سرد وجود تھا اس کا

ٹھنڈا برف جیسا

"انا یا...... میری بات سنو! میں شاید یہ مدعا ساری عمر نہ سمجھا سکوں تمہیں کہ میں کیا محسوس کرتا ہوں یا مجھے اس گھڑی کتنا درد محسوس ہو رہا ہے۔ تم نہیں سمجھو گی مگر...... تمہارے آنسو مجھے تکلیف دیتے ہیں۔ میرے دل پر گرتے ہیں، تم مانتی نہیں ہو......"

(باقی آئندہ)

# میں کہاں ہوں

غزل صدیقی

نہ اپنا ہوش، نہ دل پر اختیار مجھے
زہے نصیب کہ رہنا ہے بے قرار مجھے
یہ بے خودی ہی کہیں سدِرہ نہ بن جائے
"ذرا سنبھال کے لے چل خیالِ یار مجھے"

مکانی ہوں، کہ آزاد مکاں ہوں
جہاں میں ہوں کہ خود سارا جہاں ہوں
وہ اپنی لامکانی میں رہیں مست
مجھے اتنا بتادے "میں کہاں ہوں"
(علامہ اقبالؒ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ڈیئر آنچل قارئین میں اپنی پہلی کاوش کے ساتھ آپ کی محفل میں حاضر ہوں امید ہے کہ میری کاوش آنچل انتظامیہ اور آنچل قارئین کو پسند آئے گی۔ میری کہانی میرے پاکستان کی کہانی ہے۔ آج جس آگ میں میرا ملک، میرا وطن جل رہا ہے اس آگ کو بجھانا تو بہت مشکل ہے مگر اس ناچیز کی ایک سوچ ہے کہ شاید اس سے یہ آگ کچھ کم ہو۔ وطن عزیز چاروں طرف سے خطرے میں گھرا ہوا ہے۔ ہماری نسل تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے اور ہم خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری خطبہ میں فرمایا تھا کہ اللہ کی رسی (کتاب) کو مضبوطی سے تھامے رہو۔ ورنہ کوئی شک نہیں کہ تم خسارے میں چلے جاؤ گے اور آج دیکھ لیں اُمت مسلمہ خسارے میں ہے۔

ہم نے اللہ کی رسی (دین اسلام) کو چھوڑ دیا ہے۔ آج ہم نے غیروں کی رسموں کو اپنا لیا ہے۔ ہم مسلسل خسارے میں جا رہے ہیں۔ حکمرانوں کی غلط روش، غلط نظام تعلیم، اونچ نیچ کا فرق، جہالت، فیشن، بے روزگاری، دہشت گردی، بم دھماکے، لوٹ مار، قتل و غارت، بھوک و افلاس۔ یہ وہ بیماریاں ہیں جنہوں نے وطن عزیز کو دیمک کی طرح چاٹ کر کھوکھلا کر دیا ہے۔ [illegible] پاکستانی ہیں آج بھی وطن عزیز [illegible] حالات [illegible] کر خون کے آنسو روتے ہیں۔ جہاں ملک بھر تباہی کے دہانے پر ہے۔ وہاں میرا شہر جسے کبھی "ڈیرہ پھلاں (پھولوں) دا سہرا" کہا جاتا تھا۔ آج گھر گھر میں آگ لگی ہے۔ بم دھماکوں میں مرنے والے تو مر گئے، پیچھے چھوڑ گئے ہیں مظلوم مائیں، سسکتی بہنیں، نوبیاہتا دلہنیں، چاند سے معصوم بچے۔ جو آج بھی اپنے اوکا رستہ دروازے پر تکتے ہیں۔ یہ میری اُن ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کی کہانی جو جہالت کی جنگ کا شکار ہوئی ہیں۔ جو آج نہایت بھیانک حالات سے دوچار ہیں۔ جن کے لیے سب سے بڑا مسئلہ ان کی اولاد ہے۔

وہ نہیں چاہتے کہ ان کی اولاد بڑی ہو کر ملک دشمن بنے۔ اگر آج اُم عائشہ اور اُم حبیبہ جیسی سوچ لے کر

کوئی آگے نہ بڑھا تو کل اس ملک کا کیا ہوگا۔ مگر مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ ہمارے ملک سے ان برائیوں کا جلد خاتمہ ہوگا۔ بس آپ سے التماس ہے کہ قلم کی طاقت کو اور علم کی روشنی کو بھی پھیلنے سے رُکنے مت دیجیے گا۔ جس کا جہاں تک بس چلے اپنی سی کوشش ضرور کرے۔ کیونکہ ہمیں ”بارش کا پہلا قطرہ“ بننا ہے اب اپنے کلام کے ساتھ اجازت۔ والسلام

نظر یہ حرص وہوس کا سایہ
کہاں سنو گے یہ بات سچ ہے
تمہارا شیوہ فروغ دہشت
ہماری عادت صدائے حق ہے

غزل صدیقی..... ڈیرہ اسماعیل خان

☆.......☆.......☆

وہ لاؤنج میں بیٹھا اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ بلو جینز، سیاہ شرٹ، گندمی رنگت، سیاہ گہری آنکھیں، ستواں ناک اور رخسار پہ تل وہ کسی ہندی فلم کا ہیرو لگ رہا تھا۔ ناک پر نا تک رہے وہ مستقل اپنے جوتے کو حرکت میں رکھے ہوئے، کالے لکالے اپنے سیاہ بالوں میں ہاتھ گھماتا، کبھی اپنی دراز مونچھیں سنوارتا، وہ عجیب سے اضطراب میں مبتلا تھا۔ لاؤنج کے شرق و غرب میں چار کمرے تھے۔ جنوب کی طرف دائیں ہاتھ سیڑھیاں تھیں اوپر کی منزل کے لیے۔ سیڑھیوں کے ساتھ کچن اور اسٹور بنے ہوئے تھے۔ مغربی دیوار پر دونوں کمروں کے دروازوں کے درمیان جو جگہ بچی تھی اس پر خانہ کعبہ کی انتہائی دل آویز پینٹنگ لگی ہوئی تھی۔ گھر کی نفاست وصفائی اہل خانہ کے ذوق نفاست کا پتا دیتی تھی۔ ہر چیز اپنے مقام پر، کہیں بھی بے ترتیبی نظر نہیں آتی تھی۔ شمال کی طرف لاؤنج کا بیرونی دروازہ تھا۔ دروازے سے نکلتے ہی دائیں ہاتھ پر چھوٹا سا لان اور بائیں ہاتھ پر پورچ اور سامنے بیرونی گیٹ۔ وہ ابھی کچھ ہی دیر پہلے وہاں پہنچے تھے۔ اسے وہاں بیٹھے کوئی تین چار منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ اچانک سیڑھیوں کے ساتھ والے کمرے سے قرآن پاک کی تلاوت کی آواز آنے لگی۔ آواز اتنی دلنشیں تھی کہ وہ سوچنے پر مجبور ہوگیا ”کہ جس کی آواز اتنی پُرکیف ہے وہ ہستی خود کتنی حسین ہوگی۔“

لاؤنج کا بیرونی دروازہ کھلا۔ اس نے مڑ کر دیکھا! انکل مامون اور زبیر اندر داخل ہوئے۔ وہ انہیں دیکھ کر کھڑا ہوگیا۔

”السلام علیکم مامون انکل۔“ عامر نے سلام کرتے ہوئے مصافحہ کیا۔

”وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ برکاۃ! عامر بیٹا کیسے ہو؟“

”ایک دم فرسٹ کلاس۔“ زبیر نے آگے بڑھ کر عامر کو گلے لگایا۔

”یار کے راستہ بھول پڑے۔“

”چلو یار راستہ بھول پڑے لیکن زبیر آپ سے تو کبھی غلطی بھی نہ ہوئی۔“

”اچھا عامر بیٹا! اور کون کون آیا ہے؟“ مامون صاحب نے پوچھا۔

”کلثوم آنٹی آئی ہیں۔“

”اچھا! پھپھو آئی ہیں۔“ زبیر نے خوشی سے پوچھا۔ ”کہاں ہیں وہ؟“

”یار وہ پھپھو کے ساتھ ناشتہ بنانے گئی ہیں۔“

”اچھا.....!“ کہتے ہوئے زبیر کچن کی طرف بڑھ گیا۔

”اور کون کون آیا ہے بیٹا؟“

”امیرین بھائی، ارم اور شازیہ.....رات کا سفر تھا سب گیسٹ روم کی طرف گئے ہیں تاکہ ریسٹ



کرلیں۔“

”تو بیٹا تم بھی تھوڑا ریسٹ کرلو۔“

”نہیں انکل میں ٹھیک ہوں۔“

”اچھا بیٹا، میں ذرا پھر گڈی (کلثوم) سے مل لوں تم بیٹھو۔“

”ٹھیک ہے آپ مل لیں۔“

وہ پھر اسی آواز کے سحر میں اتر گیا۔

زبیر نے کچن میں داخل ہوتے ہی کلثوم پھپھو کو سلام کیا۔ ”السلام علیکم پھپھو جان۔“

”وعلیکم السلام، میرا شہزادہ، کیسا ہے تُو؟“

”کیسا نظر آرہا ہوں، پھپھو۔“

”ہائے خیری، (خیر النساء) بچے کو مُلا بنا دیا ہے تم نے اور دیکھو تو کتنا کمزور ہوگیا، بیٹا یہ تجھے داڑھی کی کیا سوجھی، ابھی تیری عمر ہی کیا ہے؟“

”پھپھو! آپ کو عمر نظر آئی اور ”استغفر اللہ“ کیا اللہ کو میری عمر نظر نا آئی۔“

”اوں ہوں.....“ مامون صاحب نے اندر داخل ہوتے ہوئے سب کو مخاطب کیا۔

”ہائے اللہ، بھائی جان۔“ کلثوم سر پر دوپٹہ سیٹ کرتے ہوئے مامون صاحب سے ملنے کے لیے آگے بڑھی۔ برسوں کے بچھڑے، بہن بھائی مل رہے تھے۔ کلثوم کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

”بھئی خیر النساء، یہ دیہاتی لوگ آج کل سلام دعا کیا بھول گئے ہیں؟“ مامون اپنی لاڈلی بہن کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتے تھے اس لیے اس کو چھیڑ رہے تھے۔

”اور بھائی جان کیا لاہوریوں نے سلام کی جگہ کھانسنا شروع کردیا ہے۔“ کلثوم بھی جھٹ سے بولی۔

”بھئی یہ ہوئی نا بات۔ بھئی کلثوم یہ میاں صاحب تو میرا ایسے ہی دُبا کرتے ہیں لیکن آج مزا آگیا۔ آج مخاطب بھی تو ان کا اپنا خون ہے۔“

”بیگم! یہ بات نہ کرو، بھلا تم کیا غیر ہو تم بھی تو اپنا ہی خون ہو۔“

”ہاں خیری! یہ بات تو بھیا ٹھیک کہتے ہیں۔ خیر سے ایک نہ دو، تین تین، چار چار رشتے بنتے ہیں تم سے۔ اب دیکھو نہ چچازاد ہو، خالہ زاد ہو، اور میری بہن سے بڑھ کر عزیز دوست رہی ہو اور پھر بھابی بھی بن گئیں۔“

”اب گڈی کیا ساری تاریخ سناؤ گی۔“ مامون صاحب بولے۔

زبیر اپنے بزرگوں کی اس میٹھی میٹھی نوک جھونک سے محظوظ ہو رہا تھا۔

”بھئی بیگم آج ناشتہ تو وہ اپنی سرائیکی کی مثال ہے نا۔ ”گاوے ہڈ“ (گائے کے پائے) بن گیا ہے کہ ازکم جائے تو پلا دو..... یا وہ بھی نہیں ملے گی۔“

”آپ تو بھئی چار بندے..... دیکھیں..... اکٹھی کرتے ہیں، زندگی گزری آپ سے بھی تعریف نہ سنی میں نے۔“

”بھیا! ایک منٹ میں پلاتی ہوں۔“ کلثوم نے چائے گرم کرکے کپ میں ڈالی اور مامون کے سامنے کپ رکھ دیا۔ چائے کا سپ لیتے ہوئے مامون کے منہ سے ٹھنڈی سانس خارج ہوئی۔

”ارے گڈی کیا چائے تم نے بنائی ہے۔“

”بھیا! اب خیر سے آپ جو لاہوری ہوگئے ہیں تو کیا یہ بھی بھول گئے ہیں کہ ڈیرے وال کی تو کہاوت بنی ہوئی ہے کہ ”وہ کسی کے گھر میں مہمان جائے تو اسے میزبان اگر طرح طرح کے کھانے کھلا دے اور چائے کا نہ پوچھے تو سمجھو ساری محنت رائیگاں اور اگر جاتے ہی میزبان چائے پلا دے اور کسی چیز کا نہ

پوچھے تو بلے بلے ہو گئی "میزبانی مکمل مہمان خوش۔" اس لیے آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ہم نے سب سے پہلے آتے ہی چائے بنائی اور پی لی۔"

"میں یہ تو نہیں کہہ رہا، بلکہ آج چائے تم نے ایسی بنائی ہے کہ قسم سے امی کی یاد آ گئی۔"

"ہاں ہاں اس لیے دوڑے چلے آتے ہیں۔ کبھی فرصت ملے تو اس "ماں کی قبر پر فاتحہ بھی جا کے پڑھ لو۔"

"تمہاری اکثر ہی "رٹ" ہوتی ہے۔ تم جانتی بھی ہو کہ اب گاؤں جانا بہت مشکل ہے، منافق لوگ......؟ بس رہنے دو۔ گاؤں جانے کا نام میرے سامنے نہ لیا کرو۔ دل کے زخم ہرے ہو جاتے ہیں۔"

سب کے چہرے ایک دم سے بجھ گئے۔ زبیر سوچ رہا تھا کہ آخر وہ کون سا راز ہے جو امی ابو کے سینے میں دفن ہے۔ اور جس کی ہوا تک نئی نسل کو نہیں لگنے دی جاتی۔ بار بار پوچھنے کے باوجود بھی ٹال دیا جاتا ہے۔ [illegible] اترتے ہوئے چہرے پڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔

عائشہ نے قرآن پاک کا ایک پارہ پڑھا، پڑھ کر قرآن پاک غلاف میں بند کر کے چوما، باری باری دونوں آنکھوں سے لگایا اور پھر الماری میں رکھ دیا۔

عائشہ ہمیشہ صبح کی نماز پڑھ کر ایک پارہ پڑھتی اور پھر سیدھی کچن میں۔ وہ امی کی کچن میں مدد کرتی۔ اس نے کئی مرتبہ خیر النساء سے کہا "امی! آپ ناشتہ مجھے بنانے دیا کریں مگر ان کی ایک ہی ضد، بیٹا! جب تک میں اپنے ہاتھ سے کام نہ کروں تو مجھے چین نہیں آتا۔"

عائشہ اب کچن کی طرف روانہ ہوئی، کمرے کا دروازہ کھولا۔ دروازہ جیسے ہی کھولا کوئی چیز دھم سے سر پر آن گری۔ عائشہ کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ اس نے جلدی سے دوپٹہ اتارا۔ دوپٹے کو جھاڑا۔ ایک چھپکلی زمین پر گری اور دیوار پر چڑھ گئی۔ عائشہ کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ عائشہ چند لمحے اپنے آپ کو سنبھالتی رہی۔ وہ آنکھیں بند کیے تلاوت کی آواز سن رہا تھا۔

اچانک آواز بند ہوئی کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور ساتھ ہی اک ہلکی سی چیخ سنائی دی۔ اس نے فوراً آنکھیں کھولیں اور بند دروازے کی طرف دیکھا۔ انتظار ختم ہوا۔ وہ ہوش ربا سامنے تھی۔ شہزادہ پتھر کا بت بن گیا آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ پلکیں ٹھہر گئیں، لہو جم گیا، دھڑکنیں تھم گئیں اور سانسیں رک گئیں۔ اُف خدایا یہ لڑکی ہے یا کوئی حور۔ سیاہ گھٹاؤں جیسے کمر تک جھولتے بال، غزالی آنکھیں، مرمریں تراشے ہوئے خدوخال، چاندنی سے دھلا ہوا پُر نور چہرہ۔ اتنا صاف وشفاف جیسے کسی وادی میں بہتا جھرنا۔ سفید لباس میں وہ کوئی پری لگ رہی تھی۔ عامر کے دل میں عائشہ کے حسن کی شمع روشن ہوئی تو رابعہ کا عکس دھندلانے لگا اور وہ آنے والے دنوں کی پلاننگ میں مصروف ہو گیا۔

امی جب بھی ڈیرہ اسماعیل خان کا نام لیتی تو بڑے ادب سے لیتیں۔

"بیٹا لاہور میں بہت بے حیائی ہے۔ بڑے چھوٹے کا احترام نہیں۔ نہ کوئی پردہ ہے نہ شرم وحیا۔ اپنے ڈیرہ کا تو ماحول ہی دل کا سکون دیتا ہے۔ چھوٹے بڑوں سے ادب کے ساتھ بولتے ہیں، بڑے چھوٹوں سے شفقت سے پیش آتے ہیں۔ لڑکیاں بھائیوں کے سامنے ننگے سر نہیں گھومتی۔ باہر جائیں تو کوئی نہ کوئی گھر کا فرد مثلاً باپ، بھائی یا کوئی نانی، دادی وغیرہ ساتھ جائے گی۔ وہاں زندگی بہت خوب صورت اور ٹھہر ٹھہر کر چلتی ہے جیسے گاؤں کی کوئی گوری پانی کا مٹکا اٹھائے آڑے ترچھے رستوں سے دھیرے دھیرے چل رہی ہو۔ مگر یہاں کی زندگی......؟ آنکھ جھپکے تو شام۔ اتنی تیز کہ جس کو دیکھو میدان جنگ کا گھوڑا بنا ہوا ہے۔ امی جمشید بھائی کی شادی پر گئی تھیں اور ان کی شادی کو تقریباً دس، بارہ سال گزر چکے ہیں۔ اس کے بعد امی بھی گاؤں نہیں گئیں اور لگتا ہے کہ اب وہ گاؤں گاؤں نہیں رہا۔ فیشن کی آگ نے ہمارے گاؤں کے تہذیب وتمدن کے باغ بھی جلا دیے ہیں۔" ام عائشہ کمرے میں داخل ہوئی تو شازیہ اور ارم تیاری میں مگن تھیں۔

"میں مست کڑی تو بھی مست منڈا ہے
میں بھی حسین تو بھی زبردست منڈا ہے"

ارم بالوں میں برش کر رہی تھی اور ساتھ گانا بھی گا نوا، میں انڈیل رہی تھی۔ کیونکہ ایسی آواز میں تو گنگنایا نہیں جاتا۔ عائشہ کو امی کی بتائی ہوئی ساری کہانیاں جو گاؤں کے متعلق تھیں اب جھوٹ لگ رہی تھیں۔ مسلسل شازیہ اور ارم کو تکے جا رہی تھی۔ [illegible] سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ شولڈر کٹ بال، کلر کیے ہوئے اور چہرے مسلسل فیشل، تھریڈنگ، پلکنگ اور بلیچ کی وجہ سے رف ہو چکے تھے۔ آج مہر النساء خالہ کے گھر دعوت تھی اس لیے وہ تیار ہو رہی تھیں اور عائشہ! سوچوں میں گم تھی کہ "اگر یہ اس حال میں بابا جانی کے سامنے گئیں تو کیا ہوگا؟"

"بھئی عائشہ! لگتا نہیں کہ تم لاہور میں رہتی ہو۔"

"کیوں؟ ارم! کیا بات ہے کہ میں تمہیں لاہور کی رہائشی نہیں لگتی۔"

"بھئی سنا تھا لاہوری بہت ایڈوانس ہوتے ہیں مگر تمہیں دیکھ کر تو لگتا ہے...... لاہور کی سوئی 1947 پر ہی رک گئی ہے اور آج ہم مس فاطمہ جناح سے مل رہے ہیں۔" شازیہ نے کہا تو عائشہ مسکرا دی۔

"بھئی کس چیز نے تمہیں تاریخ میں پلٹ دیا ہے؟"

"صبح سے خوار ہو گئے ہیں تمہارے کمرے میں نہ تو کوئی چیز میک اپ کی ملی، نہ کوئی ٹی وی نہ ریکارڈر مجبوراً مجھے ارم کی پھٹی ہوئی آواز سننی پڑ رہی تھی۔" شازیہ بولی۔

"دیکھیں، اصل میں فرسٹ ٹائم آپ یہاں آئی ہیں اس لیے آپ کو بتاتی چلوں کہ میں فیشن وغیرہ میں انٹرسٹ نہیں رکھتی کیونکہ میں نے عالمہ کی ڈگری حاصل کی ہوئی ہے اور اب میں ایک دینی مدرسے میں "معلمہ" ہوں۔"

"وہی تو میں سوچ رہی تھی کہ یہ گھر کم مسجد زیادہ لگ رہا ہے۔"

"اب بھلا یہ گھر تمہیں مسجد کیسے لگنے لگا؟" عائشہ مسکرائی۔

"دیکھو نا، ہر طرف خانہ کعبہ کی تصویریں [illegible] تو تمہیں سب سے پہلے شاہ رخ خان نظر آئے گا۔" ارم نے اٹھلاتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ حضرت کون ہیں؟" عائشہ نے تجسس سے پوچھا۔

"تو بھئی! ارم اب ہماری عائشہ بی بی کو شاہ رخ خان کا پتہ نہیں۔" شازیہ نے افسوس سے کہا۔

"بھئی میری معلومات میں یہ نام نہیں آیا۔" عائشہ نے اپنی جان بخشی کرائی۔

"جلدی کرو لڑکیو، تمہارے ہارون ماموں کے فون پر فون آ رہے ہیں۔" کلثوم پھپھو اندر داخل ہوتے ہوئے بولیں۔

"بس امی "ایک منٹ......"

"ہائے عائشہ پتر تو بھی کوئی ڈھنگ کے کپڑے

پہن لیتی۔ بھلا کیا مر وہ روح بنی کھڑی ہے۔"
"نہیں پھپھو..... میں ٹھیک ہوں۔"
"دیکھو ازبیر ہارن بجا رہا ہے بار بار چلو نکلو۔"
عائشہ نے عبا پہن کر حجاب کیا اور باہر کی طرف چل پڑی۔ خیرالنساء نے جب بھتیجیوں کا حلیہ دیکھا تو سر شرم سے جھک گیا۔ وہ تو گاؤں کی سادگی اور حیا کے قصے سنایا کرتی تھیں۔ آج اپنی ہی بھتیجیوں کا حال دیکھا تو شرم سے جھکا سر اٹھایا نہ گیا۔

ہارون صاحب لان میں ہی انتظار کا ایک ایک پل گن رہے تھے۔ آخر ان کی لاڈلی بہن "گڈی" جو آرہی تھیں۔ گاڑی کی آواز سنتے ہی وہ گیٹ کی طرف لپکے۔ چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا۔ گاڑی "رشید اکبر لاج" میں داخل ہو چکی تھی۔ کلثوم بھابی سے ملی تو برسوں کی یادوں کے بادل ٹوٹ کر برسے۔ اُم حبیبہ پھپھو سے ملیں پھر مہرالنساء۔ سب کی آنکھیں محبت کی بارش میں بھیگ گئیں۔ طلحہ اور طحہٰ بھی مہمانوں کی آمد کا سن کر باہر دوڑے چلے آئے۔ پھپھو نے دونوں بھتیجیوں کو گلے سے لگا کر چوم لیا۔ ایک عرصے سے بچھڑے خون کے رشتے ملے تو اک سکون سا دل میں اتر گیا۔ طلحہ، ازبیر اور عامر کو لے کر مہمان خانے کی طرف چل پڑا۔ عامر کی ہر نظر عائشہ کا تعاقب کر رہی تھی مگر ابھی تک وہ ناکام رہا۔

رشید اکبر اور حسین اکبر دونوں بھائی تھے۔ رشید اکبر "بڑا بھائی" تھا اور اس کے چار بچے تھے۔ ہارون رشید پھر زینب فاطمہ پھر ماموں رشید اور سب کی لاڈلی اور چھوٹی بہن گڈی (کلثوم فاطمہ) حسین اکبر "چھوٹا بھائی" تھا اور اس کے پانچ بچے تھے۔

سب سے بڑا بیٹا جمال حسین پھر جلال حسین اور پھر تین بیٹیاں مہرالنساء، خیرالنساء اور سب سے چھوٹی امیرالنساء۔

دونوں بھائیوں میں گہری محبت ہونے کی وجہ سے انہوں نے اپنے بچوں کی مرضی جانے بغیر ہی ان کی شادیاں کر دیں۔

بعدازاں رشید اکبر اور حسین اکبر کی رحلت کے بعد زمینوں کے بٹوارے پر ایسی "تُو تُو میں میں" ہوئی کہ بات کورٹ کچہری تک پہنچ گئی۔ آخرکار ہارون اور ماموں کے حصے میں جو زمینیں آئیں انہوں نے وہ بیچ کر ڈیرہ اسماعیل خان چھوڑ کر لاہور میں رہائش اختیار کر لی۔ امیرالنساء کی شادی اپنے ماموں کے لڑکے حیدر علی سے کر دی گئی۔ امیرالنساء نے ایک بچی کو جنم دیا اور خود ابدی نیند سو گئیں۔ اس طرح اس کی بیٹی رابعہ اپنے ماموں اور ممانی کے زیر سایہ پلنے لگی۔

ہارون رشید اور ماموں رشید کا دل گاؤں سے ایسے کھٹا ہوا کہ دوبارہ مڑ کر نہ دیکھا۔ البتہ عورتوں اور بچوں پر پابندی نہ تھی مگر وہ بھی کسی نہ کسی خاص موقع پر ہی آتے جاتے ورنہ "سال پر سال" بیت جاتے نہ کوئی خیر نہ کوئی خبر۔ اب جب سے ماموں بیمار ہوئے تھے تو اب نہ صرف بچوں کی دوستیاں بڑھیں بلکہ حال و احوال کی تہذیب کو گوش گزارا جاتا۔ ہارون اور ماموں نے اپنے گاؤں کی تہذیب کو لاہور جیسے شہر میں بھی قائم رکھا۔ مگر اپنی بہنوں کے بچوں کا حال دیکھ کر انہیں دلی صدمہ ہوا۔ اس مرتبہ ان کی بہن زینب کے دوسرے بیٹے جنید کی شادی تھی۔ جس کا دعوت نامہ دینے ان کی چھوٹی بہن کلثوم آئی ہوئی تھیں۔ باقی سب نے تو معذرت کر لی۔ مگر عائشہ اور حبیبہ کے انکار پر کلثوم نے ایک نہ سنی اور بھائیوں سے "صاف صاف" کہہ دیا کہ میں دونوں بھتیجیوں کو ساتھ لے کر جاؤں گی آخر کو ان کے ماموں کے لڑکے کی شادی ہے۔ گھر میں بچیوں کو قیدی بنا کر رکھ دیا ہے۔ تسبیح، مصلے اور نماز کے علاوہ تو انہیں کچھ پتہ ہی نہیں۔ بس



میں کہہ دیتی ہوں، گرمیوں کی چھٹیاں گزار کر ہی واپس بھیجوں گی۔ خیرالنساء اور مہرالنساء کو تو کوئی حرج نہ تھا۔ البتہ ہارون اور ماموں نہیں مان رہے تھے۔ آخرکار وہ بھی اپنی لاڈلی بہن کے آگے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔

"امی پلیز۔" عائشہ التجا کرتے ہوئے بولی۔

"خدا کے لیے، عائشہ! کبھی تو گھر سے باہر نکلو، دنیا دیکھو، گھر، مدرسہ اور گھر..... یہ کوئی زندگی ہے۔"

"امی پتا نہیں وہاں کا ماحول....."

"تمہیں ماحول وہاں جا کر بدلنا ہے۔" خیرالنساء نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اب جلدی سے پیکنگ مکمل کرو، صبح تڑکے تڑکے نکلنا ہے۔"

عائشہ بے دلی سے پیکنگ کرنے میں مصروف ہو گئی۔

تقریباً چھ گھنٹے بعد وہ ڈیرہ اسماعیل خان کے ڈیوو اسٹینڈ پر اترے۔ جمشید کو اطلاع مل چکی تھی اس لیے وہ گاڑی لے کر پہلے سے موجود تھا۔ ڈیرہ سے ان کا گاؤں کچھ زیادہ دور نہیں تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے میں وہ گاؤں کی حدود میں داخل ہو گئے۔ عائشہ اور حبیبہ دونوں حیرانی سے گاؤں کا نظارہ کر رہی تھیں۔ گاڑی اب لکڑی کے بہت بڑے پھاٹک (گیٹ) کے سامنے رکی، ایک دو ہارن بجانے پر گیٹ کھول دیا گیا۔ گاڑی گارے مٹی سے بنے ہوئے ایک چھپر کے نیچے کھڑی کر دی گئی۔ عائشہ اور حبیبہ کے آنے کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ کچھ ہی دیر میں میلے کا سا سماں بندھ گیا۔ پھپھو زینب دوڑتی ہوئی آئی "ہائے میڈے بھترِ بھجیاں آوڑین" (ہائے میری بھتیجیاں آ گئی ہیں) بس پھر کیا تھا کوئی چاچی تھی، کوئی مامی تھی، کوئی پھپھو تھی، کوئی کیا.....؟ گلے ملتے ملتے عائشہ اور حبیبہ کا تو ستیاناس ہو گیا۔ اس اثناء میں ایک بارعب آواز گونجی۔

"اب کچھ سانس بھی لینے دو گے یا بے چاروں کو گلے لگا لگا کر مار ڈالو گے۔" یہ آواز عامر کی تھی جو نجانے کب سے عائشہ کو گھور رہا تھا۔

پھپھو زینب کو اب گرمی کا اور سفر کی تھکاوٹ کا احساس ہوا تو اس نے اپنی ملازمہ "وسی" کو لسی لانے کا حکم صادر کیا۔ عائشہ کی نظر دور کھڑی من موہنی سی لڑکی پر پڑی جو باقی سب سے مختلف اور سادہ سادہ سی تھی۔ وہ ایک درخت سے ٹیک لگائے ملنے ملانے کا تماشا دیکھ رہی تھی۔

عائشہ نے نظر گھمائی مگر اب وہ لڑکی اسے وہاں نظر نہیں آئی۔

"زینت او زینت کتھاں مر گئیں" تندور پال روٹی پکا "بڑی بھک لگی ہے" پھپھو کلثوم نے کہا۔

بیرونی پھاٹک سے اندر داخل ہوتے ہی بڑا سا چھپر تھا۔ جس میں دو عدد گاڑیاں ایک ٹریکٹر اور دوسرا کھیتی باڑی کا سامان رکھا ہوا تھا۔ ایک طرف کیکر، ٹاہلی، بیری اور شہتوت کے درخت تھے ان کے نیچے آدمی کے قد برابر چھوٹی سی چار دیواری میں ہینڈ پمپ لگا ہوا تھا۔ درختوں پر دو جھولے ڈلے ہوئے تھے۔ ایک طرف مال مویشیوں کے لیے چھپر ڈلا ہوا تھا۔ کچھ پرانے وقتوں کے کچے کوٹھے (کمرے) تھے اور ایک طرف ذرا جدید قسم کے کمرے بنے ہوئے تھے۔ حویلی ایک اندازے کے مطابق آٹھ، دس کنال رقبہ پر محیط ہوگی۔ اچانک عائشہ کی نظر اس لڑکی پر پڑی۔

"شازیہ یہ کون ہے.....؟" عائشہ نے پوچھا۔

"یہ رابعہ ہے، تیری چھوٹی خالہ امیرالنساء کی بیٹی۔"

"مگر یہ ہمیں ملنے کیوں نہیں آئی؟" عائشہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"اس کا رشتہ لونے تسبیح اور مصلے سے ہے۔" "اللہ لوک ہے" نہ کسی سے بولتی ہے اور نہ ہی کچھ کہتی ہے۔ اوپر سے ابا نے عامر کے گلے میں ڈال دی ہے یہ "اللہ میاں کی گائے۔" شازیہ جھلا کر بولی۔

عائشہ کو نجانے کیوں رابعہ پر ترس آنے لگا۔ تندور جل چکا تھا۔ زینت اور وسائی روٹیاں لگا رہی تھیں، عائشہ اور حبیبہ یہ دلچسپ منظر دیکھ رہی تھیں۔

"آنٹی الائٹ آ گئی ہے۔" عروسہ "یہاں تو بہت گرمی ہے۔" پھپھو کلثوم نے کہا۔

"جی پھپھو واقعی گرمی بہت زیادہ تھی۔" سب اٹھ کر اندر جانے لگے۔ سب کمرے کی طرف چل پڑے تو عائشہ، رابعہ کی طرف چل پڑی۔ اسے نجانے کیوں رابعہ کی ذات میں کچھ ٹوٹا ٹوٹا سا محسوس ہوا۔

"پتر! کہاں گرمی میں کچن میں جا رہی ہو۔" ماموں جلال شاید ابھی آئے تھے۔

"السلام علیکم ماموں جان۔"

"وعلیکم السلام [illegible] میرا پتر۔"

"اللہ کا کرم ہے ماموں۔"

جلال حسین بھتیجی کا حلیہ دیکھ کر سرسری جائزہ لینے لگا۔ وہ بہت پاکیزہ نظر آ رہی تھی دوپٹہ سر پر کس کر لپیٹا ہوا تھا۔ وہ لباس کے معاملے میں اسے رابعہ سے کچھ مختلف نہ لگ رہی تھی۔ رابعہ بھی بہت حلیم طبیعت کی تھی "اور ان کی دادی بھی تو ایسی ہی تھی" جلال نے سوچا۔

"بیٹا! سفر کیسا رہا؟"

"اللہ کے فضل و کرم سے بالکل خیریت سے گزرا۔"

"خیری اور مہرو کیسی تھیں؟"

"بالکل ٹھیک اور بہت یاد کرتی ہیں اور خصوصی سلام بھیجے ہیں آپ دونوں کے لیے، جمال ماموں نظر نہیں آئے۔"

"وہ کورٹ کچہری تک گئے ہیں۔"

"خیریت تو ہے نا، ماموں؟" عائشہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"بس پتر، دیہاتوں میں روز کوئی نہ کوئی مسئلے مسائل ہوتے رہتے ہیں تو سنا۔ زبیر اور طلحہ وغیرہ نہیں آئے۔"

"نہیں ماموں، در حقیقت شہری زندگی کو اپنانا تو آسان ہے پھر اس سے فراغت حاصل کرنا مشکل۔ انسان شہر کی دوڑ کا ایک حصہ بن جاتا ہے۔"

"اچھا خیر تو اندر چل، اے سی چل رہا ہے، تھوڑا ریسٹ کرلے۔"

رابعہ ابھی بھی کچن میں مصروف تھی۔ ماموں اپنے کمرے کی طرف چل پڑے اور عائشہ کچن کی طرف چل دی۔

"السلام علیکم رابعہ۔"

"وعلیکم السلام" [illegible] آہستگی سے جواب دیا گیا تھا۔

"رابعہ مجھے افسوس ہے کہ ہم آپ کی کزنز ہیں اور آپ کی طرف پہلی مرتبہ آئے ہیں مگر آپ نہ ملنے آئیں اور نہ کوئی بات کی۔"

"اصل میں آپ ان لوگوں کے ساتھ مصروف تھیں تو اس لیے۔" سالن میں چمچ چلاتی ہوئی وہ بولی۔

"اچھا۔" عائشہ نے کہا اور دلفریب سی مسکراہٹ ہونٹوں تک پھیل گئی۔ جو رابعہ نے بھی محسوس کی۔

"اچھا اب تو ہم فارغ ہیں۔" عائشہ نے اپنے بازو وا کیے۔ رابعہ نے چمچ ایک سائیڈ پر رکھا اور کچھ سمجھتے نا سمجھتے اٹھی اور عائشہ سے گلے ملی۔ عائشہ نے اپنی اس چھوٹی سی من موہنی مسات (خالہ زاد) کو اپنی باہوں میں ایسے بھر لیا جیسے اس کے سارے دکھ اپنے اندر سمیٹ لینا چاہتی ہو۔ نجانے کیا بات تھی کہ آج پہلی بار رابعہ کو کوئی اپنا اپنا سا محسوس ہوا۔ آنکھوں پار نجانے کتنے سیلاب تھے جو دماغ کے پہاڑوں پر مانند برف منجمد ہو چکے تھے۔ محبت کی اس حدت نے اب انہیں پگھلا دیا تھا۔ رابعہ اب مسلسل ہچکیاں لے رہی تھی اور آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔ عائشہ نے محسوس کیا کہ جیسے وہ عرصہ دراز سے لوگوں کے جنگل میں اداس اور تنہا ہرنی کی مانند بھٹک رہی تھی۔

"بس کرو رابعہ! بس اب بس، بالکل نہیں رونا۔"

"میں ہوں ناں۔" "اب آئی ہوں تو ان شاء اللہ تمہیں اپنے سینے میں بند کرلوں گی کوئی دکھ تمہاری طرف اگر انگلی بھی اٹھائے گا تو میں وہ انگلی کاٹ دوں گی او کے، خوش.....؟" عائشہ نے اسے تسلی دی۔ رابعہ نے پلو سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

عائشہ الاعداد میں طالبات کو پڑھا کرتی تھی اور [illegible] سرائیکی کی کہاوت ہے "پیو (باپ) مرے آدھا یتیم ماں مرے پورا یتیم" اور وہ "پوری یتیم ہو چکی تھی" یہ تو عائشہ جان چکی تھی۔ "چلو تم میرے ساتھ، ہم وہاں بیٹھتے ہیں، چارپائیوں پر۔"

"نہیں! میں سالن پکا رہی ہوں جل گیا تو مامی زینب خفا ہوں گی۔"

"تو چولہے کی ذمہ داری تمہاری ہے۔"

"جی.....!" رابعہ نے پلکیں جھپکیں۔

"تو چلو ٹھیک ہے، پھر آج سالن اکٹھے پکائیں گے، ویسے کیا بنا رہی ہو؟"

"مرغی.....!" رابعہ نے جواب دیا۔ "لیکن پلیز آپ کمرے میں چلیں۔ یہاں بہت گرمی ہے اور پھر مامی بھی خفا ہوں گی کہ مہمان کو آتے ہی چولہے میں گھسا دیا۔"

"نہیں بھئی، میں تو اب وہاں بیٹھوں گی جہاں میری ننھی سی گڑیا ہوگی۔" عائشہ نے اتنی محبت سے لفظ "گڑیا" کہا کہ رابعہ کے لبوں پر اک تبسم اور آنکھ میں اک آنسو جھلملانے لگا۔

"ہاشی ذرا ادھر آؤ۔" بھینسوں کو چارا ڈالتی ہوئی اک لڑکی نے رابعہ کی آواز پر سر اٹھایا۔

"جی اپی بی جی آئی۔" اور وہ پلو سے ہاتھ صاف کرتی ہوئی باورچی خانے کی طرف تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی آئی۔ "ہاں جی اپی بی جی کیا حکم ہے جی۔"

"ہاشی! ذرا ہانڈی کا خیال کرو میں عائشہ باجی کے ساتھ گپ شپ لگاتی ہوں۔"

"ہیں جی آپ؟" ہاشی حیران ہوئی۔ کیونکہ شاید جہاں تک اس کی یادداشت کام کرتی تھی رابعہ نے [illegible] ایک دم سے آرام [illegible] رابعہ اسے حیران چھوڑ کر بغیر کوئی جواب دیئے عائشہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرے میں لے گئی۔ کمرا کیا تھا، ڈبہ تھا چھوٹا سا کچا کمرا، تنگ دروازے سے گزرتے ہی آگے ایک چارپائی پڑی تھی دروازے کے مخالف سمت ایک چھوٹی سی پرانی طرز کی کھڑکی تھی جس کے آگے لوہے کی سلاخیں تقریباً چار انچ کے فاصلے پر لگی ہوئی تھیں۔ جو کھیتوں کی طرف کھلتی تھی۔ ایک طرف پرانی سی میز پر ٹرنک (بکس) پڑا تھا غالباً رابعہ کپڑے وغیرہ یا عام روزمرہ کی ضروری چیزیں اسی میں رکھتی ہوگی۔ اس کے ساتھ ایک اور چھوٹی سی پرانی طرز کی میز اور کرسی رکھی ہوئی تھی۔ میز پر کچھ کتابیں پڑی تھیں اور سب سے آخر میں لکڑی کی چوکی، کمرے پر جائے

نماز رکھی تھی، بنگلو میں ذرا سا اونچا ایک اسٹینڈ لگا ہوا تھا جس پر انتہائی خوب صورت غلاف میں قرآن پاک رکھا تھا اور ساتھ ہی تسبیح لٹک رہی تھی۔

''رابعہ، عائشہ کو گھور رہی تھی کہ آخر وہ کیا ڈھونڈ رہی ہے اس کے کمرے میں۔''

''رابعہ!'' عائشہ نے ایک دم سے اسے پکارا۔

''جی...... باجی!''

''امی ڈیرہ اسماعیل خان کی بڑی تعریف کرتی تھی مگر میں نے جب لاہور میں شازیہ اور ارم کا حلیہ دیکھا تھا تو امی کی ساری تعریفیں جھوٹی لگتی تھیں۔ رابعہ جب ''اُم عائشہؓ'' اور دوسری پاک بیبیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا، کہ اب تو اُمت کے لوگوں کی مستورات کو آسائشیں مہیا ہیں تو پھر ہمارا بھی تو کچھ حق بنتا ہے۔'' تو ان کے اس سوال پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' کہ جسے دنیا چاہیے وہ مجھے چھوڑ دے اور جسے میرے ساتھ رہنا پسند ہے وہ دنیا اور اس کی آسائشوں کا خیال ترک کردے اور تمام بیبیوں نے دنیا کو چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ پسند فرمایا۔ اور ہمارے لیے یہ بات نمونہ ہے۔ مگر افسوس آج ہم کہاں سے کہاں پہنچ چکے ہیں۔ کاش ہر انسان یہ سوچے کہ ''مجھے کہاں ہونا چاہیے تھا لیکن ''میں کہاں ہوں۔''

تعلیم انسان کا شعور دیتی ہے۔ انسان کو انسان بنانے میں تعلیم ہی کا عمل دخل ہے۔ مگر ہمارا نظام تعلیم ہی ہمیں غلط راستے پر لا رہا ہے۔ امی کہتی ہے جب ہم ڈیرہ اسماعیل خان میں رہتے تھے۔ اس وقت ڈیرہ کا ماحول بہت سادہ تھا۔ اسٹوڈنٹ لائف میں امی کہتی ہیں کہ ''مجھے آج تک میری ٹیچر نہیں بھولتی، جنہوں نے ہمیں تعلیم بھی دی اور اپنی ذات کا عملی نمونہ بھی پیش کیا۔ انتہا کی سادگی ہوتی تھی ان میں، اور وہ ٹیچر کم ایک شفیق ماں زیادہ لگتی تھیں اور آج کل ٹیچرز کم ماڈل گرل زیادہ لگتی ہیں اور نظام تعلیم اتنا مہنگا ہے کہ غریب انسان تو تعلیم حاصل کر ہی نہیں سکتا۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہیں باجی! جنہیں شوق ہوتا ہے وہ بیچارے غربت کی وجہ سے پڑھ نہیں پاتے اور تعلیم تو اب ویسے بھی امیروں کا فیشن بن گئی ہے۔ محنت کی ضرورت بھی نہیں ڈگریاں خریدی اور بیچی جاتی ہیں۔'' رابعہ نے تاسف سے کہا۔

''تمہیں پتا ہے گڑیا۔'' عائشہ نے رابعہ کو مخاطب کیا ''ہمارے ہاں عام طور پر تین طرح کے طبقے ہیں۔ لو کلاس، مڈل کلاس اور ہائی کلاس، لو کلاس عام طور پر تعلیم سے عاری ہی رہتی ہے اور زندگی بھر مشقت ان کا نصیب ٹھہرتی ہے اور ہائی کلاس میں علم سے لے کر عمل تک کا تمام ''مرحلہ'' بطور تفریح طے کیا جاتا ہے۔ ان کے ہاں، انسانیت، جذبات، احساسات، شرم و حیا اور محبتوں کے کوئی دام نہیں، سب کچھ پیسہ ہوتا ہے اور پیسے کے دم پر یہ ہر چیز کو کھلونے کی طرح خریدتے ہیں اور جی بھر جائے یا ٹوٹ جائے تو پھینک دیتے ہیں اور جو مڈل کلاس لوگ ہوتے ہیں ان کے قدم زمین پر اور نظریں ہمیشہ آسمان پر ہوتی ہیں۔ وہ ڈٹ جائیں تو کوئی مقابل نہیں ہوتا اور سمٹ جائیں تو کوئی سمیٹ نہیں سکتا۔ اس مہنگائی کے دور میں جب یہ لوگ اپنا سب کچھ لٹا کر تعلیم مکمل کرتے ہیں تو ان کے لیے سب سے بڑا المیہ ہے ''نوکری'' نہ ملے تو یہی پڑھی لکھی پاکستانی نوجوان نسل، خودکشی، لوفر گردی، قتل و غارت، دنگے فسادات میں ملوث ہو جاتی ہے اور اگر مل جائے تو پھر انہیں تعلیم پر لگائی گئی رقم اور حصول روزگار کے لیے دی گئی تگڑی رشوت ہمیشہ یاد رہتی ہے اور وہ عوام اور پاکستان سے پورا پورا انصاف کرتے ہیں۔''

"عائشہ باجی آپ بالکل صحیح کہہ رہی ہیں۔ اب ہمارے ڈیرے کے ہی حالات دیکھ لو! بے روزگاری عام ہو چکی ہے، کاروبار ٹھپ ہونے کے برابر، آئے دن قتل و غارت، ڈاکہ زنی، اغوا، بم دھماکے، اور خودکش حملے یہ سب اک معمول بن چکا ہے۔ اور اس کی وجہ تعلیم کی کمی ہے۔"

"رابعہ گڑیا! پھر وہی بات ہے، اب یہ دیکھو نا پاکستان میں جتنے دینی مدارس ہیں سب چندے سے چلتے ہیں۔ لوگ چندہ دیتے ہیں اور اس چندے سے طلباء کی تعلیم، طعام اور رہائش کا فری بندوبست کیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مدارس کے پڑھے لکھے طلباء کو اپنے مدارس اور ملک سے محبت ہوتی ہے۔ جب کہ اسکول اور کالجوں میں پڑھنے والے طلباء کی اکثریت آج ملک دشمن بن چکی ہے۔ کاش! حکومت پاکستان بھی اس سلسلے میں "خلوص نیت" سے سوچے تاکہ ہمارے ملک میں بھی چائلڈ لیبر، نشہ، دہشت گردی اور رشوت خوری جیسی برائیوں کا خاتمہ ہو۔ بالکل ٹھیک [illegible] سیاسی لیڈر کہتے تو ہیں کہ "پڑھا لکھا پاکستان بنائیں گے" مگر خاک بنے گا اس مہنگائی میں پیٹ پالنا مشکل ہے تو تعلیمی اخراجات کا بوجھ کون برداشت کرے گا۔"

رابعہ نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

وہ اپنی گفتگو میں محو تھیں کہ کسی کی آمد کا انہیں احساس بھی نہ ہوا۔ اچانک تالی بجی اور دونوں نے ایک دم سے دروازے کی طرف دیکھا۔

"ویلڈن...... ویلڈن...... بہت خوب، کافی اچھی تقریر کر لیتی ہیں آپ دونوں مگر "ڈیئر کزنز" اس قوم کو جگانے کے لیے پھر کسی "اقبال" کا جنم لینا بہت ضروری ہے۔ خیر! امی بلا رہی ہیں کھانا کھا لیں۔" ان کے آنچل میں چھپے چہرے دیکھ کر اس نے مدعا بیان کیا۔ اس کا مقصد دیدار تھا سو ہو گیا۔ سیاہ گرتے میں وہ کسی پنجابی فلم کا ہیرو لگ رہا تھا۔ اپنی دراز مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے "جلدی آ ئیں" کہتے ہوئے واپس مڑ گیا۔

***

زینب فاطمہ کے تین بیٹے ہیں۔ جمشید جس کی شادی امبرین سے ہو چکی ہے۔ اس کا ایک بیٹا علی اور بیٹی اشمل ہیں۔ جنید جس کی ابھی شادی ہو رہی ہے اور سب سے چھوٹا عامر۔ دو بیٹیاں ہیں شازیہ اور نادیہ۔ کلثوم فاطمہ کے چار بچے ہیں۔ ارم، مہران، فیضان اور انعم۔ خاندان اتنا بڑا ہے کہ عائشہ اور حبیبہ کی پہچان سے دور۔ کوئی تائی ہے تو کوئی چچی، کوئی ماسی (خالہ) تو کوئی بوا (پھپھی)۔ الاماں کوئی سو کی تعداد میں بڑے اور سینکڑوں کی تعداد میں بچے۔ عائشہ اور حبیبہ تو ایک دوسرے کا منہ تکتی رہ جاتیں اور نانیاں، دادیاں تو صدقے واری جا رہی تھیں۔ یہ وہ رشتے دار تھے جو [illegible] مگر دادا [illegible] ان کے بچوں سے مل کر اتنے خوش تھے کہ ان کی آنکھیں خوشی سے نم ہو رہی تھیں۔ شادی کی ابتدائی رسومات شروع ہو رہی تھیں اور تمام دور پرے کے رشتے دار جمع تھے۔

گرمی اور بجلی کی آنکھ مچولی شروع تھی۔ مگر یہ کسی عام بندے کی شادی نہیں تھی۔ لائٹ جاتے ہی ہیوی جنریٹر آن کر دیے جاتے۔ حویلی دلہن کی طرح سج چکی تھی۔ جنید نے جدید طرز پر اپنا پورشن بنوایا تھا جس میں ضرورت کی تمام چیزوں کو مدنظر رکھا گیا تھا۔ مگر وہ بھی حویلی کا ہی ایک حصہ تھا۔

وہ کب سے خواتین کے ہجوم میں آنٹی کلثوم کو ڈھونڈ رہا تھا۔ آج مایوں کا فنکشن تھا۔ لڑکیوں نے پیلے رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ہر طرف



اک ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ اس کی نظریں آنٹی کلثوم کو ڈھونڈ رہی تھیں مگر نجانے وہ کہاں تھیں۔

لڑکیوں نے ایک گروپ کی شکل میں آہستہ آہستہ حویلی کے صحن کو عبور کرنا شروع کر دیا تھا۔

"ہو تیری ساس نے بھیجا یہ پیلا جوڑا، یہ ہری ہری چوڑیاں۔" لڑکیاں گاتی ہوئی باہر کی طرف جا رہی تھیں۔ اس نے اپنی گاڑی میں شازیہ، نادیہ، انعم، ارم، حبیبہ اور عائشہ کو لے جانا تھا۔ اس نے باہر کی راہ نابی، گاڑی حویلی کے پھاٹک کے قریب لا کر کھڑی کر دی، تمام لڑکوں نے اپنی اپنی گاڑیاں آڑی ترچھی پھاٹک سے قریب کھڑی کر دیں۔

عائشہ نے جب رابعہ سے پوچھا کہ وہ چل رہی ہے تو رابعہ نے جواب دیا کہ اسے پھپھو زینب نے گھر میں رہنے کی ہدایت دی ہے۔ عائشہ کو دلی صدمہ ہوا کہ آخر پھپھو رابعہ سے غیروں جیسا سلوک کیوں کرتی ہیں۔

"[illegible] ٹھیک ہے گڑیا پھر ہم بھی نہیں جاتے۔" عائشہ نے پروگرام کینسل کر دیا۔

"نہیں باجی پلیز آپ تو جائیں، شغل میلہ دیکھیں۔"

"نہیں گڑیا، مجھے یہ ہندووانہ رسمیں ویسے بھی اچھی نہیں لگتیں۔ بھئی اسلام میں تو صرف نکاح اور دوسرے دن ولیمہ۔ اللہ...... اللہ، خیر صلا۔"

"ہاں باجی! اسلام تو بہت مکمل اور سادہ مذہب ہے۔ ان فضول رسموں سے تو امید ہے اب بیچارے ہندو بھی تنگ ہو چکے ہوں گے۔"

"لیکن گڑیا! یہ تو ان کے مذہب میں جائز ہے وہ کریں یا نہ کریں، مگر ہم تو وہ کریں جس سے ہمارا دین اور ہمارا اللہ اور ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں۔"

"باجی! کہنے کو تو ہم مسلمان ہیں مگر ہم قدم قدم پر سنتوں کا قتل کر کر کے "حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دل مبارک" دکھاتے ہیں۔"

"عائشہ! چلو بھئی سب تو نکل چکے ہیں۔" امبرین بھابی بچوں کی انگلی پکڑے جا رہی تھیں۔ عائشہ کو دیکھا تو پلٹیں۔

"نہیں بھابی میں تھک چکی ہوں ریسٹ لوں گی۔"

"او کے ٹیک کیئر......" وہ ہاتھ ہلاتی چلی گئیں۔

"اچھا اب ہم آپ کے کس کام آ سکتے ہیں؟"

"ہائے اللہ! باجی ایسے تو نہ بولیں۔"

"تو کیسے بولوں......؟"

"آپ بیٹھیں میں چائے بناتی ہوں، چائے پی کر پھر سوچیں گے کیا کرنا ہے اور کہاں سے کرنا ہے، او کے۔"

"[illegible] ہے۔" عائشہ کھل کر مسکرا دی۔

عامر کی آنکھیں [illegible] رہ گئیں مگر عائشہ نظر نہ آئی۔

"پلیز بھیا! اب کس کا انتظار ہے؟" شازیہ بولی۔

"عائشہ کہاں ہے......؟" عامر نے بے تابی سے پوچھا......

"وہ نہیں آ رہی...... ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔"

"کیا......؟" عامر نے حیرانی سے پوچھا۔

"اچھا بھیا کیا زبردستی ہے اب چلو بھی۔" اور وہ ناچاہتے ہوئے بھی چل پڑا۔

عامر نے آخر فرصت کے لمحات میں خالہ کلثوم کو پکڑ ہی لیا۔

"آنٹی! آپ قسم سے انمول ہو گئی ہیں۔ کل سے خوار ہو رہا ہوں آپ کے پیچھے اور آپ ہیں کہ ملنے سے رہیں۔"

"اف او، بھئی چندا کو کیا پریشانی لاحق ہوگئی؟"

"آنٹی آپ ہی تو اک ہیں جن سے میں اپنے دل کا معاملہ بیان کرسکتا ہوں۔"

"خیریت تو ہے بھانجے میاں؟"

وہ کچھ جھجکتے ہوئے ان کے پاس بیٹھ گیا۔ "آنٹی بس ایسے سمجھ لیں اب میری زندگی آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

"اب کچھ بولو میں جانوں کہ میری جان کی جان میرے ہاتھ میں کیسے ہے۔" کلثوم مسکراتے ہوئے بولی۔

اور پھر عامر نے لاہور میں ہونے والے واقعہ سے اب تک کی روداد سب خالہ سے کہہ دی۔ "آنٹی اب آپ ہی کچھ کریں، ورنہ قسم سے میں کچھ کرلوں گا۔"

"بس...... بس، کچھ کرلوں گا، کریں تیرے دشمن، لیکن بھانجے میاں خوشی تو مجھے بھی بہت ہوئی کہ عائشہ ہمارے گھر کی بہو بنے۔ مگر یہ بات وہ کبھی بھی نہ مانیں گی۔ البتہ ایک مشورہ ہے۔"

"وہ کیا آنٹی...... پلیز جلدی بتائیں؟"

"تم کسی طریقے سے عائشہ کے دل میں جگہ بنالو اور اگر وہ کچھ تم میں دلچسپی لینے لگی تو، پھر ہم جب رشتہ مانگیں گے تو ہوسکتا ہے بھیا راضی ہوجائیں۔"

"مگر میں کیسے عائشہ سے بات کروں، وہ تو مجھے دیکھ کر ہی گھونگھٹ کاڑھ لیتی ہے۔"

"اب یہ بھی تجھے میں بتاؤں گی۔ شاباش بیٹا! اب میں اس عمر میں تمہیں ایسے ویسے مشورے دینے سے تو رہی۔ ہاں البتہ اکثر فلموں یا ڈراموں میں دیکھا ہے۔ جب لڑکا، لڑکی ایک دوسرے سے بات نہ کرپائیں تو وہ اپنے کسی دوست یا بہن، بھائی کی مدد لیتے ہیں تم بھی دیکھو کہ اب گھر میں کون ہے جو عائشہ سے تمہارے دل کی بات بیان کرے۔"

"آنٹی! وہ تو اس رابعہ کی بچی کو ہی چمٹی رہتی ہے۔ اب میں اس سے کہنے سے رہا۔ لیکن میں ایسے کرتا ہوں کہ شازیہ سے کہتا ہوں۔ امید ہے بلکہ کافی امید ہے وہ بھائی کی مدد ضرور کرے گی۔"

"ہاں! چندا اب ہوئی نا بات، بس دیکھ لے تیرے پاس دن تھوڑے ہیں۔ اس کے بعد شاید ہی وہ ادھر آئے۔"

اور نجانے وہ کن اندیشوں کی نذر ہوگیا۔ ایک دم سے چپ چاپ۔ شاید کسی چیز کے کھونے کا غم یا کسی چیز کو پانے کی جستجو نے اسے یوں گم صم کردیا تھا۔

مہندی لگا کے رکھنا
ڈولی سجا کے رکھنا
لینے تجھے او گوری
آئیں گے تیرے سجنا

شازیہ نے بہت [illegible] اور [illegible] ہاف سلیوز والی قمیص پہنی ہوئی تھی۔ جیرٹ کی قمیص پر بڑے بڑے سورج مکھی کے پھول بنے ہوئے تھے۔ جس پر تلے اور کناری کا کام کیا گیا تھا۔ بڑا سا پھیرا اور چوڑی دار پاجامہ اس نے بطور خاص مہندی کے فنکشن کے لیے بنوایا تھا۔ اب شازیہ، ہیرو اور ارم ہیروئن کے انداز میں گانے پر پرفارم کررہی تھی۔ حبیبہ، عائشہ اور رابعہ تینوں دور سے یہ ہوش رُبا منظر دیکھ رہے تھے۔

"رابعہ! انہوں نے یہ کس طرح سے کیا ہے؟" ڈانس ختم ہوتے ہی عائشہ نے رابعہ سے پوچھا۔

"باجی! کوئی چیز بھی بغیر اصلاح اور ریہرسل کے بندہ نہیں سیکھتا۔ انہوں نے بھی ٹی وی پروگرامز سے دیکھا اور ڈیک پر ریہرسل شروع کردی۔" رابعہ نے



عائشہ کو وضاحت دی۔

"تو کیا جب یہ ریہرسل کرتی ہیں تو پھوپھو یا ماموں لوگ کچھ نہیں کہتے؟"

"باجی لگتا نہیں کہ آپ لاہور سے آئی ہیں۔"

"کیوں......؟" عائشہ حیران ہوگئی کہ آخر اس نے کیا کہہ دیا ہے۔

"باجی! انڈیا کے گانے ہوں یا فلمیں اور ڈرامے اب ہماری تہذیب اور رواج کا حصہ بن گئے ہیں۔ ان پر ناچنا بھی اب ہماری روایت بن گئی ہے۔"

"رابعہ! یہ سب لڑکیوں نے ایک ہی رنگ کیوں پہنا ہوا ہے؟"

"باجی! مجھے لگتا ہے آپ کسی کنوئیں سے نکلی ہیں۔" رابعہ نے ہنستے ہوئے کہا اب کے "حبیبہ" بھی متوجہ ہوگئی۔

"بھئی ہم نے تو لائف میں صرف پڑھنا اور پڑھانا سیکھا ہے۔ یہ سب چیزیں تو یہاں [illegible] دیکھی ہیں لاہور میں [illegible] بھی شادیاں یا نکاح وغیرہ کی رسموں میں شرکت کی ہے وہ یا تو مدرسے کے گھر یا پھر ابو جان کے کسی دوست وغیرہ کے بچوں کی شادیاں ہوئی تھیں اور وہاں یہ سب نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ ابو یا تایا ابو کے دوست بھی تقریباً دین دار اور اسلام پسند ہیں۔ اس لیے ہم ایسی شادی پہلی مرتبہ دیکھ رہے ہیں۔"

رابعہ اس کی بات پر حیران رہ گئی۔ "مگر دین اور وہ بھی لاہور میں یقین نہیں آتا عائشہ باجی۔ لاہور جہاں سے فیشن زندہ ہوتا ہے وہاں دین سیکھنا ممکن سی بات ہے۔"

"رابعہ! اصل میں تم نے اسکول کالج اور گھر دیکھا ہے۔ دین تو اب دنیا کے کونے کونے میں پھیل رہا ہے۔ کفار کی ساری تدبیریں دھری رہ جائیں گی۔ مگر افسوس مسلمان گمراہ ہورہے ہیں اور غیر مسلم تیزی سے مسلمان ہورہے ہیں۔"

عائشہ نے دل میں سوچا کہ جب ہم کو انڈین کلچر ہی اپنانا تھا تو لاکھوں جانوں کی قربانی دے کر یہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا الگ نظریہ ہی کیوں پیش کیا گیا۔ کیوں اتنی جانیں ضائع ہوئیں۔ ہم نے تو یہ ملک حاصل کیا تھا۔ اسلام کو فروغ دینے کے لیے۔

عائشہ کا سر چکرانے لگا تھا۔

"عائشہ! تم کیوں فکر کرتی ہو۔ اللہ جسے ہدایت دیتا ہے وہ راہِ راست پر آجاتا ہے اور جسے گمراہ کردے وہ عمر بھر بھٹکتا رہتا ہے۔" حبیبہ نے بے فکری سے کہا۔

"نہیں میرا نظریہ تم سے الگ ہے حبیبہ۔ ہم اس دنیا میں صرف دین کے لیے آئے ہیں، ہمیں دین سیکھنا ہے اور دوسروں تک پہنچانا ہے۔"

"ارے تم یہاں کیا کررہی ہو آؤ نا۔ (لڈی) ڈالنا۔" عروسہ نے عائشہ اور حبیبہ کا ایک ساتھ ہاتھ پکڑ کر [illegible]

"نہیں...... نہیں...... ہمیں نہیں آتا۔"

"میں سکھادوں گی نا، آؤ تو سہی پلیز۔" عروسہ بضد تھی۔

"نہیں عروسہ ہمیں یہ سب اچھا بھی نہیں لگتا۔ پلیز خفا نہ ہونا۔"

اور وہ دور سے کھڑا دیکھ رہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی عائشہ نے سفید ہی لباس پہنا ہوا تھا اور اسے وہ کوئی آسمانی حور معلوم ہورہی تھی۔ عامر نے سفید کرتا پہنا ہوا تھا جس کے گلے پر بھاری کشیدہ کاری کی گئی تھی۔ وہ ہمیشہ کی طرح منفرد ہی لگ رہا تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ جیسے اس کی آنکھیں پتھرا جائیں گی۔ وہ ایک تک عائشہ کو تکتا رہا تھا۔

"اوں...... ہوں! بھیا خیریت تو ہے؟" شازیہ

نے عامر کو چھیڑا۔ کیونکہ یہ تو کوئی بھی اس کی نظروں کے زاویے سے اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ اس وقت کس شخصیت کو اپنی آنکھوں کے کیمرے میں فوکس کیے ہوئے ہے۔

"بھیا..... کالے میں کچھ کچھ دال ہے۔"

"دال میں کچھ کچھ کالا ہوتا ہے..... جاہل۔"

"بھیا! ہوتا ہوگا ہم نے بھی سن رکھا ہے مگر یہاں تو "کالے میں ہی کچھ کچھ دال" نظر آ رہی ہے۔"

"اچھا اب اگر میں مان بھی لوں تو کوئی فائدہ۔"

"ہے ناں، بھئی بہت فائدہ ہے مابدولت آپ کے ہر کام آئیں گے۔" شازیہ نے اک ادا سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو پھر یہ جان لو کہ تمہارا بھائی اس چاند کو اپنے آنگن میں اتارنے والا ہے۔"

"بھیا! دیکھنے کی حد تک تو ٹھیک ہے مگر یہ چاند ہمارے آنگن میں اترے یہ تھوڑا مشکل ہے۔"

"کیوں..... کیا تمہیں اپنے بھائی میں کسی چیز کی کمی لگتی ہے۔"

"نہ..... نہ بھیا کمی تو نہیں مگر ماحول۔"

"ماحول کی فکر مت کرو، محبت کی دنیا اور ماحول الگ ہی ہوتا ہے اور میں ان شاء اللہ محبت کو اپنی محبت سے جیت کر امر کروں گا۔"

"اللہ کرے بھیا، ایسا ہی ہو، مگر مجھے آپ کی دیوانگی سے ڈر لگ رہا ہے۔ اس لیے ہر طرح کے انجام کے لیے تیار رہیے۔"

"اچھا اب تمہیں میری تھوڑی ہیلپ کرنی ہے۔"

"ہیلپ.....؟"

"ہاں!" اور اس نے شازیہ کو اپنے بنائے ہوئے پلان سے آگاہ کیا۔

"بھیا! یو آر گریٹ۔" بجے تالی اور دونوں نے ایک ساتھ قہقہہ لگایا۔

"میرج لان" میں خوب صورت سجائے گئے اسٹیج پر جنید اور انشرح دولہا دلہن کے روپ میں چاند سورج کی جوڑی لگ رہے تھے۔

چندا، ستارے، پھول اور شبنم تاروں کی بارات ہو
میں تمہارے ساتھ ہوں زندگی بھر تم میرے ساتھ ہو

عائشہ کے لیے یہ ماحول بالکل نیا تھا اسے ہر چیز عجیب لگ رہی تھی۔ لیکن اب عائشہ کی سوچ بدل چکی تھی۔ عائشہ نے اب اس ماحول کو سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ اس ماحول کا حصہ بن کر اسے برائیوں کی دلدل سے نکالنا تھا۔

"عائشہ.....!" شازیہ نے اسے پکارا۔ عائشہ نے مڑ کر دیکھا۔ اب کے شازیہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بلایا۔ عائشہ، شازیہ کے قریب گئی اور پوچھا

"خیریت تو ہے شازیہ؟"

"ہاں تم سے ایک بات کرنی ہے۔ پلیز ذرا تھوڑا سائیڈ پہ چلتے ہیں۔" عائشہ اور شازیہ دونوں لان کی ایک طرف جہاں رش کم تھا وہاں پڑی کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔

بولو شازیہ! کیا بات ہے؟"

"ہاں وہ اصل میں....." شازیہ سے لفظ نہیں بن پا رہے تھے۔ "عائشہ تم مناسب سمجھو یا نہ سمجھو بات یہ ہے کہ بھیا جواب بالکل ہمارے پیچھے کھڑے ہیں تم سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں اور اب تم ان کی بات سنو لہٰذا میں چلتی ہوں۔" وہ عائشہ کو اکیلا چھوڑ کر چل دی۔ عائشہ نے اس کی بات سن کر ایک دم پیچھے مڑ کر دیکھا اور فوراً آنچل سے چہرہ ڈھک لیا۔

"عائشہ! پلیز خفا نہ ہونا، مجھے اچھا نہیں لگتا تھا مگر میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ اس لیے میں نے یہ



قدم اٹھایا ہے۔ ٹھیک ہے جس ماحول کی پروردہ آپ ہو اس میں یہ بات جائز ہو یا نہ ہو، لیکن میں نے یہی ٹھیک سمجھا کہ اپنے دل کی بات آپ ہی سے کروں تو بہتر ہوگا۔ عائشہ! میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ سوچ سمجھ کر مجھے جواب دیجیے۔" اور یہ کہہ کر اس نے ایک پیکٹ اسے تھما دیا۔

"یہ میری طرف سے محبت کی پہلی سوغات سمجھ لیں۔"

وہ یہ کہہ کر چلا گیا۔

عائشہ تو بُت بنی بیٹھی رہی اور پھر اچانک بولی۔

"سنیے تو....." مگر وہاں سوائے خاموشی کے اور کچھ نہ تھا۔ عائشہ کو خود پر سخت غصہ آیا۔ ویسے تو وہ خود کو بڑی شے سمجھتی تھی مگر پتہ نہیں اس شخص کو ہمیشہ دیکھ کر اس کے اندر تک گہرا سکوت طاری کیوں ہو جاتا ہے۔

"نہیں..... اُف..... یہ؟ یہ کیا ہے؟ اور وہ کیا کہہ رہا تھا۔ کیا میں اتنی بدھو ہوں اُف اللہ، اب پتا نہیں یہ کیا مصیبت ہے..... پھینک دوں..... رکھ لوں..... کیا کروں؟"

"ارے عائشہ تم یہاں ہو، ہم نے کہاں کہاں تمہیں نہیں ڈھونڈا، چلو سب کھانے پر تمہارا پوچھ رہے ہیں۔" عروسہ، رابعہ اور حبیبہ اس کی طرف بڑھیں۔ عائشہ نے پیکٹ جلدی سے ہینڈ بیگ میں چھپالیا۔ "ہاں چلو" وہ اٹھ کر ان کے ساتھ چل پڑی۔

عائشہ صبح کی نماز سے فارغ ہوئی تو فوراً اسے اس پیکٹ کا خیال آیا۔ اس نے بیگ سے پیکٹ نکالا، اس کو کھولا، ایک خوب صورت چین جس میں دل والا خوب صورت اور کافی نفیس لاکٹ تھا۔ ایک خوب صورت کارڈ تھا۔ ایک گلاب کا پھول تھا۔ عائشہ نے کارڈ اٹھایا۔ کارڈ پر ایک لڑکے کی تصویر تھی جس نے بنیان اور جینز پہنی ہوئی تھی۔ لڑکے کی بیک سائیڈ تصویر تھی اس نے دونوں بازو وا کیے ہوئے تھے۔ وہ غالباً سمندر میں کھڑا تھا۔ شام ڈھل رہی تھی، پرندے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ عائشہ نے کارڈ کھولا تو خوش بو بکھر گئی اور ساتھ ہی آئی، لو، یو، کی آواز پر ستارے چمکنے لگے۔ اُن ستاروں کے بیچ خوب صورت سی نظم لکھی ہوئی تھی۔

"بارہا محبت میں، اس طرح تو ہوتا ہے
جس کو ٹوٹ کر چاہو
بے وفا نکلتا ہے
آؤ ہم بدل ڈالیں، ان پرانی رسموں کو
تم کرو محبت اور، ہم وفا کیے جائیں
راستے محبت کے، جس طرف لیے جائیں
اس طرف ہی چلنا ہے، اور اس طرح سے چلنا ہے
کہ راستے کے پتھر بھی، ہم کو دعا دیے جائیں"

"ڈیئر کزن تمہارے جواب کا منتظر ہوں۔ تمہارا جواب اگر "ہاں" ہوگا تو ان شاء اللہ ہم بزرگوں کی رضامندی اور دعاؤں سے ایک ہو جائیں گے اور اگر تمہارا جواب نفی میں ہوگا تو نہ صرف یہ دل ٹوٹ جائے گا۔ بلکہ تمہیں بھلانا میرے لیے انتہائی کٹھن اور دشوار ہوگا۔ مگر میں یہ کرلوں گا۔ مجھ سے کسی غلط انجام کی توقع نہ رکھنا۔"

تمہارا کزن عامر حسین ملک

عائشہ عجیب سی کیفیت میں مبتلا تھی کہ اچانک شازیہ آ گئی۔

"میں اندر آ سکتی ہوں....."

"ہاں آؤ شازیہ....." عائشہ نے اُن سب چیزوں کو تکیے کے نیچے دبا دیا۔

"کیسی ہو عائشہ..... رات بور تو نہیں ہوئی۔"

"نہیں ٹھیک ہوں..... اور بور نہیں بلکہ اچھا لگا تھا۔"

"رئیلی! کانگریچولیشن کہ آہستہ آہستہ آپ ہمارے

ماحول کی عادی ہوگئی ہیں۔"

"نہیں ایسا نہیں ہے شازیہ، بلکہ مجھے لگا میں غلط ہوں ہم لوگ الگ سے زندگی بسر کررہے ہیں۔ ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ ہمیں لوگوں میں گھل مل جانا چاہیے اور اُن کی اصلاح کرنی چاہیے کہ وہ کب اور کہاں غلط کررہے ہیں۔"

"اچھا اک بات ہے کہ یہ ہے "سوٹ" کھول کر دیکھ لو اچھا لگے تو ولیمے میں پہن لینا، ورنہ تمہاری مرضی۔" شازیہ اسے سوٹ دے کر چلی گئی۔

عائشہ نے سوٹ ایک طرف رکھ دیا۔ حبیبہ نے عائشہ کو پیچھے سے اچانک جھنجوڑا۔ عائشہ لوفون ہے خالہ کا، عائشہ نے موبائل کان سے لگاتے ہی کہا۔

"السلام علیکم، امی جان......"

"وعلیکم السلام بیٹا! کیسی ہو؟"

"امی بالکل ٹھیک، آپ سنائیں سب خیریت ہے نا۔"

"ہاں بیٹا! سب خیریت ہے۔ بس تم سے بات ہوجائے تو دل کو سکون مل جاتا ہے۔ تمہارے بغیر تو گھر اداس اُداس لگتا ہے۔"

"امی! آپ تو کہتی تھیں کہ میں بولتی نہیں ہوں، پتا نہیں چلتا گھر میں کوئی ہے بھی یا نہیں۔"

"نہیں بیٹا! تمہارا احساس ہی دل کی ٹھنڈک ہے۔ اچھا بیٹا سنو! تم سے ایک بات کرنی ہے۔"

"جی امی! بولیں کیا بات ہے۔"

"بیٹا! تیرے نانا ابا آئے تھے اور خالہ بھی۔ بیٹا! وہ رشتوں کو مزید مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ طلحہ اور تمہارا رشتہ ہوجائے اور زبیر اور حبیبہ کا رشتہ ہوجائے تاکہ ہم ہمیشہ کے لیے ایک ہوجائیں۔ تمہارے ابو نے انہیں کہا ہے کہ بچوں کی رائے پوچھ لی جائے تو بہتر رہے گا۔ اس لیے ہم نے سوچا ہے پہلے تم دونوں سے پوچھ لیا جائے۔ اب سوچ لو اور پھر مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کرنا ٹھیک ہے۔"

"ٹھیک ہے امی، میں آپ کو بتاؤں گی حبیبہ سے پوچھ کر۔"

"اچھا بیٹا! اپنا خیال رکھنا ماموؤں کو اور گڈی اور زینب کو سلام، باقی بھی جو پوچھے سلام کہنا۔ ٹھیک ہے اللہ حافظ۔"

"اچھا امی، اوکے اللہ حافظ۔" موبائل آف کرکے عائشہ نے حبیبہ کو تھما دیا۔

"حبیبہ! تمہیں پتا ہے امی نے کیا کہا ہے؟"

"نہیں تو! مجھے کیسے پتا ہوگا خالہ نے تم سے کہا ہے اب بتاؤ گی تو پتا چلے گا کہ کیا کہا ہے۔"

"تایا ابا اور ابو جان نے امی سے کہا ہے کہ ہم دونوں سے پوچھیں کہ مجھے طلحہ کا اور تمہیں زبیر کا رشتہ قبول ہے تو ہمیں جواب دیں۔"

"کیا......؟" حبیبہ کا چہرہ بجھ سا گیا۔

"کیوں کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے......؟"

"ہیں...... نہیں تو، مگر میں ابھی ذہنی طور پر اس فیصلے کے لیے تیار نہیں ہوں اور پھر زبیر بھائی اور میں......؟"

"میرا فرض تھا تمہیں بتانا، اب اچھی طرح سے سوچ لو۔"

"بائی دا وے عائشہ تمہارا جواب میرے بھائی کے لیے کیا ہوگا۔"

"نہیں......"

"کیا......؟"

"بھئی میں کہہ رہی ہوں کہ نہیں بتاتی، پورا سنا تو کرو۔"

"تو ٹھیک ہے میرا جواب وہ ہوگا جو تمہارا ہوگا۔"

"کیوں میرے ساتھ تمہارا نکاح ہے۔"

"ہاں، ایسا ہی سمجھ لو۔"

دونوں کو ہنسی آ گئی۔ عائشہ نے اسے دھکا دیا اور کہا "چلو اب دفعہ ہوجاؤ۔ تیاری کرنی ہے ولیمے کے لیے۔" اُم حبیبہ ہنستی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

عائشہ نے جلدی سے گفٹ پیکٹ کھولا جس میں سوٹ تھا۔ ڈبے کو کھولا تو اس پر چٹ لگی ہوئی تھی۔

"کزن اگر تم نے ولیمے میں یہ سوٹ پہنا تو سمجھ لوں گا کہ تمہارا جواب "ہاں" ہے اور اگر نہیں پہنا تو سمجھ لوں گا کہ یہ چاندنی کسی اور کے آنگن کا ہے۔"

اس نے ایک جھٹکے سے اس سوٹ کو دور پھینک دیا ایسے جیسے کوئی سانپ ہو۔ کئی لمحے گزر گئے اسے سوچتے ہوئے اور نجانے پھر کیا سوجھی اس نے بڑی عقیدت سے اس سوٹ کو اٹھایا اور بیڈ پر رکھ دیا۔ وہ مسلسل سوچوں میں گھری ہوئی تھی کہ وہ اس سوٹ کا کیا کرے۔ کیوں کہ اگر وہ سوٹ پہن لیتی ہے تو وہ اپنے پلان میں کامیاب ہوسکتی ہے۔ کیوں کہ محبت کرنے والا انسان کچھ بھی کرسکتا ہے اور اسے یقین تھا کہ اس کی سوچیں اور خواب عامر ملک ہی ہے جو پورے کرسکتا۔ وہ ضرور ساتھ دے گا اس کا۔ گاؤں میں ایک خوب صورت مدرسہ بنانے کے لیے وہ اکیلی نہ تو یہاں رہ سکتی ہے اور نہ ہی طلحہ اسے یہاں رہنے دے گا۔ اگر وہ عامر سے شادی کرتی ہے تو ایک تو برسوں کے ٹوٹے رشتے جڑ سکتے ہیں اور دوسرا اس کا خواب کہ گاؤں میں ایسا مدرسہ جہاں عورتیں قرآن پاک اور احادیث مبارک کا علم حاصل کریں اور اپنی زندگی کو اسلامی تقاضوں کے مطابق گزاریں اور چھوٹے بچوں کے لیے ایسا اسکول ہونا چاہیے جہاں وہ دینی اور دنیوی تعلیم حاصل کرکے ملک دوست بنیں اور یہ تعلیم انہیں مفت دی جائے اور اسے اپنے رب پر پورا بھروسا ہے کہ وہ اس کا ساتھ ضرور دے گا۔ اس کارِ خیر میں۔ اب اس نے سوچ لیا تھا کہ امی کو جواب دے دے گی اور جب لاہور جائے گی تو ابو کو سمجھا دے گی کہ اس نے کیوں طلحہ کے رشتے سے انکار کیا ہے اور وہ کیا سوچ کر اب اپنی زندگی کے باقی دن گاؤں کی نذر کرنے والی ہے۔ اب اس کے ذہن میں مسلسل یہی سوچ مچل رہی تھی۔ کہ "ہم دوسروں کو غلط کہہ کر انہیں غلط جگہ پر چھوڑ دیتے ہیں۔ بس جی! یہ تو لوگ ہی غلط ہیں۔ افسوس ہم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ کیا وجہ یا کیا اسباب ہوں گے جن کی وجہ سے ایک قوم غلط راستے پر چل نکلتی ہے۔ اُلٹا ہم اپنا دامن بچا کر انہیں اسی دلدل میں چھوڑ کر نکل پڑتے ہیں۔ پھر ہم خود کو بڑا پرہیز گار اور متقی سمجھتے ہیں۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ حساب لے گا اس کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا کہ خود تو نماز پڑھتے تھے کسی اور کو بھی دعوت دی تھی کبھی۔ خود تو قرآن پڑھتے تھے کسی اور کو بھی پڑھنے کو کہا۔ دین اسلام ایک امانت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو امانت دی، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو، صحابہ کرام نے اپنے بعد آنے والوں کو اور اس طرح دین اسلام ہم تک پہنچا ہے اور ہمیں اب دوسروں تک پہنچانا ہے اور میں بھی تو "کنویں کے مینڈک" کی طرح صرف اپنی ذات میں گم تھی۔ مجھے بھی تو یہ دین، یہ علم کی روشنی امانت ملی ہے اور ان شاء اللہ اب میں اس امانت کو ضرور دوسروں تک پہنچاؤں گی اور میرا اللہ میری نصرت فرمائے گا۔"

قسط نمبر 32

# چاہتیں، یہ شدتیں

سمیرا شریف طور

جب اپنی روح کے احوال میں شامل نہیں سمجھا
تعلق توڑنے کے بھی اُسے قابل نہیں سمجھا

محبت کے سوا بھی ہیں بہت سے مسئلے اس کے
دماغ اس بات کو سمجھا لیکن دل نہیں سمجھا

وہ اسلام آباد سے واپس آئی تو پتا چلا کہ سعد باقاعدہ ان کے ہاں رہائش پزیر ہے بلکہ ماما پاپا خود جا کر تایا ابو کے پاس فرح کا ہاتھ بھی مانگ آئے ہیں اس کا ارادہ کراچی جانے کا تھا مگر سعد کا سن کر اس نے ارادہ بدل دیا تھا اور پھر دن اپنی رفتار سے گزرنے لگے تھے۔ سمعان کے ساتھ رہتے ہوئے وہ اکثر اپنے ہی جذبوں سے گھبرا کر اُلجھنے لگی تھی مگر کوئی جائے فرار نہ تھی۔

ایک دفعہ وہ پھر لاہور جا کر ٹیسٹ دے آئی تھی۔ ٹیسٹ اچھا ہوا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ میرٹ پر آ جائے [illegible] گا۔ [illegible] اور [illegible] نے بظاہر لاہور [illegible] داخلے کے لیے [illegible] اعتراض نہیں کیا تھا مگر یہ بھی ضرور کہا تھا کہ۔

”جب اسلام آباد میں ہر طرح کا ادارہ موجود ہے تو اتنی دور لاہور جانے کی کیا ضرورت ہے بھلا؟“

وہ تب چپ رہی تھی اور پھر جب رزلٹ کی آمد آمد تھی تو ماما کی مسلسل کالز آنے لگی تھیں کہ وہ ایک بار کراچی کا بھی چکر لگا لے وہ صرف سعد کی وجہ سے رُکی ہوئی تھی ورنہ اُڑ کر پہنچتی۔ شائستہ بیگم نے سمعان احمد سے زرش کو کراچی بھیجنے کی بات کی تو وہ فوراً رضا مند ہو گیا تھا۔ بلکہ اسے چھوڑنے خود آیا تھا۔ ائیرپورٹ سے انہیں ریسیو کرنے کو سعد آیا تھا اور سعد جمال کو دیکھ کر زرش پر عجیب سا اضطراب طاری ہوا تھا۔

”کیسی ہو……؟“ سلام دعا کے بعد اس نے حال پوچھا تو وہ صرف گردن ہلا کر لاتعلق سی بن گئی تھی۔

سمعان نے زرش کا رویہ محسوس کیا تو سعد کو فوراً اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔

گھر پہنچ کر بھی اس کا رویہ سعد کے ساتھ وہی تھا۔ سعد نے بڑی شدت سے محسوس کیا۔ جہاں سب نے معاف کر دیا تھا وہاں زرش کی اس لاتعلقی نے دل پر بڑا اثر کیا تھا۔

کھانے کے بعد سمعان اپنے گھر چلا گیا تو زرش بھی اپنے کمرے میں آ گئی تھی اور شام کے وقت کچھ دیر آرام کے بعد کمرے سے باہر نکلی تو لاؤنج میں چلی آئی تھی۔ ماما پاپا کے ساتھ سعد وہیں موجود تھا۔ چند باتوں کے بعد ماما اُٹھ کر کچن دیکھنے چلی گئیں تو پاپا بھی کمرے میں چلے گئے تھے۔

"تم ناراض ہو مجھ سے......؟" سعد نے پوچھا تو زرش نے ایک خاموش نگاہ اس پر ڈالی۔

ٹھیک ہے وہ سمعان کے ساتھ اب ایڈجسٹ ہونے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ سعد جمال کی وجہ سے ایک عذاب جھیل چکی تھی وہ ان لمحوں کی اذیت فراموش نہیں کر سکتی تھی۔ سعد جمال کی نیت کچھ بھی ہو مگر اس کی ذات اس کے پاپا کو زندگی اور موت کی کشمکش میں دھکیل گئی تھی۔

"کیوں......؟" وہی لاتعلق انداز۔

"زرش! میں نے وہ سب تمہارے اور سمعان کے لیے کیا تھا۔ خدا کی قسم میری نیت بالکل صاف تھی۔ اگر ممانی کی وجہ سے صرف تمہیں قبول کرنے کی بات ہوتی تو میں کبھی پیچھے نہ ہٹتا بے شک میری فرح سے انگیج منٹ تھی مگر میں نے یہ قدم صرف تمہاری اور سمعان احمد کی فلاح کے لیے ہی اُٹھایا تھا۔"

"میں آپ سے کچھ پوچھ نہیں رہی اور نہ ہی آپ سے کوئی گلہ شکوہ کر رہی ہوں۔ میں ایک اذیت سے گزر چکی ہوں سب کے نزدیک حالات نارمل ہو چکے ہیں مگر کسی کی نظروں سے گر کر جینا کسے کہتے ہیں آپ میری اذیت کا اندازہ نہیں لگا سکتے اس لیے آپ اس موضوع پر مجھ سے بات بھی نہ کریں۔ میں ماما پاپا کی وجہ سے اگر اسلام آباد میں ہوں تو اس بات کو ہی اہم سمجھیں اور آئندہ مجھ سے بات کرتے ہوئے اس سے پرہیز کیجیے گا۔" تلخی سے اپنے اندر کا غبار سعد پر الٹ دیا تھا اور سعد کچھ کہنے کی کوشش میں لب بھینچ گیا تھا۔ وہ اُٹھ کر وہاں سے نکل گئی تھی۔

پھر اس کے بعد سعد نے کوشش کی تھی کہ اسے مخاطب نہ کرے اور زرش بھی اپنی ذات میں مگن رہتی تھی۔

سمعان اگلے دن ہی واپس اسلام آباد چلا گیا تھا۔ زرش کا ارادہ چند دن رہنے کا تھا۔ انہی چند دنوں میں اس کا رزلٹ آیا تھا، اپنے ٹیسٹ کا رزلٹ اور اس کے بعد امتحان، دونوں میں وہ [illegible] انداز میں کامیاب رہی تھی۔ خاص طور پر امتحان کے رزلٹ میں اس کی پہلی پوزیشن رہی تھی۔ اس نے جس حالت میں اور جن دنوں ایگزیمز دیے تھے ایسے عالم میں ہمیشہ کی طرح ٹاپ کرنا۔ سب کے لیے بڑا سرپرائزنگ رہا تھا۔ ہر کسی نے خود آ کر یا فون کے ذریعے وش کیا تھا۔ حتیٰ کہ فرح علی خود آ کر وش کر کے گئی تھی ماما پاپا نے نقد انعام دیا تھا۔ دو تین دن وہ بس رزلٹ کے سلسلے میں ہی مصروف رہی تھی۔ عثمان بھائی اور بھابی نے بھی کال کر کے وش کیا تھا۔ سمعان کام کے سلسلے میں لاہور گیا ہوا تھا۔ کال تو تقریباً روز ہی کر لیتا تھا مگر جب سے رزلٹ اناؤنس ہوا تھا سمعان نے کال تک نہ کی تھی۔ لاشعوری طور پر وہ سمعان کی طرف سے سب سے پہلے وش کیے جانے کی منتظر تھی مگر جوں جوں دن گزر رہے تھے اس کا دل بجھ گیا تھا۔

اسے بڑی شدت سے احساس ہوا کہ سمعان بدل رہا ہے۔ ورنہ اس سے متعلق ایک ایک بات کی خبر رکھنا سمعان اپنے لیے فرض سمجھتا تھا۔ اتنی بھرپور کامیابی کے باوجود اس کا دل بجھ گیا تھا۔ سب کی ستائش سب کا سراہنا والہانہ پن سمعان کے یوں نظر انداز کیے جانے پر اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

سارا دن سب کے ساتھ مصروف رہی تھی۔ نوشی عفان بھائی اور ہادیہ آپا وغیرہ چلے آئے تھے سب کے اصرار پر وہ ان کو باہر ڈنر پر لے گئی تھی ایک بھرپور وقت گزار کر گھر واپس آ کر بھی اس کا دل خوش نہیں ہو پا رہا تھا۔ اسے اپنی شاندار کامیابی انتہائی زہر لگ رہی تھی۔ بستر پر لیٹتے ہوئے اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئی



تھیں۔

"سمعان......" اس کے لبوں سے سسکاری نکلی تھی۔ موبائل ہاتھ میں پکڑے وہ کئی ثانیے تک نمبر ملائے یا نہ ملائے کی تکرار میں اُلجھی رہی تھی۔ اس نے خود سے بھی سمعان سے رابطہ نہیں کیا تھا۔

اس نے سمعان کا نمبر ملایا تھا، کال جا رہی تھی، بیل ہوئی تھی۔

"السلام علیکم......" سمعان احمد کی آواز سنائی دی تو ضبط کرتے کرتے بھی زرش کے لبوں سے سسکی برآمد ہوگئی تھی۔ اس نے ایک دم لائن ڈس کنکٹ کر دی تھی۔ اگلے ہی پل سمعان نے کال کر دی تھی۔

موبائل وائبریٹ کرتا رہا تھا اور وہ تکیے میں سر دیے اپنی جذباتیت کا گلا گھونٹنے میں لگی رہی تھی۔ مسلسل کوشش کے بعد سمعان نے کال کرنا بند کر دی تھی۔ تب تک زرش نے خود پر بھی قابو پا لیا تھا۔ اب رہ رہ کر اپنی جذباتیت یاد آ رہی تھی۔ نجانے سمعان نے کیا سمجھا ہوگا۔ کم از کم اسے خود پر قابو رکھنا چاہیے تھا سمعان کی کال ریسیو کرنی چاہیے تھی۔ اپنے آپ سے لڑتے نجانے کب آنکھ لگی تھی اور پھر عجیب سے احساس سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔

موبائل وائبریٹ کر رہا تھا۔

"سمعان" کا نام اسکرین پر جگمگا رہا تھا۔ سوئی جاگی کیفیت میں اس نے "یس" کا بٹن پش کر دیا تھا۔

"ہیلو......" نیند سے بوجھل آواز میں گویا تھی۔

"تمہیں جب کبھی ملیں فرصتیں، میرے دل سے بوجھ اُتار دو
میں بہت دنوں سے اُداس ہوں مجھے کوئی شام اُدھار دو"

سمعان کا بھاری گمبھیر لہجہ اس کی سماعت میں گونجا تو وہ ایک دم ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی تھی۔ [illegible] بکھرے بال ہاتھ سے پیچھے کرتے اس نے اپنی حواس باختگی پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔

"سمعان......" اس کے لبوں سے یہ نام اقرار بن کر پھسلا تھا۔ ایک ایسا اقرار جو اس کی بے قراری کا گواہ تھا۔ اس کی وحشت کا ترجمان تھا۔ اس کی چاہت کی اوس میں بھیگا لہجہ اس کی شدتوں کو آشکار کرنے کو بے چین تھا۔

مجھے اپنے روپ کی دھوپ دو کہ چمک سکیں میرے خال وخد
مجھے اپنے رنگ میں رنگ دو، میرے سارے رنگ اُتار دو
کسی اور کو میرے حال سے نہ غرض ہے نہ کوئی واسطہ
میں بکھر گیا ہوں سمیٹ لو، میں بگڑ گیا ہوں سنوار دو

ایسا گمبھیر جادو اثر لہجہ تھا کہ زرش کو لگا اس کی آواز گنگ ہو گئی ہے وہ اب بول نہیں پائے گی۔ وہ سمعان سے خفا تھی، دل میں اس کے رابطہ نہ کرنے، وش نہ کرنے پر ہزاروں، بدگمانیاں اور شکوے در آئے تھے مگر سمعان کی اس شدت سے پُر آواز کے اُتار چڑھاؤ نے اس کی زبان سے سارے گلے شکوے چُن لیے تھے۔

"میری وحشتوں کو بڑھا دیا، جدائیوں کے عذاب نے
میرے دل پہ ہاتھ رکھو ذرا، میری دھڑکنوں کو قرار دو"

کیسی خواہش تھی لہجے میں کیسے جذبات بول رہے تھے۔

الفاظ کا انتخاب اور آواز کا اتار تیز بہاؤ' بالکل جذبات کے ہم آہنگ تھا۔ ایک ایک لفظ مکمل معنویت لیے ہوئے تھا۔ اسے کبھی شعر و شاعری سے شغف نہ رہا تھا' مگر اب سمعان کی آواز میں یہ الفاظ سن کر اس کا دل گداز ہوا تھا۔ جذبوں کی لو بلند ہوئی تھی۔ سینے میں تلاطم برپا ہوا تھا۔

''کیسی ہو؟'' اسی مخصوص محبت و توجہ سے پوچھا جارہا تھا۔ وہ تو ابھی تک آواز کے زیر و بم اور گمبھیرتا سے ہی نہیں نکل پائی تھی۔ اس سوال پر دل کا گداز ایک دم آنسوؤں میں تحلیل ہوا تھا۔

''آپ کو اس سے کیا؟ میں جیئوں یا مروں۔'' شکوہ لبوں پر در آیا تھا۔

''زرش! کبھی کبھی الزام لگانے میں بھی تم حد کر جاتی ہو۔'' شکوہ ادھر سے بھی لبوں پر در آیا تھا۔ وہ لب بھینچ گئی۔

''کال کیوں کی تھی اور پھر بات کیے بغیر بند کیوں کر دی تھی؟ پر میں نے کئی کالز کیں اور تم نے ریسیو بھی نہ کی۔''

''دماغ خراب تھا میرا۔'' وہ سمجھ نہیں پارہی تھی کہ بات کو کس طرح سنبھالے سمعان ہنس دیا تھا۔

''اس میں کوئی شک بھی نہیں۔ اگر دماغ خراب نہ ہوتا تو نہ اس وقت میں اتنی دور ہوں ورنہ تم دماغ خراب ہونے کا اعتراف کرتیں۔ سمعان کا لہجہ خاصا خوش گوار تھا۔ وہ چند پل چپ رہی تھی اور پھر بتایا۔

''میرا رزلٹ آ گیا ہے......''

''پتا ہے مجھے...... میں نے فون کیا تھا تو چچی جان نے بتایا تھا۔ فرسٹ پوزیشن مبارک ہو۔ اگر انسان نے محنت کی ہو تو اس کا اجر بھی ملتا ہے۔'' بڑے سادہ سے انداز میں بتا دیا تھا زرش کے اندر کا سارا جوش ساری خوشی ایک دم مر گئی تھی۔ اس کا دل چاہا ایک دم غصے سے فون بند کر دے۔

''آپ کو کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ سب نے مجھے وش کیا ہے سوائے آپ کے۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی لبوں سے یہ الفاظ پھسل گئے تھے سمعان ہنس رہا تھا۔

''تم میرے وش کرنے کی منتظر تھیں؟''

''ظاہری بات ہے؟''

''میں نے سمجھا کہ جیسے ہمارا رشتہ ہے اس کی موجودگی میں میرا وش کرنا شاید اتنا امپورٹنس نہ رکھتا ہو۔ مجھے علم نہ تھا کہ تم منتظر ہو ورنہ سب سے پہلے میں ہی وش کرتا۔''

زرش نے اُلجھ کر موبائل کو دیکھا۔ آج سمعان کا انداز بدلا ہوا تھا۔ یا شاید اسے ہی لگا۔

''لاہور میں مزید کتنے دن رہنے کا ارادہ ہے؟'' زرش نے بات بدل دی تھی۔

''کل واپس آرہا ہوں کام ختم ہو گیا ہے تقریباً۔''

''پھر واپسی پر کراچی آجائیے گا۔ میں تیار رہوں گی۔'' اس نے آناً فاناً پروگرام بنایا تھا۔

''مگر تمہارا تو کچھ دن رُکنے کا ارادہ تھا۔'' دوسری طرف سمعان کو حیرت ہوئی تھی۔ ایک خوش گوار سی حیرت۔



''نہیں بہت رہ لی۔ پھر داخلے وغیرہ کے لیے لاہور کا بھی چکر لگانا ہوگا۔ ماما پوچھ رہی تھیں کہ کہاں داخلہ لینا ہے اگر ان کو علم ہوا تو وہ اعتراض کریں گی۔ میں نے ان کو نہیں بتایا جب ایڈمیشن ہو جائے گا تو دیکھ لوں گی۔ آپ کل آرہے ہیں نا پھر؟''

''ہوں......'' دوسری طرف سے سمعان کا سنجیدہ انداز سنائی دیا تو نجانے کیوں دل کو دھڑکا سا لگا۔ پھر وہ چپ سی ہو گئی تھی۔

''زرش ایک بات کہوں......؟''

''جی......''

''اُداس شامیں، اُجاڑ رستے، کبھی بلائیں تو لوٹ آنا
کسی کی آنکھوں میں رتجگوں کے عذاب آئیں تو لوٹ آنا
ابھی نئی وادیوں، نئے منظروں میں رہ لو مگر میری جان!
یہ سارے اک اک کر کے چھوڑ جائیں تو لوٹ آنا

سمعان کا وہی گمبھیر لہجہ گونجا تو وہ کئی ثانیے تک چپ سی رہ گئی تھی۔

''زرش تمہیں مجبوری نہیں مگر کبھی کبھار دل چاہتا ہے کہ جسے ہم اپنی جان سے بڑھ کر چاہتے ہیں وہ ہمارے قریب ہو، کچھ ہمارے بھی دل کی سنے، ہمیں سمجھے۔ زرش! تم دور تھیں تو اک احساس تھا کہ کبھی تو تمہیں میری محبت، اس کی شدت کا احساس ہوگا۔ مگر اس قدر قریب رہ کر بھی تم بے خبر جب رہتی ہو تو دل چاہتا ہے تمہیں جھنجھوڑ دوں [illegible] محبوری [illegible] میں تم سے دل لگا بیٹھا ہوں [illegible] بھی فرصت ملے تو سوچنا۔''

''ہم کو جدا نہ کر دے یہ ایک فرق ذرا سا
تم فاصلوں کے قائل، میں قربتوں کا پیاسا''

''سمعان......'' زرش کے صرف ہونٹ ہی پھڑپھڑا سکے تھے آواز حلق میں ہی پھنس گئی تھی۔

''میں کل آجاؤں گا...... تم اچھی طرح سوچ لو رزلٹ اتنا شاندار ہے پھر ٹیسٹ بھی کلیئر ہے ایڈمیشن آرام سے ہو جائے گا۔ چچی اور باقی لوگوں کو میں فیس کر لوں گا۔ ڈونٹ وری یار!''

سمعان نے ایک لمحے میں ضبط کھویا تھا مگر اگلے ہی پل اپنے اس مخصوص بے پناہ کیئرنگ اور توجہ لیے انداز میں محوِ کلام تھا اور زرش اپنی جگہ گم صم سی بیٹھی رہ گئی تھی۔ اس کے دل کی حالت جو بھی سمعان بے خبر تو نہیں ہوگا مگر خود سے اپنی کیفیت بیان کرنا بھی اسے نہیں آتا تھا۔

سمعان کی شدت محبت کی صورت اس کے وجود پر پہرا کر رہی تھی اور وہ بے بس تھی۔ آنسو آہستگی سے اس کی آنکھوں سے بہتے چلے گئے تھے۔

''زرش......'' سمعان نے پکارا تو اس نے لائن کاٹ دی تھی۔

اس نے گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ لیے تھے اور شدت سے رُو دی تھی۔ سمعان احمد کی محبت اس کے وجود

پر ہی نہیں اس کے دل پر بھی پوری طرح قابض ہو چکی تھی اور وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی اب۔

نواز شارق کے آفس گیا تھا۔ شارق اسی پرانے انداز میں ملا تھا مگر نواز نے جب رضا کے قصے کو چھیڑنا چاہا تو اس نے دوٹوک منع کر دیا تھا۔

''یا شرمندگی کرنا یہ میرا سراسر ذاتی معاملہ ہے میں اس میں کسی بھی تھرڈ پرسن کی مداخلت قطعی گوارا نہیں کرتا۔ تمہیں جن ریسورسز سے اس قصے کا علم ہوا ہے پہلے ان لوگوں کا دماغ کلیئر کرو کہ اب یہ قصہ صرف رضا اور نوریہ کا آپسی قصہ نہیں رہا۔ میری اور نوریہ کی آپسی جنگ ہے۔ میں اس کو کسی بھی طرح ہینڈل کر لوں۔ یہ میرا درد سر ہے۔'' صاف اکھڑ، دوٹوک انداز تھا اور پھر شارق نے اس موضوع پر اس سے بات نہیں کی تھی۔

ایک دو دفعہ بڑی اماں کے ہاں بھی جانا ہوا تھا مگر نوریہ تو اس کی آمد پر اپنے کمرے میں بند ہو جاتی تھی۔ اس نے کتنی دفعہ کوشش کی کہ کسی طرح اس سے سامنا ہو جائے مگر وہ تو اس کی شکل تک دیکھنے کی روادار نہ تھی۔ اب صرف رضا حمید رہ جاتا تھا نواز نے سوچا کہ اس سے بھی بات کر کے چیک کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔

نواز نے اس کے موبائل پر کئی بار رابطہ کیا مگر وہ ملتا ہی نہ تھا اس دن نواز نے اس کے گھر جانے کو ہی بہتر سمجھا تھا۔ شام کے بعد سب گھر پر ہی تھے۔ حمید چچا اور چچی سے کچھ دیر بات چیت کے بعد وہ رضا کو لیے اس کے روم میں چلے آئے تھے۔

''کیا چل رہا ہے آج کل اسٹڈی کے علاوہ......؟'' ٹیبل پر رکھی بکس کا جائزہ لیتے نواز نے پوچھا تو رضا نے کندھے اچکا دیے۔

''کچھ خاص نہیں......''

''مزید کیا ارادے ہیں؟'' نواز نے رضا کو دیکھا۔

''پتا نہیں...... ابھی کچھ پلان نہیں کیا۔''

''ہوں اچھی بات ہے۔ مجھے تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی تھی۔''

رضا نے چونک کر نواز کو دیکھا وہ سنجیدگی سے متوجہ تھا۔

''جی کہیے......'' نواز کے چہرے سے کچھ بھی اندازہ نہ ہوا تو سر ہلا دیا۔

''تمہارا اور نوریہ کا یہ کیا قصہ ہے؟'' نواز نے براہ راست رضا کی آنکھوں میں جھانکا تھا وہ ایک پل کو چونکا تھا اور پھر ایک دم تلخی سے لب بھینچ لیے۔

''آپ بہت ذاتی سوال پر نہیں اتر آئے؟'' تلخی سے اس نے کہا۔

''نہیں بالکل نہیں......'' نواز نے فوراً انکار کیا تھا۔

''آپ سے اس سلسلے میں، میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔''

''مگر میں کرنا چاہتا ہوں یہ صرف تمہارا ذاتی مسئلہ نہیں ہے اس سے نوریہ کی زندگی، زندگی بھر کی خوشیاں وابستہ ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ تم اس قدر خود غرض واقع ہوئے ہو کہ اس کی زندگی برباد کرنے کا سبب ہو۔''

''میں نے کوئی زندگی برباد نہیں کی تھی۔ مگر صرف اپنی خواہش، اپنی فیلنگز کا اظہار کیا تھا۔'' وہ ایک دم تلخی



سے پھٹا تھا۔

نواز نے بڑے سکون سے اسے دیکھا۔

''وہ بھی غلط انداز میں اور غلط انسان کے سامنے۔ تم جانتے ہو شارق نوریہ کے معاملے میں کس قدر جذباتی ہے، اگر تمہیں میرے نوریہ سے شادی سے انکار کی وجہ کا علم ہو جائے تو تمہیں شارق کے مقابلے میں اپنی فیلنگز محض حماقت محسوس ہوں۔''

''جانتا ہوں میں سب کچھ۔'' وہ آتش فشاں کی طرح پھٹا تھا اور نواز حیران رہ گیا تھا۔

''مجھے سب پتا ہے آپ نے شادی سے انکار کیوں کیا تھا اور شارق زمان نے کس طرح ان کو ٹریپ کرنے کی کوشش کر کے یہ شادی ختم کروائی تھی۔''

''تمہیں کیسے علم ہوا...... کیا شارق یا نوریہ نے؟'' حیرت کے بعد استفسار ہوا تھا۔

''نہیں...... آپ کو علم ہو گا ایک دفعہ لاہور آئے تھے اور آپ کی امی آپ سے ملنے اکیڈمی گئی تھیں۔ اس دن میں بھی اکیڈمی چلا گیا تھا جب علم ہوا کہ آپ آئے ہوئے ہیں تو میں آپ سے ملنے آیا تھا اور پھر آپ کی اور چچی کی ساری گفتگو سن لی تھی۔''

''اوہ......'' نواز نے چند پل اسے دیکھا تھا۔ ''جب تمہیں سب علم ہو گیا تھا تو پھر تم نے ایسا کیوں کیا؟''

سوال ایسا تھا کہ رضا کے اندر اضطراب بکھرتا چلا گیا تھا۔

''مجھے نوریہ کے لیے شارق زمان کی دھوکہ دہی اور کمینگی برداشت نہیں ہوئی تھی۔ میرا بس نہیں چلتا تھا کہ میں نوریہ کی زندگی سے شارق زمان کو نکال پھینکوں۔ میں نوریہ کو رسوا نہیں کرنا چاہتا تھا مگر ان دنوں میرے ذہن و دل پر ایک ہی جنون سوار تھا کہ کسی بھی طرح چاہے نوریہ مجھ سے بدظن کیوں نہ ہو جائے میں شارق زمان کو اس سے علیحدہ کر دوں، ان جیسی پاک، صاف، اچھی لڑکی کے ساتھ ان جیسا کرپٹ آدمی کا تصور بھی مجھ سے برداشت نہیں ہوتا تھا اور ایسے عالم میں رمشاء کا رویہ وہ سب جانتی تھی مگر یہ نہیں جانتی تھی کہ اسے خود سے دور رکھنے اور نوریہ کو اپنی زندگی میں داخل کرنے کی خواہش میرے اندر کیسے مضبوط تر ہوتی جا رہی ہے۔ وہ مجھے غصہ دلاتی تھی تو مجھے اس سے نفرت ہوتی تھی پھر میں نے وہ سب کیا جو شارق زمان کو نوریہ سے متنفر کرنے کا سبب بن سکتا تھا۔ میں شارق زمان سے ملا نہیں اپنی فیلنگز بتائیں مگر وہ اس حد تک تنگ نظر واقع ہوں گے مجھے اندازہ نہ تھا۔ نتیجہ میری خواہش کے مطابق تھا مگر......'' وہ خاموش ہو گیا تھا اور نواز گم صم انداز میں اسے صرف سن رہا تھا۔

''نوریہ کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت دیکھ کر میرا جی چاہا کہ میں ہر طرف آگ لگا دوں۔ میں اپنے ہی جذبات سمجھنے سے قاصر ہوں۔ نوریہ کو رسوا کر کے میں اسے نہیں پا سکتا تھا۔ نوریہ نے جن نفرت بھری نظروں سے مجھے دیکھا تھا ان کا ہاتھ میری طرف اٹھا تھا اس کے بعد میرے اندر سے ہر خواہش رخصت ہو گئی تھی۔ پھر تو بس ایک ضد اور انا برقرار تھی مگر اب لگتا ہے میں خود سے لڑتے لڑتے تھک گیا ہوں امی نوریہ کے بارے میں اکثر ذکر کرتی رہتی ہیں، اس کی بربادی کا ذمہ داری مجھے ٹھہراتی ہیں مگر۔'' وہ لب بھینچ کر خاموش ہو گیا تھا۔

نواز نے خاموشی سے اسے دیکھا۔

''اب اس سارے مسئلے کا حل بتاؤ......؟'' کچھ توقف کے بعد پوچھا تو وہ بھی سر ہلا گیا۔

''نویرہ تمہیں پتا ہے اب کس مقام پر ہے۔ وہ ہم سب سے نفرت کرنے لگ گئی ہے۔ شارق، مجھ سے اور تم سے ہی نہیں اس نے اپنی فیملی تک کو چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ میری بڑی اماں سے بات ہوئی تھی وہ بتارہی تھیں کہ نویرہ طلاق کی بات کررہی ہے۔ وہ شارق کے ساتھ کسی بھی قسم کی مصالحت کے حق میں نہیں اور شارق وہ منا سے چھوڑنے کا ارادہ رکھتا ہے اور نہ ہی بسانے کا۔ تمہاری جذباتیت نے اس کی زندگی برباد کردی ہے۔ میری طرف سے اسے جو دھچکا لگا جو بھی زیادتی ہوئی وہ سنبھل گئی تھی مگر تم نے تو اس کے اندر سے جینے کی اُمنگ تک چھین لی ہے۔ بہت بُرا کیا تم نے یار، کسی سے کہتے مجھ سے ہی رابطہ کرتے۔ میں کوئی بہتر سبیل نکالتا۔ کم از کم تم اس حماقت اور جذباتیت کا ثبوت تو نہ دیتے۔'' نواز فاروق نے بڑی بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔

''اب اگر تم لاکھ بار بھی کہو کہ تم نے غلط کیا محض شارق سے نویرہ کو متنفر کرنے کا ارادہ تھا مگر شارق کے دماغ کو کلیئر کرنا بہت مشکل ہوگیا ہے۔ تم نے اس کی وہ جذباتیت نہیں دیکھی جو شادی سے پہلے وہ نویرہ کے لیے کرچکا ہے۔ تم نے تو محض سنا تھا میں نے دیکھا بھی اور سمجھا بھی۔ نویرہ جیسی لڑکی قسمت سے کسی کو ملتی ہے اور وہ مجھے مل رہی تھی میں مطمئن بھی تھا مگر مجھے انکار کرنا پڑا محض اس لیے نہیں کہ شارق کے منہ سے اس کے اعترافات سن کر میں نویرہ سے بدظن ہوگیا تھا بلکہ اس لیے کہ عورت ذات ایک نسل کی امین ہوتی ہے شارق نویرہ کے لیے جس حد تک جاچکا تھا۔ جس طرح اس نے آرام سے درمیان سے نکلنے کی مجھ سے درخواست کی تھی میں نے بہت سوچا اور نکل جانا ہی بہتر سمجھا کہ نویرہ کے لیے شارق زمان ایک بہت وفادار اور محبت کرنے والا جیون ساتھی ثابت ہوگا۔ شارق نویرہ کے لیے [illegible] قدم اٹھا چکا [illegible] وہ سب جانتے بوجھتے بھی میں نویرہ سے شارق کے حق میں رہتا تو یقیناً شارق کسی حد تک جاسکتا تھا۔ اس نے جس طرح کی لائف گزاری ہے عورت سے متعلق اس کے دماغ میں جو تصور ہے اس کی موجودگی میں وہ نویرہ کے حصول کے لیے کچھ بھی کرسکتا تھا حتیٰ کے خاندانی نجابت کو بھی کوئی اہمیت نہ دیتا اور میں نے اس پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے منظر سے ہٹ جانا مناسب سمجھا تھا۔ میں اب لاہور واپس آیا تھا تو گمان بھی نہ تھا کہ ایسے حالات ہوچکے ہوں گے۔ ابو کو منانا بہت مشکل مرحلہ تھا۔ امی نے ابو کو ساری حقیقت بتادی تھی میرے منع کرنے کے باوجود اور اس طرح مجھے معافی مل گئی۔ رومیسہ بہت اچھی بیوی ہے ایک اچھی دوست ہے۔''

نواز نے چپ چاپ سر جھکائے بیٹھے رضا کو دیکھا تھا صرف ایک پل۔

''یار...... محبت صرف پالینے کا نام ہی تو نہیں۔ دینے اور بانٹنے کا نام بھی محبت ہے۔ میں مانتا ہوں تم جس اذیت میں ہو۔ میں تمہارے سب جذبوں کو قبول بھی کرتا ہوں مگر سچ بتاؤ اگر تم زبردستی نویرہ کو شارق سے علیحدہ بھی کروادو تو کیا نویرہ تمہیں کبھی قبول کرلے گی۔'' رضا نے نواز کو دیکھا۔ آنکھوں میں ایک دم بے بسی اتر آئی تھی۔

''وہ مجھ سے اتنی نفرت کرتی ہیں کہ اگر ان کا بس چلے تو شاید میرا وجود ہی اس دنیا سے مٹادیں۔'' صاف گوئی سے اعتراف کیا تھا۔



''تو پھر تمہیں کیا حاصل ہوا یہ سب کرکے؟ بہت غلط کیا تم نے۔ جس سے سچی، حقیقی محبت ہو اسے تو ذرا سی تکلیف دینا بھی دل گوارا نہیں کرتا تم نے کیسے گوارہ کرلیا؟''

رضا کو لگا یہ آخری ضرب تھی جو اسے اپنی ہی نظروں سے مکمل طور پر گراچکی تھی۔ اس سے پہلے وہ خود کو حق پر ہے کہہ کر کوئی نہ کوئی جھوٹی تسلی دے کر مطمئن کردیتا تھا مگر اب نواز کی باتوں نے ضمیر کو ایک دم جھنجھوڑ دیا تھا۔

''نویرہ تم سے کبھی محبت نہیں کرے گی۔ وہ کبھی تم سے بات تک کرنا گوارہ نہیں کرے گی۔ وہ جو پہلے تمہیں اہمیت دیتی تھی، تم سے محبت وانسیت کا مظاہرہ کزن ہونے کے ناتے کرتی تھی وہ اب نفرت کا اظہار کرے گی۔ تم نے یہ سب کبھی نہیں سوچا کہ وہ کس اذیت میں ہے؟ شارق نے پوری دنیا سے لڑ کر اسے حاصل کیا تھا اس کے یوں متنفر ہوجانے سے اس کی ذہنی سطح کیا ہوگی؟ اس کا کیا فیصلہ ہوگا؟ جس طرح نبیل ناراض ہے اس کے گھر والے اسے قبول بھی کریں گے یا نہیں اور اگر نہیں کریں گے تو خاندان بھر میں اس کی ذات پر لوگ کیسے اُنگلیاں اُٹھا سکتے ہیں؟ جس کا کردار بے داغ رہا ہو وہ کیسے اتنا بڑا الزام سہہ پائے گی۔ کچھ تو سوچا ہوتا تم نے......؟''

وہ اسی طرح مجرموں کی طرح گردن جھکائے بیٹھا رہا تھا۔ نواز نے لوہا گرم دیکھ کر ابھی سے چوٹ لگانا بہتر سمجھا تھا۔ جو کاری رہی تھی۔

''تم اب شارق کو جاکر سب سچ بھی بتادو۔'' (حقیقتاً نواز ایسا ہی چاہتا تھا اب صرف یہی قدم شارق اور نویرہ کے اُلجھے معاملے کو سلجھا سکتا تھا) ''اسے لاکھ یقین بھی دلادو کہ تم نے نویرہ کے معاملے میں دروغ گوئی سے کام لیا تھا تمہارا مقصد محض اسے نویرہ سے دور کرنا تھا یا جو بھی تھا کیا شارق سب سچ مان لے گا۔ فرض کرو وہ مان بھی لے تو کیا نویرہ اسے [illegible] خاندان یا وہ نویرہ کی طلاق کے معاملے پر اصل وجہ جاننے کی کوشش نہیں کرے گا؟ اور جب سب کے علم میں تمہاری جذباتیت اور شارق زمان کا رویہ آئے گا تو سچ بتانا اپنی ہی نظروں سے کون گرے گا؟ لعنت و ملامت کس کے حصے میں آئے گی؟ طلاق لینے کے بعد یقیناً نویرہ تمہارے لیے تو کبھی ہاں نہیں کہے گی اگر وہ دوسری شادی بھی کرے تو اس کی آئندہ زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوسکتے ہیں کچھ تو سوچا ہوتا یار......؟''

وہ اسی طرح چپ چاپ سب سنتا رہا تھا۔

''پھر بھی میرا تمہیں مشورہ ہے۔ اگر واقعی تم نویرہ سے حقیقی محبت کے دعویدار ہو تو تم شارق کے پاس جاؤ اسے سب کلیئر کرو۔ اسے بتاؤ کہ تم کہاں کہاں غلط تھے اور کیا کیا بہتان باندھ چکے ہو۔ اگر وہ واقعی نویرہ سے محبت کرتا ہے تو وہ پہلے کی ہی طرح اس سے متعلق جذباتی ہو تو وہ کبھی بھی اپنا گھر مزید برباد کرنے کی حماقت نہیں کرے گا۔ وہ جذباتیت کو ایک طرف رکھ کر اصل صورت حال پر غور ضرور کرے گا کہ اب اس کے پاس اور آپشن بھی نہیں رہا سوائے مصالحت کے۔ رہ گئی نویرہ اصل فیصلہ اب اس کا ہے۔ اگر شارق نے مصالحت کی کوشش کی تو وہ کیا فیصلہ کرتی ہے۔ اس کے بارے میں مجھے ڈاؤٹ ہے۔ حالات انسان کو بہت تبدیل کرتے ہیں۔ ایک کمزور انسان کو بہت بہادر اور بہادر کو ڈرپوک بنادیتے ہیں۔ آخری فیصلہ تو نویرہ ہی کرے گی کم از کم تمہاری ذات تو اپنے ضمیر کے سامنے سرخرو ہوجائے گی کہ تم نے محض جذباتیت میں جو غلطیاں کی

تھیں ان کو سنوارنے کی اپنی سی کوشش کی تھی۔ باقی اللہ پر چھوڑ دو اور وہ سب سے بڑا کارساز ہے۔"
اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے اسے تسلی دیتے اس سب کے لیے آمادہ کرتے کہا تو رضا نے بس خاموشی سے نواز فاروق کو دیکھا تھا۔

❁

بچے کی پیدائش اور عقیقے کے بعد اماں دو تین بار اسے لینے آئی تھیں مگر وہ ضد پر قائم تھی کہ اگر لے جانا ہے تو ہمیشہ کے لیے لے جانا ہوگا ورنہ نہیں جانا اس دن بھی اماں لینے آئیں تو اس نے وہی ضد رکھی تھی۔ رفعت پہلے ہی شاکڈ اور اُلجھی بیٹھی تھیں۔ نویرہ اور شارق زمان کو سمجھا سمجھا کر تھک گئی تھیں مگر مسئلے کا کوئی حل نہیں نکل رہا تھا۔ نویرہ کی وہی ضد دیکھی تو غصہ بھی آیا اور دکھ بھی ہوا۔

شارق نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ "نویرہ جس بھی عدالت میں جانا چاہتی ہے، چلی جائے مگر وہ اسے طلاق نہیں دے گا، اب بات ضد کی ہے۔"

اور نویرہ اس نے بھی ضد پال رکھی تھی کہ "وہ نہ چھوڑے مگر وہ بھی اسے مزا چکھا کر رہے گی۔ چاہے اسے کسی بھی حد تک جانا پڑے وہ اب پروا نہیں کرے گی۔"

اماں لینے آئیں تو واجدہ بیگم اور رفعت دونوں نے اسے ان کے ساتھ چلے جانے پر زور دیا تھا نجانے اس کے دماغ میں کیا سمائی کہ اس نے ان کی بات مان لی تھی مگر ساتھ میں شرط بھی عائد کر دی تھی۔

"ٹھیک ہے میں چلی جاتی ہوں مگر یاد رکھیے گا اب میں اس مسئلے کو ضرور اٹھاؤں گی۔ نبیل بھائی اور ساجد بھائی کے سامنے رکھوں گی۔ تنہا میں ہی سزا کیوں جھیلوں، جو مجرم ہے اسے بھی سزا ضرور ملنی چاہیے۔ رہ گیا طلاق کا مسئلہ اگر شارق یوں نہیں مانتا تو ٹھیک ہے کورٹ عدالت ہی سہی مگر میں اب کسی کے لیے اپنا آپ برباد نہیں کروں گی۔"

اماں نے بڑی بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔ کتنا بدل گئی تھی نویرہ۔ ان کے آنکھ کے اشارے کو سمجھنے والی ان کی چہیتی بیٹی کیسے ضد پر اتری ہوئی تھی۔ نویرہ کی ضد کو دیکھتے ہوئے انہوں نے بھی سوچا تھا کہ نبیل نہ سہی ساجد سے فون پر اس معاملے کو ضرور ڈسکس کریں گی۔ شاید وہ کوئی بہتر حل نکال لے۔ نویرہ کو سمجھا لے یا کم از کم پاکستان آ کر حالات کا جائزہ لے کر کچھ کرے۔ نبیل کی نسبت انہوں نے ساجد سے معاملہ بیان کرنے کا سوچا تھا اور اب...... نویرہ بچے کے ساتھ ان کے ہاں آ گئی تھی۔ شارق گھر پر نہیں تھا ورنہ شاید وہ بچے کو لے جانے پر اعتراض ضرور کرتا۔ اس کی غیر موجودگی میں اماں آئی تھیں اور اب وہ ان کے ساتھ اپنے گھر پر تھی۔

شام کے وقت نبیل گھر آیا تو چونکا تھا کافی عرصے بعد نویرہ ان کے ہاں آئی تھی۔ سلام دعا اور حال چال کے بعد اس نے زیادہ بات چیت تو نہ کی تھی مگر نویرہ کو دیکھ کر مطمئن بھی ہوا تھا۔ ورنہ نبیلہ ہر وقت احساس دلاتی رہتی تھی کہ نویرہ نے اس کی وجہ سے میکے کو چھوڑ دیا ہے وہ ادھر چکر نہیں لگاتی۔

غصہ اور جھگڑا تو شارق سے تھا مگر اپنے اندر کی ساری بھڑاس وہ نویرہ پر نکالتا تھا اسے کچھ نہ کچھ کہہ کر اب وہ اتنا عرصہ ادھر نہیں آئی تھی تو احساس ہوا تھا کہ اس کے ساتھ کس قدر زیادتی ہو رہی ہے۔ ہر طرف سے صرف نویرہ کی ہی ذات پس رہی تھی۔

اندرونی طور پر نویرہ کی آمد پر کچھ اطمینان سا محسوس ہوا تھا۔ ورنہ صرف طبیعت کا بوجھ ہی نہیں بڑھا تھا بلکہ ذہن کا اضطراب اور خلفشار بھی بڑھ گیا تھا خوامخواہ طبیعت ہر ایک سے اُلجھنے لگی تھی اور اب نویرہ کو دیکھ کر کچھ اطمینان ہوا تھا۔ ضمیر پر پڑا بوجھ ایک دم سرکنے لگا تھا۔

شام کے وقت وہ بچے کو لے کر بیٹھی ہوئی تھی کہ کال آ گئی تھی۔ اس نے ریسیو کی تو دوسری طرف شارق زمان تھا۔ وہ حیران ہوئی اس کی آواز سن کر۔

"تم کس سے پوچھ کر گئی ہو......؟" چھوٹتے ہی یہ سوال ہوا تھا اور نویرہ حیران رہ گئی تھی۔ اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود اس شخص کے حوصلے بلند تھے کہ بجائے اپنے فعل پر شرمندہ ہونے کے اُلٹا اسی سے باز پرس کی جا رہی تھی۔ یعنی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔

"کیوں......؟"

"اس گھر میں آنے کے لیے مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔" اگلے ہی پل حیرت سے نکل کر اس نے غصے سے باور کروایا تھا۔

"نویرہ بیگم! یہ مت بھولو کہ تم ابھی بھی میری بیوی ہو۔ تمہیں کہیں بھی جانے آنے کے لیے میری اجازت درکار ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مجھ سے پوچھے بغیر تم میری اولاد کو کیسے کہیں لے جا سکتی ہو؟"

"میں ایسے کسی بھی احمقانہ حق کو تسلیم نہیں کرتی۔ جب میں تمہارے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتی۔ اپنے نام سے جڑا تمہارا نام نہاد نام بھی اُتار دینا چاہتی ہوں تم کس حق کی بات کرتے ہو۔ رہ گئی بچے کی بات تو جہاں جائے گی تو بچہ بھی ساتھ ہی رہے گا۔ میں ابھی اتنی مجبور بھی نہیں ہوئی کہ تمہارے ہر طرح کے سلوک کو برداشت کرتے [illegible] اب مزید نہیں۔ رہ گئی طلاق کی بات تو وہ تو تمہیں مجھے ہر حال میں دینا ہوگی۔ اس طرح نہیں تو عدالت کے ذریعے ہی سہی۔ میں اب ڈرنے والی نہیں ہوں۔"

"تم مجھے دھمکیاں نہ دو۔ میں بھی دیکھ لوں گا تم کیا کچھ کر سکتی ہو؟ یہ عدالت کورٹ کچہری تمہارے بس کا کام نہیں۔ اب بات ضد کی ہے مجھے اپنے بچے سے بڑھ کر اب کوئی چیز عزیز نہیں۔ تم جس طرح گئی ہو خاموشی سے واپس آ جاؤ۔ میری مجبوری یہ ہے کہ میں اپنے بچے کے لیے سب برداشت کرنے پر مجبور ہوں۔" شارق زمان کی بات نے نویرہ کو لگا کہ اس کے اندر آگ لگا دی ہے، وہ چیخ سی گئی تھی۔

"ہاں میں نے بھی صرف اور صرف بچے کے لیے یہ ساری ذلت برداشت کی ہے ورنہ......"

"تم واپس آ رہی ہو یا نہیں......؟" دوسری طرف سے بڑے تحکم سے پوچھا گیا تھا۔

"نہیں...... کبھی بھی نہیں۔ تم چاہے اب کوئی بھی چال چل لو۔ کچھ بھی کر لو، میں اب واپس نہیں آؤں گی۔"

"چلو دیکھ لیتے ہیں نویرہ بی بی۔ تمہاری یہ ضد بھی کہاں تک قائم رہتی ہے۔" غصے و تنفر سے جتاتے اس نے کال بند کر دی تھی اور نویرہ کتنی دیر تک بے بسی سے اپنی جگہ جمی رہ گئی تھی۔

"کیا کرے گا اب یہ شخص...... میں اب بھی وہی نویرہ ہوں...... بدل نہیں گئی...... میں بھی دیکھتی ہوں



اس دفعہ اس کا ظرف میرے لیے کیا ڈرامہ کھیلتا ہے۔" غصے سے سوچتے ریسیور کریڈل پر پٹخ کر پلٹی تھی مگر اپنے سے ایک قدم کے فاصلے پر کھڑے وجود کو دیکھ کر اپنی جگہ جم سی گئی تھی۔ نبیل بھائی غضب میں ہی کھڑے تھے ان کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ کافی دیر سے کھڑے تھے۔

"آپ......؟"

"یہ سب کیا معاملہ ہے......؟ اور طلاق کا کیا قصہ ہے؟" نبیل کے تیوروں سے لگ رہا تھا کہ وہ نویرہ کی ساری گفتگو سن چکا تھا۔ وہ چپ رہی تھی وہ خود چاہتی تھی کہ نبیل وغیرہ کو اس معاملے میں انوالو کر کے یہ قصہ ختم کرے مگر نبیل کی جذباتیت نے اس لمحے خوف زدہ کیا تھا اسے کچھ بھی کہنے کو روکا تھا۔

"تم کچھ بھی نہیں......" اماں سے لاکھ ناراض سہی مگر خود بھی نبیل کو کچھ بھی بتانے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔

"تم شارق کا گھر چھوڑ آئی ہو؟" بڑے یقین سے پوچھا گیا تھا۔

"ہوں......" وہ صرف سر ہلا گئی۔

"کیوں......؟" سوال ایسا تھا کہ اب کچھ کہے بنا چارہ نہ تھا۔

"وجہ اماں سے پوچھیں۔ وہ سارا قصہ جانتی ہیں۔ اب تو کافی دیر ہو چکی ہے وہ گھر تو میں بہت پہلے چھوڑ آئی تھی بلکہ نکال دیا گیا تھا۔ اب وہ شخص اپنے بچے کی وجہ سے کمپرومائز کرنا چاہتا ہے مگر میں ایسا کچھ نہیں چاہتی۔ ساری تفصیل اماں سے پوچھیں اب تک جو کچھ بھی ہو چکا ہے۔ ان کی مرضی سے ہی ہوا ہے۔" وہ کہہ کر ایک دم وہاں سے نکل گئی تھی اور نبیل کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی مگر اتنا وہ سمجھ چکا تھا کہ شارق اور نویرہ کے درمیان صورت حال خاصی پیچیدہ ہے۔

لاہور ایڈجسٹ ہونے اور یہاں آ کر قیام کرنے کے معاملے میں بابا پاپا سمیت سب نے ہی اعتراض کیا تھا مگر سمعان نے ہی سب کو ہینڈل کیا تھا اور اس طرح وہ لاہور چلی آئی تھی۔ سمعان اس کے ساتھ تھا۔

وہ لاہور اپنی ذاتی رہائش گاہ میں ہی ٹھہرے تھے۔ چوکیدار اور اس کی فیملی ساتھ ہوتی تھی۔ سمعان نے چند ہی دنوں میں ڈرائیور کا بندوبست کروا دیا تھا۔ کلاسز اسٹارٹ ہونے تک سمعان اس کے ساتھ ہی رہا تھا مگر پھر کام کے سلسلے میں وہ اسلام آباد چلا گیا تو پہلی دفعہ اپنی فیملی اور سمعان کے بغیر رہنے کا تجربہ اس کے لیے خاصا تکلیف دہ تھا مگر وہ خود کو ہر طرح سے اپنے فیصلے پر جمے رہنے پر مضبوط کر رہی تھی۔

چوکیدار کی بیوی اور بچے تو ہوتے تھے مگر وہ تنہائی محسوس کرتی تھی۔ یونیورسٹی سے آ کر اتنا بڑا گھر اسے کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ سمعان فون پر ہر وقت رابطے میں رہتا تھا مگر سمعان کی غیر موجودگی پھر بھی ہر وقت محسوس ہوتی تھی۔ اس نے یونیورسٹی سے آ کر گھر فون کیا تو ماما نے خوش خبری سنائی کہ تایا جان سعد کے لیے فرح کے رشتے پر راضی ہو گئے ہیں۔ بات خوش کن تھی، خوشی تو اسے بھی ہوئی تھی یا اور بات تھی کہ اس نے برملا اظہار نہ کیا تھا۔ سعد ابھی بھی سعود احمد کی طرف رہ رہا تھا۔ درحقیقت سعید احمد نے سعود احمد کے بار بار جانے پر ہاں کہہ دی تھی مگر بات ابھی ان لوگوں میں ہی تھی۔ زیادہ چرچا نہ ہوا تھا۔ شائستہ بیگم نے یہ بھی بتایا تھا کہ طاہرہ بیگم کسی طور بھی سعد اور فرح کے رشتے کے حق میں نہیں ہیں۔ سعید احمد نے خود سے ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔

زرش کو یہ سن کر دکھ سا ہوا تھا۔ فرح سے اسے کوئی دشمنی نہ تھی۔ نوشی کی طرح عزیز تھی مگر صرف طاہرہ بیگم کی نفرت نے کتنا دور کر ڈالا تھا دونوں کو۔ سعد کو دیکھ کر دل میں جو غصہ اُمڈ آیا تھا اب تو وہ بھی نہیں رہا تھا بے شک خود سے سعد کو مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ مگر اس رشتے کی طرف سے وہ بھی منتظر تھی کہ جواب مثبت ہی ہوگا۔

سب ہی سعد کے حق میں تھے سوائے طاہرہ بیگم کے اور اب؟

"مجھے فکر سی ہو رہی ہے۔ طاہرہ بیگم کے رویے سے۔ بھائی صاحب نے ہاں تو کہہ دی ہے مگر طاہرہ کے تیور اچھے نہیں تھے۔ ہم جتنی بار بھی گئے ہیں اس نے کمرے سے نکل کر سلام دعا تک کرنا بھی گوارا نہیں کیا۔ "بچی کا معاملہ ہے اللہ خیر کرے۔" ماما اپنے خدشات کا اظہار کر رہی تھیں اور زرش خاموش ہی رہی تھی۔

"ان شاء اللہ بہتر ہی ہوگا۔ آخر کب تک وہ ایک ہی گیم کھیلتی رہیں گی۔ کبھی تو انہیں احساس ہوگا کہ وہ غلط کر رہی ہیں۔ ہر بار ان کو تایا ابو برداشت کر لیں یہ بھی ناممکن ہے۔ تایا ابو نے اگر ہاں کہی ہے تو یقیناً ہر پہلو پر غور کر کے ہی ہاں کہی ہوگی۔ کوئی نہ کوئی حل تو نکالا ہی ہوگا انہوں نے۔" ماں کے تفکر کے جواب میں اس نے دلاسا دیا تھا۔

"ہاں کچھ نہ کچھ تو سوچا ہی ہوگا۔ دونوں بیٹے دور ہیں ان سے، ساری عمر انہی بچوں کے لیے تو وہ سب برداشت کرتے رہے ہیں۔ اب بیٹی کا معاملہ ہے۔ وہ طاہرہ کو کوئی اور کھیل کھیلنے نہیں دیں گے۔ اب بات ان کی اپنی بیٹی کی عزت کی ہے۔"

"فکر نہ کریں سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اپنی طبیعت کے برعکس اس نے تسلی دی تھی۔ پھر اس کے بعد چند باتیں اور کی تھیں اور پھر فون بند کر دیا تھا۔

اس کے بعد وہ کافی دیر تک طاہرہ بیگم کی ذات کو ہی سوچتے اُلجھتی رہی تھی۔

نبیل اماں کے پاس چلا آیا تھا اور اماں سے سب اُگلوا کر ہی دم لیا تھا اور اس کے بعد غم و غصے سے اس کا بُرا حال تھا۔

"اماں! بہت غلطی کی آپ نے یہ سب چھپا کر۔ وہ اتنا کچھ سہہ کر چپ چاپ ہے اور آپ نے خبر تک نہ ہونے دی۔ اتنے بے غیرت نہیں تھے ہم کہ وہ ہماری عزت سے کھیلنے کے بعد یوں ذلیل کرنے پر اُتر آیا ہے۔ اماں! بہت بُرا کیا آپ نے، میں رضا اور شارق دونوں کو نہیں چھوڑوں گا۔" اور اماں اس کے غیظ و غضب کو دیکھ کر دہل سی گئی تھیں، دہل تو نوریہ اور نبیلہ بھی گئی تھیں۔

"میں اب عدالت میں اس کے خلاف خلع کا مقدمہ دائر کروں گا، دیکھتا ہوں وہ کیسے طلاق نہیں دیتا۔ اتنا بے غیرت سمجھ رکھا ہے اس نے ہمیں۔" یہ حتمی فیصلہ تھا۔ نوریہ نے سکھ کا سانس لیا۔ جذباتیت سے ہٹ کر وہ بھی یہی چاہتی تھی کہ خلع کا مقدمہ آرام سے طے ہو جائے ورنہ وہ کس حد تک جا سکتی تھی اس نے سوچ تو لیا تھا۔

"اگر وہ پھر بھی نہ مانا تو۔" اب اماں کے پاس اعتراض کا کوئی پہلو نہ رہا تھا۔ نوریہ کی ضد اور نبیل کے



تیوروں سے انہوں نے اس درمیان کی راہ کے انتخاب کو قبول کر لیا تھا۔

"نہ مانے...... پھر وہ جس انداز سے مانے گا وہ اختیار کر لوں گا۔ ہماری شرافت سے وہ ناجائز فائدہ اُٹھا رہا ہے اور رہ گیا رضا اس سے بھی اچھی طرح نمٹ لوں گا۔ بے غیرت کمینہ انسان......" غصے سے وہ سنا کر گھر سے نکل گئے تھے۔

اماں نے نوریہ کو دیکھا تو وہ لب بھینچ کر ان کے سامنے سے ہٹ گئی تھی۔ اماں کل سے اس سے سخت ناراض تھیں۔ اگلی صبح رفعت باجی چلی آئی تھیں۔

"شارق بہت ناراض ہو رہا تھا کہ یوں تمہیں یہاں آنے دیا ہے۔ رات نبیل کی بھی کال آئی تھیں دونوں ایک دوسرے کو دھمکیاں دے رہے تھے اور پھر اماں کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ کہہ رہی تھیں کہ تمہیں لے آؤں۔ انہیں خوف ہے کہ کہیں شارق اور نبیل غصے میں کوئی انتہائی قدم نہ اُٹھا لیں۔" آتے ہی انہوں نے اماں اور بھابی کے سامنے سب کہہ سنایا تھا۔

"نہیں، میں نہیں جاؤں گی۔ میں وہاں سے سب سلسلے بہت پہلے توڑ کر نکلی تھی جب شارق نے خود مجھے اپنے گھر سے نکل جانے کو کہا تھا۔ دوبارہ اگر میں وہاں گئی بھی تھی تو یہ میری مجبوری تھی اب میں وہاں نہیں جاؤں گی۔ رہ گئی نبیل بھائی کی بات تو میں انہیں سمجھاؤں گی۔ سیدھے سے خلع کا مقدمہ دائر کر کے علیحدگی اختیار کی جا سکتی ہے تو میں کیوں دوسرے بکھیڑوں میں اُلجھوں۔ آپ اماں کو جا کر کہہ دیں میں اب وہاں نہیں آؤں گی۔"

اس نے [illegible] انداز میں انکار کر دیا تھا [illegible] کوشش کی تھی [illegible] میں بھی [illegible] سمجھانے [illegible] اپنا موقف سمجھانے کی [illegible] نوریہ [illegible] بدل [illegible] واپس لوٹی تھیں۔

شام کو نبیل بھائی آفس سے گھر لوٹے تو اس نے ان سے صاف بات کرنا چاہی تھی۔

"نبیل بھائی! میں شارق زمان سے خلع چاہتی ہوں صرف خلع۔ مجھے بڑی خواہش تھی کہ میں ساری دنیا کو بتاؤں کہ وہ کیسا خبیث انسان ہے مگر اب دل میں یہ حسرت بھی نہیں رہی۔ مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں رکھنا آپ بھی ایسا نہ کریں۔ اسے دھمکیاں دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ اس نے بے غیرتی کے نام پر جو تھپڑ ہمارے منہ پر مارا ہے چپ چاپ سہہ لیں؟" وہ جذباتی ہوا تھا۔

"تو کیا کریں گے آپ؟" اس نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"میں اسے مزا چکھاؤں گا اچھی طرح کہ کسی کی عزت سے کھیلنا کسے کہتے ہیں اور رہ گیا رضا گولی سے اُڑا دوں گا۔ میں اسے بھی آج گیا تھا میں ان کے ہاں اچھی طرح چچا اور چچی کو سنا کر آیا ہوں۔ کوئی لاوارث نہیں تھی تم، جو اماں نے یوں چوروں کی طرح واپس جانے پر مجبور کر دیا تھا تمہیں۔"

"نبیل بھائی اماں ناراض ہیں۔ میں سوچ کر تو یہ آئی تھی کہ اگلے پچھلے سارے حساب کلیئر کرنے ہیں اب اس شخص کو معاف نہیں کرنا مگر اماں کی ناراضی کمزور کر رہی ہے۔ مجھے صرف خلع چاہیے اور بس...... کوئی بدلہ

نہیں لینا اس سے...... اللہ پر چھوڑ دیا ہے سارا فیصلہ، وہ دونوں کو پوچھے گا۔"

"رات اچھی طرح اسے سنا دیا ہے خلع کا مقدمہ تو میں دائر کرواؤں گا ہی ساتھ ہی تمہیں اغواء کرنے اور زبردستی نکاح کر لینے کا بھی مقدمہ درج کرواؤں گا۔" اسی وقت اماں بھی ان دونوں کے پاس چلی آئی تھیں نبیل کے خیالات سن کر ان کا بلڈ پریشر ہائی ہونے لگا تھا۔

"کوئی کچھ نہیں کرے گا۔ جو گزر گیا اس پر مٹی ڈالو۔ تم دونوں کچھ نہیں کرو گے۔ تم نے سوچا ہے طلاق لے کر یہ کیا کرے گی۔ اس بچے کے ساتھ کیسے رہے گی اور شارق وہ بچے کو لینے دے گا اسے۔"

"ہاں تو بچہ اس کا ہے وہ اپنے پاس رکھے ہمیں کیا کرنا ہے بچہ لے کر، جیسا باپ ویسا بیٹا ہوگا۔" نبیل بھائی نے تنفر سے کہا تو نویرہ کا دل کانپ گیا تھا۔

"میں بچہ کسی کو نہیں دوں گی۔"

"تم اچھی طرح سوچ لو بچہ لوگی، پھر ادھر نہیں رہنا۔" نویرہ کے یوں جذباتی ہونے پر اس نے اندر کا سارا اُبال اسی ایک جملے میں سمو کر اس پر انڈیل دیا تھا۔

"چلی جاؤ اسی کے پاس...... میں رات بھی اسے فون پر کلیئر کر چکا ہوں کہ اگر وہ کورٹ کچہری کے بکھیڑوں سے بچنا چاہتا ہے تو طلاق کے پیپر زبھیج دے ہم بچہ دے دیں گے۔ اگر تم نے بچے کو رکھنے کی ضد کی تو مجھے کوئی پروا نہیں مگر یاد رکھنا بچے کو میں اپنے گھر میں نہیں رکھوں گا۔"

وہ تو نبیل کو سمجھانے آئی تھی مگر ادھر تو ایک اور نیا مسئلہ نکل آیا تھا وہ لب بھینچ گئی۔

"پھر میں خلع بھی نہیں لوں گی۔ میں کوئی بے جان انسان نہیں ہوں کہ دوسروں کے لیے اپنی بھینٹ دیتی رہوں۔ مصعب میرے پاس رہے گا۔ ماں [illegible] دوبارہ اس طرح جانے پر مجبور ہوں [illegible] سمیت قبول ہوں تو ٹھیک ورنہ زندگی میں اتنا کچھ دیکھ لیا ہے مزید سہی۔ رشتوں کی پہچان ہو رہی ہے مجھے اچھی طرح، یہ میری آزمائش ہے یا آپ لوگوں کی...... مجھے نہیں پتا۔" غصے سے کہتے کہتے ایک دم اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"تم جذباتی ہو رہی ہو۔ خلع کے بعد تمہیں بچے کے ساتھ کون قبول کرے گا۔" نبیل بھائی کے الفاظ پر وہ کئی ثانیے تک چپ چاپ انہیں دیکھے گئی تھی۔

تو پھر ٹھیک ہے آپ سب بھول بھال جائیں۔ کیسا خلع، کیسا بچہ، میں جس حال میں ہوں مجھے جینے دیں۔ میں ایک بار اپنی زندگی کو برت چکی مزید کی نہ ہوس نہ خواہش۔ خدا کے لیے ایسا سوچے گا بھی نہیں، اگر آپ لوگوں نے بچے سے دستبرداری کی بات کی تو میں یہ گھر بھی چھوڑ دوں گی۔" وہ غصے سے کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ مصعب سو رہا تھا وہ اس کے پاس بیٹھ کر ہاتھ سے تھپتھپاتے ایک دم رو دی تھی۔ اگر شارق زمان کے رویے میں تھوڑی سی بھی ندامت شرمندگی اور پچھتاوے کا احساس ہوتا تو وہ جھک جاتی اپنی انا کو مار لیتی مگر اب وہ کیسے جی لیتی؟

اسے لگ رہا تھا کہ اس کا حوصلہ صبر و استحکام آہستہ آہستہ سب کمزور پڑ رہا ہے۔ ذہنی طور پر وہ کمزور ہو رہی



ہے اور وہ شارق زمان کے معاملے میں کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی، کبھی بھی نہیں......

سعید احمد نے فرح کے رشتے کے لیے جب سے ہاں کہی تھی طاہرہ بیگم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی نہ کسی طرح انکار کروا دیں۔ مگر کوئی راہ دکھائی نہ دے رہی تھی۔

اس دن بھی نفیسہ آپا اور جمال بھائی آئے تھے۔ وہ کمرے سے نہیں نکلی تھی چائے، پانی کا ماجدہ نے ہی ان سے پوچھا تھا۔ سعید احمد کو غصہ تو بہت تھا مگر مصلحت کا تقاضا تھا کہ وہ خاموش تھے۔

آپا لوگ باقاعدہ رسم کرنا چاہتے تھے، اسی سلسلے میں وہ دونوں میاں بیوی مشورے کے لیے آئے تھے۔ کچھ دیر تک تو نفیسہ آپا طاہرہ کی منتظر رہی تھیں مگر پھر وہ خود ہی اُٹھ کر طاہرہ کی جانب چلی آئی تھیں ان کے کمرے میں۔ وہ دل سے چاہتی تھیں کہ اس بار طاہرہ دل سے یہ رشتہ قبول کرے محض سعید احمد کے دباؤ میں نہ آئیں۔

"طاہرہ بیگم نے انہیں دیکھ کر منہ پھیر لیا تھا۔

"کیا کر رہی ہو......؟" انہوں نے نظر انداز کرتے پہل کی تھی، آگے بڑھتے بستر پر بیٹھتے مسکرا کر پوچھا تھا۔ طاہرہ بیگم کی تیور بگڑے تھے۔

"ہم کب سے آئے بیٹھے ہیں۔ منگنی کا مشورہ کرنے آئے تھے مگر سعید چاہ رہا ہے کہ منگنی کے جھنجٹوں میں پڑنے کی بجائے ڈائریکٹ شادی ہو جائے تو بہتر ہے۔"

اس انکشاف نے طاہرہ کے اندر آگ لگا دی تھی۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھیں کہ سعید احمد ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ محض ان کی ضد میں۔

"تو پھر میں کیا کروں۔ جا کر مشورے کریں اپنے بھائی سے، یہاں کیا لینے آئی ہیں؟" غصے سے وہ چیخی تھیں۔ نفیسہ آپا نے دکھ سے انہیں دیکھا۔

"بیٹیوں کا معاملہ ایسے تن تنہا طے نہیں ہو جاتا۔ تم ماں ہو ماؤں والا حق جتاؤ۔" انہوں نے تحمل سے کہا تھا۔

"وہ شخص ہے نا سارے حق جتانے والا...... اور آپ مجھ سے یہ ہمدردیاں مت کیا کریں۔ نفرت ہوتی ہے مجھے آپ لوگوں سے۔ برباد کر کے رکھ دیا ہے مجھے اور جب دل نہیں بھرا تو میری بیٹی کی باری آ گئی ہے۔" وہ ان کے تحمل پر غصے سے بولیں تو نفیسہ آپا خاموش ہو گئی تھیں۔

"جائیں یہاں سے۔ میں اگر خاموش ہوں تو میری خاموشی کو میری مجبوری مت سمجھیں۔ وہ شخص مجھے طلاق کی دھمکی دیتا ہے۔ ورنہ ایسا سلوک کرتی کہ ساری عمر یاد رکھتیں۔" انہوں نے دل کا غبار نکالا تھا۔

"ساری عمر خود تو عیش سے گزار لی آپ نے بھی اور آپ کی چہیتی (شائستہ بیگم) نے بھی، ساری عمر مجھے دوزخ کی بھٹی میں جھلسایا ہے۔ غلطیاں انسان سے ہوتی ہیں مگر مجھے تو ان گناہوں کی بھی سزا ملی ہے جو میں نے کیے نہیں تو پھر میں کیوں آپ لوگوں کا لحاظ کروں۔ نکلیں یہاں سے۔ میرے منہ لگنے کی ضرورت نہیں۔" غصے اور جذبات کی زیادتی سے انہوں نے بستر سے اُتر کر نفیسہ آپا کا ہاتھ پکڑ کر انہیں کھڑا کر دیا تھا۔

"طاہرہ...... اس سے پہلے کہ وہ انہیں کمرے سے باہر نکالتیں سعید احمد کی غضب بھری آواز پر رک گئی تھیں۔ وہ دروازے پر ہی ایستادہ تھے۔

"آپا کے ساتھ کوئی بدتمیزی کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ تم اس گھر میں ہو تو اس رعائیت کو ہی کافی سمجھو۔" وہ غصے سے کہتے اندر بڑھ آئے تھے۔

"سعید جانے دو...... اس نے تو مجھے کچھ نہیں کہا......" نفیسہ آپا نے سعید احمد کے غصے سے خائف ہوکر درمیان میں ٹوکنا چاہا تھا۔

"سب سن چکا ہوں میں۔" انہوں نے کھا جانے والی نظروں سے طاہرہ بیگم کو دیکھا تھا۔

"شروع ہوگئی ہیں ڈرامے بازیاں...... آرام وسکون سے میرا بیٹھنا تو گوارا نہیں ہوتا اس خاندان کو۔ آگئے ہیں آگ لگانے۔"

"طاہرہ! میں کہہ رہا ہوں لگام دو اپنی زبان کو ورنہ......" وہ غصے سے طاہرہ کی طرف بڑھے تھے۔

"سعید احمد آپ......؟ ہر بار ایک ہی دھمکی۔ آج وہ بھی کر گزرے۔ میں بھی دیکھوں گی کہ کون سی قیامت آجاتی ہے۔ برداشت کی بھی حد ہوتی ہے۔ آپ مجھے اس گھر سے کیا نکالیں گے میں خود بھی اب اس گھر میں نہیں رہنا چاہوں گی۔ کرتے رہو بیٹی کی شادی حاسدوں میں۔"

سعید احمد کے غصے نے تو جس میں چنگاری والا کام کیا تھا۔

"بڑا شوق ہے تمہیں جانے کا جا کر بھی دیکھ لو۔ میری دھمکی صرف دھمکی نہیں یہ وہ طوق ہے جو ایک عمر سے [illegible] لیے یہ عین مسرت کا مقام ہوگا کہ تم [illegible] جیسی بدنیت دوغلی اور حاسد عورت سے جان چھوٹی میری۔"

یہ آخری کیل تھی جو طاہرہ بیگم کے ارادوں میں استحکام پیدا کرگئی تھی۔ نفیسہ آپا ڈری گئی تھیں۔

"ہاں چلی جاتی ہوں۔ میرے لیے بھی عین مسرت کا مقام ہے کہ ایک کانوں کے کچے اور شکی مزاج انسان سے جان چھوٹی۔ ساری عمر برباد کردی میں نے اب مزید نہیں۔" وہ روبرو بولی تھیں۔

"خوشی سے مگر یاد رکھنا میرے گھر سے دولت' جائیداد کی صورت میں اب کچھ نہیں ملنے والا۔ تم نے اور تمہاری اس لالچی بہن نے جتنا لوٹنا تھا لوٹ لیا۔ میں بھی دیکھتا ہوں خالی ہاتھ تمہیں کون قبول کرتا ہے۔" تمسخر سے وہ ہنسے تھے۔ طاہرہ بیگم کے اندر اک آگ سی لگ گئی تھی۔

"ہاں بڑا مان وغرور ہے۔ اپنی دولت وجائیداد پر میں تھوکتی بھی نہیں ہوں ایسی دولت پر نہ ہی میری بہن کو ایسا کوئی لالچ ہے۔ خالی ہاتھ ہی جاؤں گی۔"

"طاہرہ! چھوڑو جانے دو اب اس عمر میں کہاں جاؤ گی اس طرح نہیں کرتے بچے کیا سوچیں گے۔" نفیسہ آپا نے مداخلت کرنا چاہی تھی۔

"رہنے دیں آپا! آج یہ اپنا یہ شوق بھی پورا کرلے۔ خالی ہاتھ جب اپنی بہن کے پاس جائے گی تو پتا چل جائے گا وہ کتنے دن اسے اپنے گھر میں رکھے گی اب تو اسے فرح یا سمعان کی صورت کوئی اور سبیل بھی نہیں



دولت سمیٹنے کی۔"

طاہرہ بیگم نے سختی سے لب بھینچ لیے تھے۔

"چلیں آپا! یہ روز کا معمول ہے کوئی نئی بات نہیں۔ گھر چھوڑ کر جانے کی دھمکی اب روٹین کا حصہ ہے۔ پریشان وہ ہو جو ان ڈراموں سے بے خبر ہو آپ تو سب باتوں سے باخبر ہیں۔ چلیں باہر بھائی صاحب بلا رہے ہیں۔" وہ آپا کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے نکل گئے تھے۔

طاہرہ بیگم نے آگے بڑھ کر انتہائی غصے سے دروازہ بند کیا تھا۔ انہوں نے سوچ لیا تھا اب کچھ بھی ہو وہ اب ضرور جائیں گی۔

کچھ دیر بعد انہوں نے بیگ میں ضرورت کی چند اشیاء اور کپڑے رکھے تھے۔ آپا لوگ چلے گئے تھے اور ان کے بعد سعید احمد بھی گھر سے نکل گئے تھے۔ علی گھر میں نہیں تھا اور فرح اپنے کمرے میں جب سے یہ رشتے والی بات چلی تھی وہ ماں کے سامنے نہیں آئی تھی اگر غلطی سے سامنا ہو بھی جاتا تھا تو طاہرہ بیگم کی زبان کی کاٹ اسے فوراً منظر سے غائب ہوجانے پر مجبور کردیتی تھی۔

رزلٹ آنے کے بعد اس نے کالج میں بی ایس سی میں ایڈمیشن لے لیا تھا جب کہ سعید احمد کا ارادہ فوراً شادی کردینے کا تھا۔ سعد کا کہنا تھا کہ وہ فی الحال اپنی تعلیم جاری رکھے بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ اسی لیے کالج سے آنے کے بعد پھوپو لوگوں سے مل کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

طاہرہ بیگم اپنا بیگ گھسیٹتے کمرے سے نکلیں تو وہ لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھی انہیں دیکھ کر حیران ہوئی۔ اونچی آواز والے [illegible] صورت حال کا اندازہ تو لگا ہی چکی تھی [illegible]

"آپ کہاں جارہی ہیں امی؟" وہ [illegible] باہر کی طرف بڑھیں تو وہ بھی پیچھے چلی آئی تھی۔

"جہنم میں۔" ان کا وہی غصیلا انداز تھا۔

"آپ گھر چھوڑ کر جارہی ہیں؟" فرح کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔ انہوں نے ڈرائیور کو سامان گاڑی میں رکھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"اپنے باپ کو سے کہنا صرف اس بیگ کے سوا کچھ نہیں اس کے گھر سے لے کر جارہی ہوں۔ لاکرز الماری سب چیک کرلے۔ ہر چیز چھوڑ کر جارہی ہوں۔ ساری عمر اس بے حس' بے ضمیر شخص کے لیے میں نے رول دی۔ اب اس عمر میں الزام لگا رہا ہے مجھ پر بڑا گھمنڈ ہے دولت کا۔ چند جوڑے ہیں اس بیگ میں بے شک چیک کرلو باپ کو رپورٹ بھی تو دینا ہوگی۔ ہونا اپنے باپ کی ہی اولاد۔" غصے سے وہ بھول گئی تھیں کہ وہ کیا کیا کہہ رہی ہیں اور کس کے سامنے۔

فرح گم صم سی رہ گئی تھی۔

ڈرائیور کی موجودگی میں وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی تھی اور طاہرہ بیگم گاڑی میں بیٹھ گئی تھیں۔ ڈرائیور نے گاڑی گیٹ سے باہر نکالی تو وہ چونکی تھی۔

♥......♥☆☆♥......♥
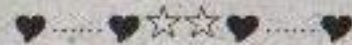
نوریہ کی باتوں نے نبیل پر اور ہی انداز میں اثر کیا تھا۔ اس نے صاف صاف نوریہ سے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ شارق زمان سے خلع لینا چاہتی ہے تو پھر بچہ واپس کرنا ہوگا اور نوریہ کا کسی بھی سلسلے میں قطعی ساتھ نہیں دے گا اس کے گھر میں صرف اس کی تو گنجائش تو نکل سکتی ہے مگر بچے کی نہیں ہوگی۔
نبیل بھائی کے اس قسم کے رویے اور ضد کے بعد وہ گم صم سی ہو گئی تھی۔ بچے کو وہ کسی بھی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتی تھی اور نبیل اس نے بہت سوچ بچار کے بعد ایک فیصلہ کیا تھا ایک انتہائی حد سے گزر جانے کا۔
آنے والی زندگی میں اس کے لیے بہت سی آزمائشیں تھیں اس نے اپنے لیے آزمائش کا انتخاب خود کرلیا تھا۔ وہ دونوں (نبیل اور شارق) کو مزا چکھانا چاہتی تھی۔
وہ اگلے دن بینک چلی آئی تھی۔ اکاؤنٹ میں موجود رقم کا اندازہ لگایا تھا۔ چند ماہ تک یہ رقم اس کے کام آسکتی تھی اور پھر زندگی کی گاڑی خود گھسیٹنا ہوگی۔
اس نے کچھ رقم نکلوائی تھی۔ واپسی پر اس نے ایک موبائل اور سم خریدی تھی۔ (شارق زمان کا دیا ہوا موبائل تو وہ کب کا اسی کے گھر میں چھوڑ چکی تھی)۔ معصب کے لیے کچھ کپڑے خریدنے تھے وہ مارکیٹ چلی آئی تھی۔ اپنے اور معصب کے لیے کپڑے اور دیگر ضرورت کی اشیا خریدنے کے بعد وہ مارکیٹ کی سیڑھیاں اتر رہی تھی کہ تیزی سے اوپر آتے وجود سے ٹکر ہو گئی تھی۔
"ایم سوری، رئیلی سوری۔" اس لڑکی نے فوراً اس کا ہاتھ تھام کر اسے گرنے سے بچالیا تھا۔ اس وجود کے ساتھ ادھیڑ عمر کی خاتون نے نوریہ کے ہاتھ سے گر جانے والے شاپرز اٹھا کر اسے پکڑائے تھے۔
"ارے زرش ہو نا؟" سنبھلنے کے بعد نوریہ اس لڑکی کو دیکھ کر فوراً پہچان گئی تھی۔ نوریہ کا منہ چادر میں چھپا ہوا تھا۔ زرش نے الجھ کر اسے دیکھا۔
"جی، مگر آپ کون؟"
"میں نوریہ ہوں؟"
"ارے آپ؟ کیسی ہیں آپ، میں نے کئی بار سوچا تھا کہ آپ سے مل آؤں مگر فرصت ہی نہیں مل رہی تھی۔"
زرش پہچان کر فوراً ایکسائٹمنٹ کا شکار ہوئی تھی۔
"آیئے کسی جگہ چل کر بیٹھتے ہیں۔" وہ سیڑھیوں میں کھڑی تھیں۔ زرش کے کہنے پر وہ دونوں مارکیٹ کے سامنے بنے چھوٹے سے کیفے میں چلی آئی تھیں۔
"بہت خوشی ہو رہی ہے آپ کو دیکھ کر۔" وہ دونوں لیڈیز والے حصے میں آ بیٹھی تھیں۔ نوریہ نے چادر چہرے سے ہٹادی تھی۔
"لاہور اپنے شوہر کے ساتھ آئی ہو؟"
"نہیں، میں نے یہاں ایڈمیشن لیا ہوا ہے۔ اب ادھر ہی ہوں۔ سمعان تو اسلام آباد یا کراچی میں ہوتے ہیں۔ یہاں بھی ہفتے میں ایک بار چکر لگا لیتے ہیں۔"
"اکیلی ہوتی ہو؟" نوریہ کو تعجب ہوا تھا۔
"نہیں، چوکیدار کی پوری فیملی میرے ساتھ ہوتی ہے میں آج کل کسی لڑکی یا آپا کی تلاش میں ہوں۔ جو

یہاں کی ہی رہائشی ہو۔ سلجھی اور سمجھ دار ہو۔ پڑھی لکھی ہو جو ہر وقت میرے ساتھ رہے۔ باہر آتے جاتے مجھے مشکل ہوتی ہے ڈرائیور کی موجودگی کے باوجود مجھے گھبراہٹ ہونے لگتی ہے۔ سمعان بھی کہہ رہے تھے کہ میں "آیا" دیکھ لوں وہ آجائیں گے تو فائنل کرلیں گے۔ آپ کے نالج میں اگر کوئی ایسی خاتون ہیں تو مجھے ضرور بتایئے گا۔"

"ضرور" نوریہ نے اخلاقاً ہامی بھرلی تھی۔ ان دونوں نے اس کیفے سے چائے پی تھی۔ زرش نے کچھ چیزیں لینی تھی۔ اس نے وہ لیں تو پھر واپسی پر وہ نوریہ کو خود چھوڑنے آئی تھی۔ سسرال کے بجائے میکے کا ایڈریس بتانے پر زرش حیران ہوئی تھی۔

"آپ نے رہائش چینج کرلی ہے کیا؟"

"نہیں امی کے ہاں ہوں۔"

نوریہ نے گھر پہنچ کر انہیں اندر آنے کا کہا تھا مگر زرش پھر کبھی پر ٹال گئی تھی۔

"آپ کسی دن میرے گھر کا چکر لگایئے گا۔ آپ کو اگر سمجھ نہ آئے تو صرف فون کردیجیے گا۔ میں خود آکر لے جاؤں گی۔"

"کیوں نہیں ضرور۔" نوریہ ان کو رخصت کرکے اندر چلی آئی تھی۔ بھابی کچن میں تھیں اور اماں کمرے میں وہ معصب کو سلا کر گئی تھی۔ کمرے میں پہنچی تو ماں معصب کو بہلا رہی تھی۔

"آج شارق آیا تھا۔" کچھ دیر بعد وہ کھانا کھانے کچن میں آئی تو بھابی نے بتایا تھا۔

"کیوں؟" اس نے تلخی سے پوچھا۔

"معصب کو لینے۔" وہ چونک کر بھابی کو دیکھنے لگی تھی۔

"کیا مطلب؟"

"اماں نے کہہ دیا کہ تم گھر پر نہیں ہو بازار گئی ہو معصب بھی ساتھ ہے۔ وہ غصے سے بولتا رہا تھا نبیل نے شاید فون کیا تھا اسے کہ اگر وہ آرام و سکون سے مسئلہ حل نہیں کرنا چاہتا تو وہ آکر تمہیں اور بچے کو لے جائے۔ اس گھر میں تمہارے لیے تو جگہ ہوسکتی ہے مگر بچے کے لیے نہیں۔ شارق بہت غصے میں تھا۔ دھمکیاں دے رہا تھا اماں سے ہی الجھتا رہا تھا۔ وہ تو شکر تھا کہ معصب سویا ہوا تھا ورنہ وہ اسے ضرور لے جاتا۔ کچھ دیر تمہارا انتظار کیا اور جب اسے یقین ہوگیا۔ کہ تم واقعی گھر پر نہیں ہو اور ہم سچ کہہ رہے ہیں تو پھر وہ چلا گیا تھا۔ مگر ساتھ میں یہ دھمکی بھی دے گیا تھا کہ وہ شام کو آئے گا معصب کو لینے۔"

یہ سب سن کر نوریہ کی بھوک اڑ گئی تھی۔ وہ چپ چاپ بغیر کچھ کھائے پیے وہاں سے نکل آئی تھی۔ شام ہونے میں دو تین گھنٹے تھے۔ شارق کو وہ جانتی نہ ہوتی تو اس کی دھمکی کو محض دھمکی ہی سمجھتی۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی کہ وہ شام کو ضرور آئے گا اور معصب کو لے کر ہی ٹلے گا۔ اسے کیا کرنا تھا سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹنے لگا تھا۔ عصر کی نماز پڑھ کر وہ دعا مانگ رہی تھی کہ ایک خیال کوندے کی طرح اس کے ذہن میں لپکا تھا۔ فوراً اٹھ کر اس نے پرس کھنگالا تھا۔ وزیٹنگ کارڈ اس کے اندر ہی تھا ہینڈ رائٹنگ کے ساتھ لکھا ہوا نمبر اس نے فوراً ڈائل کیا تھا۔



"السلام علیکم!" وہی نرم و ملائم شائستہ سی آواز سنائی دی تھی۔

"وعلیکم السلام زرش ہونا۔"

"جی بول رہی ہوں آپ کون؟" دوسری طرف تعجب سے پوچھا گیا تھا۔

"میں نوریہ ہوں کیا تم آدھے گھنٹے میں ادھر آسکتی ہو۔ جہاں مجھے ڈراپ کیا ہے ڈرائیور کے ساتھ۔"

"جی مگر خیریت؟" وہ اس کی عجلت پر حیران ہوئی تھی۔

"تمہارے لیے ایک "آیا" کا بندوبست ہوگیا ہے بس اسی کو لے کر آرہی ہوں۔ تم جب ہمارے گھر کے قریب پہنچوگی تو بس مس کال دے دینا اسی نمبر پر۔ میں آجاؤں گی۔ بس آدھے گھنٹے میں۔"

"جی میں آجاتی ہوں ڈرائیور کو لے کر۔"

"تھینکس میں انتظار کررہی ہوں۔" فون بند کرکے اس نے کمرے میں دیکھا۔ وقت کم تھا اس نے فوراً پیکنگ شروع کردی تھی۔ جو سامان خرید کر لائی تھی وہ اسی طرح شاپنگ بیگز میں موجود تھا۔ ضرورت کی ہر چیز سمیٹ کر اس نے ایک پُرسکون سانس لیا تھا۔

اب صرف ایک آخری مرحلہ رہتا تھا۔

کاغذ قلم سمیٹ کر وہ بستر پر آبیٹھی تھی۔ پانچ منٹ بعد زرش کو آجانا تھا وہ اس کے آنے سے پہلے اس آخری تحریر کو لکھ لینا چاہتی تھی۔

"السلام علیکم نبیل بھائی!

جب آپ کو یہ خط ملے گا اس وقت میں آپ لوگوں کی دنیا سے بہت دور ہوں گی۔ (گھبرایئے نہیں خودکشی کا میرا [illegible] ارادہ نہیں)۔ شارق زمان [illegible] اب اس مقام پر [illegible] نباہ کرنا میرے لیے ناممکن اور صرف مشکل ہی نہیں یہ میری انا اور وقار کی بھی توہین ہے۔ مجھے گمان تھا کہ سب حالات جان کر آپ ضرور میرے احساسات سمجھیں گے۔ مگر آپ تو اس بہانے پرانے حساب بے باق کرنے کے چکر میں الجھ گئے ہیں۔ معصب کو چھوڑنا میرے بس کا کام نہیں۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر آپ اپنی ضد پر قائم رہے اور شارق زمان اپنی پر تو میں خاموشی سے یہ گھر بھی چھوڑ دوں گی کسی ہاسٹل یا ایک کمرے کے گھر میں گزارہ کرلوں گی۔ (ہے نا احمقانہ سوچ مگر میں یہ بھی کر گزرتی کہ اب میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں رہا)۔

مگر وہ کہتے ہیں نا اللہ بڑا مسبب الاسباب ہے۔ اس نے مجھے عزت کی زندگی گزارنے کا ایک رستہ دکھایا ہے۔ آپ اور شارق اب اپنی اپنی ضدیں نبھائیں اور اپنی اپنی خودغرضی کے حصار میں زندگی گزاریں۔ میں یہ گھر چھوڑ کر جارہی ہوں کہاں؟ (بے فکر رہیے گا جہاں بھی ہوں گی میں اور میرا بچہ آپ دونوں کی پہنچ سے دور رہوں گے۔ اور محفوظ بھی)۔

میں شارق زمان کو مزا چکھانا چاہتی ہوں اسے یہ بھی بتانا چاہتی ہوں کہ بے بسی کی آخری انتہا کیا ہوتی ہے آپ بھی اس کے ساتھ مل کر محسوس کیجیے گا بے فکر رہیے میں کسی رضا کے ساتھ نہیں بھاگ رہی جہاں بھی جاؤں گی بہت عزت اور امان میں ہوں گی اور شارق زمان ساری عمر اپنے بیٹے کو یاد رکھے گا (اور اس کے بہانے شاید مجھے بھی)۔

آپ کے گھر میں جب میرے بچے کے لیے گنجائش نہیں تو پھر میں یہاں رہ کر کیا کروں گی۔ اللہ حافظ۔

فقط نوریہ

خط لکھ کر اس نے پرس میں ڈالا تھا۔

وہ نیچے آئی تو دیکھا اماں روٹین کے مطابق اس وقت اپنے کمرے میں نماز کے بعد وظائف میں مشغول تھیں اور بھابھی گڑیا کو لیے اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی تھیں۔ واپس کمرے میں آ کر اس نے سارا سامان صحن میں لا رکھا تھا۔ معصب کو اٹھا کر وہ لان کی سیڑھیوں پر آ بیٹھی تھی۔

یہ قدم اٹھاتے ہوئے اسے دکھ تو ہو رہا تھا مگر کوئی ندامت نہ تھی۔ کچھ دیر بعد زرش کی کال آنا شروع ہو گئی تو وہ فوراً کھڑی ہو گئی تھی۔ بیگ سے خط نکال کر بھاگ کر لاؤنج میں آ کر اس نے ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ اماں یا بھابھی کے آنے کا خدشہ تھا اس نے فوراً گیٹ کھول کر باہر آ کر ڈرائیور کو سارا سامان لا کر گاڑی میں رکھنے کو کہا تھا۔ ڈرائیور نے اس کی ہدایت پر بغیر آواز پیدا کیے سارا سامان لا کر گاڑی میں رکھ دیا تھا۔ زرش خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

آہستگی سے دروازہ بند کر کے وہ زرش کے ساتھ ہی گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔

''جلدی سے گاڑی نکالو یہاں سے۔'' اس نے ڈرائیور سے کہا تھا۔ ڈرائیور نے فوراً اس کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔ نوریہ کے ہر انداز میں کچھ نہ کچھ ایسی بات تھی کہ زرش نے الجھ کر اسے دیکھا تھا۔

''وہ آپا کہاں ہے؟'' کچھ دور آ کر زرش نے پوچھ ہی لیا تھا۔

''تمہیں [illegible] سب بتاتی ہوں۔'' نوریہ نے اسے [illegible] کیا تھا۔

باقی [illegible] رستہ وہ خاموش رہی تھی۔

اپنے گھر میں لا کر نوریہ کو پانی پلا کر زرش نے بغور اسے دیکھا اسے غیر معمولی پن کا احساس ہوا تھا۔ معصب دوبارہ سو چکا تھا۔ شام کا وقت قریب تھا۔ نوریہ کا ذہن بھٹک کر بار بار اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ یقیناً اس کا خط بھابی اور اماں نے پڑھ لیا ہوگا اور شاید بھابی نے نبیل بھائی کو بھی کال کر کے بتایا ہوگا اور شام کے بعد جب شارق وہاں جائے تو کیا صورت حال ہوگی؟

''آپ پریشان ہیں؟'' زرش کے سوال پر نوریہ کو اپنا ضبط کم پڑتا محسوس ہوا تھا۔

''تمہیں آپا کی ضرورت تھی کیا تم مجھے اپنی آپا کے طور پر اپنے گھر میں قبول کر لو گی؟'' کچھ توقف کے بعد اس نے پوچھا۔

''جی......؟'' نوریہ نے بات ہی ایسی کی تھی کہ وہ ششدر سی رہ گئی تھی اور پھر نوریہ اسے سب بتاتی چلی گئی تھی اپنی کتاب زیست کا ورق ورق اس کے سامنے کھولتی چلی گئی تھی۔

وہ سمجھتی تھی کہ تائی اماں نے اس کے ساتھ جو سلوک کیا ہے ایسا دکھ کبھی کسی کو نہ ملا ہوگا مگر نوریہ کی زبانی اس کی زیست کا احوال سن کر وہ گم صم سی ہو گئی تھی۔

''میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں مگر اپنے بچے کی جدائی نہیں۔ شارق نے صرف میرے کردار کو مسخ نہیں کیا اس نے میری نسوانیت اور انا کی بھی توہین کی تھی۔ میں کیسے معاف کر دوں اسے مجھے پتا ہے وہ مجھ اپنے گھر میں بسانا چاہتا ہے مگر اس نے اپنی شرمندگی یا پچھتاوے کا اظہار تک نہیں کیا۔ وہ مرد ہے نا ہر طرح سے اپنی مردانگی کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ چاہے میری نسوانیت کا بھرم ختم ہو جائے۔ میں سب برداشت کر لیتی مگر اپنی اس قدر توہین برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ رضا اور شارق دونوں نے مل کر میری ذات کے بخیے اُدھیڑ دیے ہیں۔ تم بتاؤ میرا قصور کیا تھا جو نبیل بھائی میرے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہ رہے تھے۔''

اور زرش کو کچھ سمجھ میں نہ آیا تو خاموشی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

نوریہ نے سوچا تھا کہ آنسو انسان کو کمزور بنا دیتے ہیں وہ کبھی نہیں روئے گی مگر اس لمحے اپنوں کو چھوڑ دینے اور عمر بھر کی اذیت سہنے کا کرب ایسا تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

زرش نے اسے رونے دیا تھا۔ شاید رو کر ہی اس کا جی ہلکا ہو جائے۔

☆☆......۞......☆☆

قیصرہ آپا کے ہاں آ کر بھی طاہرہ بیگم کے اندر اتنی ہمت نہ ہو سکی کہ ان کو اپنی آمد کا سبب بتا سکیں۔ بس اتنا ہی کہا کہ فرح کے رشتے کی وجہ سے کچھ ناچاقی ہو گئی ہے۔ جس پر انہوں نے خوش ہو کر کہا تھا اچھا کیا ہے سعید احمد اور دوسروں کو مسلسل اپنی ناراضگی اور راضی نہ ہونے کا احساس دلاتی رہو۔ پیچھے سے پلٹ کر کسی نے بھی رابطہ نہ کیا تھا اور وہ منتظر ہی رہی تھیں کہ سمعان نہ سہی عثمان ہی شاید فون کر کے وجہ پوچھ لے (خبر تو اسے مل ہی گئی ہوگی) مگر دو [illegible] گزر جانے کے بعد بھی وہی مایوسی تھی۔

پہلے دن قیصرہ آپا نے خوشی کا اظہار کیا تھا مگر دوسرے دن انہیں مسلسل خاموش دیکھ کر انہیں تشویش سی ہوئی [illegible] انہوں نے [illegible] کئی بار پوچھنا چاہا مگر [illegible] خاموش ہو جاتیں۔ ان کی [illegible] بہت زیادہ [illegible] نہیں [illegible] ان کو پوچھ [illegible] خاص طور پر امجد آ کے جاتے خالہ کی طبیعت پوچھتا تھا۔ فکر نہ کریں سب ٹھیک ہو جائے گا کہہ کر تسلی دے لیتا تھا۔ امجد ان سب سے ہٹ کر مختلف طبیعت کا مالک تھا بطور خاص انہیں پسند بھی بہت تھا۔ کتنی خواہش تھی فرح اور امجد کو ساتھ ساتھ دیکھنے کی مگر۔

تیسرے دن بھی پیچھے سے کسی نے رابطہ نہ کیا تو قیصرہ آپا کی تشویش میں اضافہ ہوا۔ پہلے بھی کئی بار ایسا ہوا تھا کہ طاہرہ ناراض ہو کر یہاں آ ئی بھی تھیں تو سعید احمد نہ سہی ان کی اولاد فون کر کے یا خود آ کر منا کر لے جاتی تھی۔ اس بار کسی نے بھی کوشش نہ کی تھی۔ انہوں نے طاہرہ سے پوچھنے کے بجائے بڑے بھائی کے ہاں رابطہ کیا تھا۔ اندازہ تھا کہ نفیسہ آپا نے ان سے ذکر تو کیا ہوگا آخر کو تیسرا دن تھا طاہرہ کو گھر سے نکلے ہوئے۔

اور بھائی صاحب نے چھوٹتے ہی قیصرہ آپا کو بے بھاؤ کی سنائی تھیں طاہرہ کی ساری زندگی کی بربادی کا ذمہ دار انہیں ٹھہراتے غم و غصے سے فون بند کر دیا تھا۔ انہیں اندازہ ہو کہ اس دفعہ صورت حال خاصی سنگین ہے ساتھ میں غصہ بھی آیا کہ تیسرا دن ہے طاہرہ کو آئے مگر منہ سے بھاپ تک نہیں نکلنے دی۔

''بھائی صاحب نے فون کیا ہے۔ پتا چلا ہے سعید احمد کا گھر ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر آئی ہو۔'' وہ لاؤنج میں بیٹھی نجانے کن خیالوں میں غرق تھیں کہ آتے ہی اس سوال پر چونک کر قیصرہ آپا کو دیکھا تھا۔

''چلیں اچھی بات ہے آپا کو خود ہی خبر ہو گئی۔'' انہوں نے دل میں کہا اور پھر خاموشی سے سر جھکا لیا۔ قیصرہ آپا کا غصہ ایک دم بڑھا تھا۔

"خاموش بیٹھنے سے کوئی حل نہیں نکلنے والا۔ مجھے ساری بات بتاؤ۔ ادھر نفیسہ آپا سارے بھائیوں اور بہن کو ہمارے خلاف کرنے میں جت گئی ہوں گی۔ ساری عمر گزار دی مگر عقل نہیں آئی تمہیں۔ تیسرا دن ہے آئے ہوئے اور زبان سے ایک لفظ تک نہیں نکالا۔"

"تو کیا بتاتی؟ وہاں اب ہے کیا۔ ساری عمر پھونک دی اس پتھر کو موم کرنے میں مگر اس پر کسی بات کا اثر نہ ہوا۔ ساری عمر ناکردہ گناہوں کی سزا جھیلی ہے میں نے۔" وہ ایک دم پھٹ پڑی تھیں۔

"ناکردہ تو نہ کہو۔" ان کا انداز ایسا تھا کہ طاہرہ بیگم ایک دم چپ ہوگئی تھیں۔

"آپا۔" انہوں نے فوراً بہن کو ٹوکا۔ "آپ جانتی ہیں سعید احمد کے ساتھ میں کس قدر مخلص تھی۔ وہ سب کم عمری کی حماقت تھی دل سے میں نے ان کی نہ صرف عزت کی تھی بلکہ محبت کی تھی ان سے۔"

"ہاں تو جواب میں اس ناقدرے شخص نے کیا دیا تمہیں۔ میں تو اب بھی کہتی ہوں شائستہ کا جادو تھا۔ اس پر اس کی کہی سنی ہے ساری عمر تمہاری تو سچی بات پر بھی اس نے اعتبار نہ کیا۔" انہوں نے زخموں پر مزید نمک چھڑک دیا تھا۔

"آپا! میں تنگ آچکی ہوں اس اذیت سے۔ اب برداشت نہیں ہوتا۔ کتنی خواہش تھی فرح اور امجد کے لیے میری۔" یہ بات سیدھی قیصرہ آپا کے دل پر جا لگی تھی۔

"اب کیا بات ہوئی تھی۔" انہوں نے پوچھا تو طاہرہ بیگم نے سارا قصہ کہہ سنایا۔

"اس روز روز کی چیخ چیخ سے بےزار ہوچکی ہوں میں۔ برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے آپا۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں مجھے [illegible] کی روپے پیسے [illegible] ہر روز [illegible] کا الزام رہتا ہے [illegible] آپ [illegible] رہی ہوں آپا اب تو صاف الفاظ میں [illegible] لگے ہیں مجھے دولت کا لالچ ہے [illegible] اور [illegible] ہوں۔ میری برداشت بس یہیں تک تھی۔ میں سب چھوڑ کر آگئی ہوں۔ نہیں چاہیے مجھے اس شخص سے اب کچھ۔ ساری عمر جو ذلت و رسوائی سمیٹ لی ہے وہی کافی ہے۔"

"ہائیں یہ کیا کردیا تم نے اور جو بنک بیلنس، جائیداد تمہارے نام تھی حق مہر کی صورت میں وہ سب کیا کیا اس کا؟" یہ انکشاف سن کر وہ ایک دم بوکھلا کر پوچھنے لگی تھیں۔

"سب چھوڑ آئی ہوں ایک پائی بھی نہیں لوں گی اس شخص کے پیسے سے میں اب۔ بڑے الزام سہہ لیے اب مزید نہیں۔" طاہرہ بیگم کا وہی انداز تھا برسوں پرانا۔

قیصرہ آپا کا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لیں ساری عمر کی محنت اکارت گئی تھی اس پل۔

"طاہرہ تم سا بھی کم عقل اور بےوقوف میں نے عمر بھر نہیں دیکھا۔" ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کچھ کر بیٹھیں۔ "وہ لاکھوں نہیں کروڑوں بنتے ہیں۔ تم سب کچھ یونہی چھوڑ آئی۔ عجیب بےوقوف عورت ہو تم۔ ایک شخص تم سے ساری عمر سنبھالا نہ گیا۔"

طاہرہ نے بدحواس ہوکر ناراض ہوتی بہن کو دیکھا۔ بھلا وہ کیوں ناراض ہو رہی تھیں۔

"آپا! جب ساری عمر گزاری تو وہ شخص میرا نہیں بنا۔ اس کے دل و دماغ میں اول روز سے شک کی جو پنی پڑ گئی تھی وہ آج تک کھل نہ سکی۔ میری محبت، خلوص کو اس نے صرف شک کی نگاہ سے ہی دیکھا اور پرکھا تو



ایسے شخص کی دولت و جائیداد سے مجھے کچھ لینا دینا نہیں ہے چاہے وہ میرا جائز حق ہی کیوں نہ ہو۔ اب مزید نہیں۔ محبت، دولت و جائیداد سے بڑھ کر ہوتی ہے اعتبار و احساس سب سے بڑھ کر ہے جب یہ سب نہیں ملا تو اب چاہے کوئی میرے سامنے سونے چاندی کے ڈھیر لگا دے میں ان کا بھلا کیا کروں گی۔"

قیصرہ کا جی چاہا ان جذباتی باتوں پر طاہرہ کو ایک دو تھپڑ تو ضرور جڑ دیں۔ انہوں نے بڑی سختی سے اپنا غصہ اندر دبایا تھا۔

"تو اب آگے کے کیا ارادے ہیں؟"

"میں ثبوت کے طور پر سعید احمد کی ٹیبل پر لکھ کر آئی ہوں کہ مجھے اس کی دولت و جائیداد سے کچھ نہیں چاہیے۔ حتیٰ کہ حق مہر کی صورت میں اپنے نام لکھی جائیداد بھی، دولت و جائیداد کا نام نہیں لیجیے گا۔ رہ گیا آئندہ زندگی کا سوال، بہت تماشا بنالیا میں نے خود کو۔ دنیا کی ہی نہیں اپنی اولاد کی بھی نظروں سے بھی گرچکی ہوں وہ گھر ہمیشہ کے لیے چھوڑا ہے اب واپسی کا سوال ہی نہیں۔ چاہے اب وہ شخص کوئی بھی فیصلہ کرے۔"

طاہرہ کا انداز ایسا تھا کہ قیصرہ بیگم نے حیران ہوکر دیکھا تھا۔

مضبوط

اٹل

اور شاید اپنی لغزشوں پر پشیمان بھی تھیں۔

"عثمان دور سے سمعان خفا ہے۔ علی نے بھی تمیز سے بات نہیں کی اور فرح اس کے دل میں جو تھوڑا بہت احساس ہے وہ اب ختم ہوگیا ہوگا تو اس گھر میں ساری عمر بچوں کے لیے ہی تو [illegible] تو زندگی [illegible] تھی [illegible] کس کے لیے وہاں رکتی؟"

☆......☆☆......☆

نبیلہ بھابی مغرب سے کچھ پہلے اٹھ کر کمرے سے نکلی تھیں۔ نوریہ اپنے کمرے میں تھی اور اماں اپنے کمرے میں۔ انہوں نے اماں کے کمرے میں جھانکا وہ عصر سے مغرب تک وظیفہ کرتی تھیں آج کل وہ نوریہ کے لیے خصوصی وظیفے کر رہی تھی اس لیے ان کا اب زیادہ تر وقت جائے نماز پر ہی گزر رہا تھا۔ نبیل کے آفس سے آنے کا وقت ہو رہا تھا اور اگر شارق بھی آگیا تو انہیں خوف سا محسوس ہونے لگا۔ دونوں ہی غصے کے تیز اور جذباتی تھے۔ نوریہ کھانا کھائے بغیر کمرے میں بند تھی۔ وہ اس کمرے میں آگئیں تو وہ کہیں بھی نہ تھی۔

"نوریہ......!" انہوں نے ایک دو آوازیں دیں مگر جواب ندارد تھا۔

"کہاں گئی ہے یہ؟" انہوں نے سارا گھر دیکھ لیا تھا۔ اب انہیں تشویش ہونے لگی تھی۔

"اماں نوریہ کا پتا ہے دونوں ماں بیٹا کمرے میں نہیں ہیں۔" وہ اماں کے پاس چلی آئی تھیں اماں نے تسبیح روک کر اس کے پریشان چہرے کو دیکھا۔

"باہر صحن میں ہوگی۔"

"میں سب جگہ دیکھ آئی ہوں۔ گیٹ کا دروازہ لاک کر کے میں لیٹی تھی مگر وہ کھلا ہوا ہے اور نوریہ کہیں بھی نہیں۔"

اب کے اماں بھی پریشان ہوگئی تھیں۔

"کہاں جاسکتی ہے یہ اس وقت؟" نبیلہ نے چور نظروں سے انہیں دیکھا۔

"اماں مجھ سے ایک غلطی ہوگئی' آپ نے منع کیا تھا کہ اسے شارق کی آمد اور دھمکیوں کا نہ بتاؤں مگر میں بھول گئی تھی' اسے بتادیا تھا اس نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا کمرے میں چلی گئی تھی میں سمجھی کہ سوگئی ہوگی مگر......!"

"ہائے......اللہ......!" اماں لرز ہی گئی تھیں۔ "یہ کیا کردیا تو نے' وہ جس طرح منہ پر اتری ہوئی تھی مجھے اس سے خوف ہی آرہا تھا۔ رہی سہی کسر نبیل پوری کررہا تھا۔ نجانے کہاں گئی ہوگی۔ شارق تو چھوڑے گا نہیں ہمیں۔" ان کا دل ہول رہا تھا۔

مغرب کی اذانیں شروع ہوگئی تھیں۔ پریشانی سے اماں کا بلڈ پریشر ہائی ہونے لگا تو وہ انہیں لیے لاؤنج میں آگئی تھی۔ اماں کو صوفے پر لٹا کر سیدھی ہوئیں تو نگاہ نبیل پر پڑی تھی۔ پہلے تو نظر انداز کیا مگر ایک تجسس تھا کہ انہوں نے کاغذ اٹھالیا تھا۔ کاغذ پر لکھی تحریر نے ان کے قدموں سے زمین کھینچ لی تھی۔

"یااللہ!" کاغذ ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا تھا۔

"کیا ہوا؟ کیا ہے؟" اماں نے نبیلہ بھابی کے سپید پڑتے چہرے کو پریشان دیکھا تھا۔

"اماں! نویرہ گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ نجانے کہاں۔" وہ رو رہی تھیں اماں تو ایک دو پل ششدر سی بیٹھی رہی تھیں اور پھر انہیں لگا تھا کہ ان کے ذہن و دل پر اک غبار سا چھا گیا ہے۔

"اماں......!" اماں کو حواس چھوڑتے دیکھ کر نبیلہ کے اپنے حواس ساتھ چھوڑنے کو تھے۔ گھر میں کوئی نہیں تھا۔ اماں [illegible] بے ہوشی۔

[illegible] نبیل...... جلدی گھر آجائیں۔ اماں کی طبیعت [illegible]" انہوں نے فوراً نبیل کو فون کیا تھا اور [illegible] بات کرکے کال بند کردی تھی۔

نبیل رستے میں ہی تھا۔ فوراً راستے میں ڈاکٹر کو لیے گھر پہنچا تھا اماں کو مسلسل بے ہوش دیکھ کر وہ بھی پریشان ہوگیا تھا۔

"ہائے میری بچی۔" ڈاکٹر کی تھوڑی تگ و دو کے بعد ان کو ہوش آیا بھی تو وہی غم انہیں پھر بے ہوشی کی کیفیت میں دھکیل گیا تھا۔ نبیل نے تعجب سے بیگم کو دیکھا اور اس نے خاموشی سے خط اسے تھمادیا تھا۔

اب بتائے بنا چارہ نہ تھا۔ خط پڑھتے ہی نبیل کے چہرے پر بھی وہی زلزلے کے آثار پیدا ہوئے تھے۔ ڈاکٹر نے اماں کو ایک دو انجکشن لگادیے تھے۔ وہ صرف صدمے سے بے ہوش تھیں تاہم پریشانی والی بات نہ تھی۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں میاں بیوی صدمے اور انجکشن کے زیر اثر لیٹی اماں کے اردگرد پریشانی سے بیٹھے ہوئے تھے کہ شارق چلا آیا تھا۔ نبیل اسے دیکھ کر ایک دم غصے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"تم...... کیا لینے آئے ہو تم یہاں؟"

"میں تو دوپہر کو بھی آیا تھا کیا تمہاری بیوی نے تمہیں یہ نہیں بتایا۔" شارق نے تمسخر سے اسے دیکھا تھا۔



"تم نے خود ہی تو فون کیا تھا کہ آکر اپنا بچہ لے جاؤں رہ گئی خلع کی کارروائی تو وہ کورٹ میں دیکھ لوگے۔ دوپہر میں بچہ گھر پر نہیں تھا اب آیا ہوں لینے۔"

"شارق بھائی پلیز' نبیل کو آپ کی آمد کی خبر نہیں دی تھی اور اس وقت اماں کی بھی طبیعت ٹھیک نہیں آپ دونوں آہستہ سے بیٹھ کر بات کریں۔" اس سے پہلے کہ نبیل غصے سے کچھ کہتا نبیلہ درمیان میں بول پڑی تھی۔

"میں یہاں بیٹھنے نہیں آیا آپ مصعب کو لادیں میں فوراً چلا جاتا ہوں۔" اماں پر ایک نگاہ ڈال کر اس نے اپنے اسی انداز میں کہا تھا۔ تو نبیل نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"شارق بھائی! آپ بیٹھیں آپ کو سب بتاتی ہوں پلیز۔" نبیل کو اشاروں ہی اشاروں میں خاموش رہنے کا کہہ کر اس نے شارق کی منت کی تھی۔

"دیکھیں بھابی! مجھے صرف اپنے بچے سے غرض ہے کسی سے کوئی لینا دینا نہیں۔ بیٹھنے کا کیا ہے میں بیٹھ جاتا ہوں مگر آپ ذرا جلدی کریں۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

نبیلہ نے خاموشی سے ایک نگاہ اپنے اوپر ضبط کرتے نبیل پر ڈالی تھی اور پھر ہاتھ میں پکڑا خط شارق کو تھمادیا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے تعجب سے دونوں میاں بیوی کو دیکھا تھا۔

"آپ پڑھ لیں۔" اور شارق کی بھی وہی کیفیت ہوئی تھی جو یہ لوگ جھیل رہے تھے۔

"کیا بکواس ہے یہ؟" اس نے نبیلہ اور پھر نبیل کو دیکھا تھا۔

"[illegible] اور اماں اپنے کمرے میں نماز پڑھ رہی تھیں [illegible] نبیل وہ کس وقت مصعب [illegible] کر چلی [illegible] پتا چلا۔"

"ناممکن وہ کیسے چلی گئی؟ وہ بھی بن کر کہیں نکل گئی اور آپ لوگوں کو پتا تک نہ چلا۔ میرے ساتھ یہ ڈرامے بازیاں نہ کریں۔ میں آپ کے جھوٹ پر بھی یقین نہیں کرنے والا۔ آپ لوگوں نے خود اسے کہیں غائب کیا ہے اور اب یہ خط دکھا کر مجھے الو بنارہے ہیں لائیں اسے کہیں سے بھی ابھی اور اسی وقت۔"

شارق کا تو اس انکشاف نے برا حال کردیا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے ہم جھوٹ بول رہے ہیں۔ بکواس کررہے ہیں اماں صدمے سے اس حال میں ہیں۔ پریشانی سے ہمارا برا حال ہے اور تم کہہ رہے ہو ہم مذاق کررہے ہیں۔ ہم نے خود غائب کیا ہے اسے؟" شارق کی باتوں نے نبیل کو بھی آؤٹ آف کنٹرول کیا تھا۔

"ہمارا دماغ خراب ہے کہ اپنی عزت خود اپنے ہاتھوں رولتے پھریں۔ وہ صرف تمہاری وجہ سے گئی ہے۔ تمہاری وجہ سے۔" نبیل نے شارق کو صاف سنایا تھا۔

نبیلہ نبیل کے تیوروں سے خوف زدہ ہوئے دونوں کے درمیان آگئی تھی۔

"پلیز شارق بھائی' خدا کی قسم یقین کریں ہم پر ہم جھوٹ نہیں بول رہے ہیں نہیں پتا چلا کہ وہ کب گئی ہے اور کہاں؟ یہ خط آپ کے سامنے ہے یہ نویرہ کی لکھائی ہے۔ جتنا قصوروار وہ آپ کو ٹھہرا رہی ہے اتنا ہی نبیل کو بھی۔ نجانے وہ کہاں گئی ہے۔ بجائے اس کے کہ ہم ایک دوسرے کو الزام دیں اسے ڈھونڈیں پلیز۔ شام

گہری ہو رہی ہے نجانے وہ کہاں گئی ہے۔"

وہ رو دی تھی اور شارق اس نے لب بھینچ لیے تھے۔

"یقین تو نہیں آ رہا تھا مگر خالدہ بیگم کی حالت' نبیلہ کا رونا اور نبیل کا سب برداشت کر لینا۔ ایسی حقیقتیں تھیں کہ صاف بتا رہی تھیں کہ یہ لوگ بھی لاعلم تھے۔ بے قصور تھے تو پھر وہ کہاں گئی تھی۔ اگر یہ سچ تھا تو انتہائی تشویشناک تھا۔

"دیکھ لوں گا میں سب کو۔" ماؤف ہوتے ذہن کے ساتھ دھمکیاں دیتا وہاں سے چلا گیا تھا اور نبیل نے لب بھینچ لیے تھے۔

☆□......□......☆□

رات تک قیصرہ آپا کا رویہ طاہرہ کے ساتھ کافی روکھا سا ہو گیا تھا۔ انہوں نے چند بار آپا سے بات کرنے کی کوشش کرنا بھی چاہی تو انہوں نے خود کو اتنا مصروف کر لیا کہ وہ چاہنے کے باوجود انہیں مخاطب نہ کر پائیں۔ رات خود ہی کچن کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹانے کو ان کے پاس چلی آئیں تو انہوں نے وہی سوال کر ڈالا جس کی وجہ سے وہ سوچ سوچ کر پریشان ہو چکی تھیں۔

"اگر تمہارے بچوں نے اسی طرح چپ سادھے رکھی تو تمہارے میاں نے آخری فیصلہ کر ڈالا تو کدھر جاؤ گی تم۔" بڑی سفاکی سے سوال کیا تھا طاہرہ نے بڑی خوف زدہ نظروں سے آپا کو دیکھا تھا۔

بڑا سپاٹ سا چہرہ تھا۔

"میں بھلا کدھر جاؤں گی آپا... کے پاس ہی رہوں گی۔ ساری عمر آپ کے پاس ہی آئی ہوں۔ سب بہن بھائی اسی بات پر ناراض رہتے [illegible] اہمیت [illegible]" انہوں نے سادگی سے کہا تھا۔

"پہلے کی بات اور تھی اب بھلا تم میرے پاس کیوں رہو گی۔ بڑے بھائی صاحب ہیں اور بھی بہن بھائی ہیں کسی کے بھی پاس چلی جاؤ۔" انہوں نے ایسی بات کہی تھی کہ طاہرہ بیگم ششدر سی دیکھتی رہ گئی تھیں۔

قیصرہ آپا نے ان کے اس انداز پر اپنا ماتھا پیٹ لیا تھا۔

طاہرہ بیگم ساری عمر گنوا کر بھی ان کا رویہ اور بدلتے تیور نہ سمجھ پائی تھی۔

"آپ کو پتا ہے کبھی کسی نے میرا ساتھ نہیں دیا۔ ہر کسی نے الزام مجھے ہی دیا ہے۔ اب بھلا وہ لوگ مجھے کیسے قبول کریں گے۔" وہ روہانسی ہو گئی تھیں۔ ساری عمر اسی بہن کے ہی دماغ سے سوچا اور کیا تھا اب بھلا کیسے کسی اور کے پاس جانے کا سوچتیں۔

"تمہیں اپنے بہنوئی کا تو پتا ہے۔ کس دماغ کے انسان ہیں' اگر انہوں نے کچھ ایسا ویسا کہہ دیا تو پھر مجھے نہ کہنا۔" وہ صاف لفظوں میں طاہرہ کو اپنے گھر سے چلے جانے کا کہہ بھی نہیں سکتی تھیں۔ وہ اس حالت میں بھی چاہتی تھی کہ طاہرہ خود ہی کچھ سوچ لیں اور ان کے اوپر الزام بھی نہ آئے۔

اگلے دو دن میں طاہرہ بیگم نے صاف محسوس کیا کہ آپا تو ایک طرف ان کے میاں اور تینوں بیٹیوں کا رویہ تک بدل گیا ہے۔ دو دن سے انہوں نے صرف ایک بار صبح کے وقت کھانا کھایا تھا کسی نے ان سے کھانے کا پوچھا تھا اور نہ ہی کھانے پر بلایا تھا۔ صرف ایک امجد تھا جس کا رویہ ابھی تک نارمل تھا۔ پہلے جیسا ہی تھا۔



تیسرے دن بھوک' ٹینشن اور کمزوری کی وجہ سے انہیں بخار ہو گیا تھا۔

ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ وہ ناراض ہو کر آپا کے ہاں آئی تھیں تو ان کی اولاد تو ایک طرف کسی بہن بھائی نے بھی پلٹ کر خبر نہ لی تھی۔ لعنت ملامت ہی سہی کوئی نہیں آیا تھا۔ وہ اس وقت کمرے میں لیٹی ہوئی تھیں۔

"خالہ جان۔" امجد کی آواز پر انہوں نے آنکھیں کھولنا چاہی تھیں مگر پانی کی وجہ سے سارا عکس دھندلا گیا تھا۔

"ارے خالہ جان' کیا ہوا؟ لیٹی کیوں ہیں؟" وہ ان کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ طاہرہ کا ہاتھ تھاما تو چونکا۔

"ارے خالہ آپ کو تو بڑا تیز بخار ہے۔"

پانی پلکوں کی سرحد پار کرتے رخساروں پر بہنے لگا تو امجد نے بڑی خاموشی سے انہیں دیکھا تھا۔ اس وقت خالہ پر غصہ بھی آیا اور ترس بھی۔ یہ بے یارو مددگار عورت ساری عمر اس کی ماں اور باپ کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنی رہی تھی۔ یہ معصوم سی عورت اپنی کم عقلی کے ہاتھوں ساری عمر بہن کے اشاروں پر عمل کرتی' آج سب کچھ گنوا کر بے یارو مددگار بیٹھی حقیقی اور اعتبار کے رشتوں سے گندے چہروں سے اٹھتے نقاب دیکھ رہی تھی۔

"انہیں خالہ اب رونے کا بھلا کیا فائدہ' ساری عمر گنوا کر اس عمر میں عقل بھی آ جائے تو اس عقل کا بھلا کیا فائدہ۔ میں نے جب بھی آپ کو سمجھانا چاہا' امی اور ابو کی اصلیت بتانا چاہی آپ نے ہر بار مجھے ٹوک دیا' اگر تب میری کوئی بات سن لیتیں یا کسی اور کے کہے پر عمل کر لیتیں تو آج اس حال میں نہ ہوتیں۔ آپ کی ذرا سی تکلیف پر آپ کے گرد آپ کی ساری اولاد ہوتی۔ خالہ جان۔" خالہ کی حالت نے اسے اتنا غصہ دلایا تھا کہ وہ آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا تھا۔

"میں سب دیکھ رہا ہوں۔ مجبور ہوں [illegible] صرف آخری بار آپ کو سمجھانے آیا ہوں کہ خدارا ابھی بھی وقت [illegible] آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ آپ کی اولاد اور احمد [illegible] کے دل بڑے [illegible] ہیں وہ کبھی [illegible] بات کا حوالہ بھی نہیں دیں گے۔ ایک دفعہ آپ کو ہمت کرنا ہوگی ہماری امی اور ہمارے ابو آپ کے ساتھ کبھی مخلص نہیں رہے' انہوں نے اپنے مطلب کے لیے آپ کو صرف استعمال کیا ہے' صرف استعمال۔ آپ کی حیثیت اس وقت کھوٹے سکے سے بھی کم ہے۔ آپ اب صرف خالی برتن ہیں جو اب ان کے لیے کسی فائدے کا نہیں رہا اس لیے انہوں نے آنکھیں پھیر لی ہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ آپ کو اپنے گھر سے نکالیں آپ خود ہی کوئی فیصلہ کر لیں۔"

"امجد! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپا پر تو مجھے اپنی ذات سے بڑھ کر اعتبار تھا۔" امجد کے اس قدر ترش اور تلخ انداز و الفاظ پر انہوں نے اسے ٹوکا تھا۔

"حیرت ہے آپ کو ابھی بھی یقین نہیں آ رہا۔ آپ اتنی کم عقل کیوں ہیں خالہ جان۔ ماں اور باپ ان لوگوں کی کیٹگری میں آتے ہیں جو رشتوں کو صرف ہوس' خود غرضی اور دولت کے ترازو میں تولتے اور محبت کو صرف اغراض کی عینک سے دیکھتے ہیں۔ ہماری امی کے اندر یہ خصوصیات کیسے پیدا ہوئیں مجھے نہیں علم مگر وقت و حالات نے یہ ادراک ضرور دیا کہ انہیں اپنی ذات اور صلاحیتوں پر حد سے زیادہ گمان ہے۔ انہی صلاحیتوں کے بل بوتے پر انہوں نے آپ کے شوہر حضرت خالو صاحب کو اپنی طرف مبذول کرنا چاہا تھا۔

ہے تو شرم کی بات مگر کیا کریں آپ کو حقیقت کی تلخ دنیا دکھانے کے لیے یہ سب بتانا بھی ضروری ہے۔ مگر وہ عقل مند تھے جو ان کے جال میں نہ آئے۔ ان کا پلس پوائنٹ یہ تھا کہ دولت مند تھے اور دولت امی کی کمزوری ہے۔ وہ ان سے صرف بدظن ہی نہ ہوئے تھے خار بھی کھانے لگے تھے اور یہ بات امی کے لیے ناقابل قبول تھی۔ کوئی ان کے جال سے بچ نکلے یہ کیسے ممکن ہے انہوں نے ان سے دشمنی کا رشتہ بنالیا تھا۔ صرف ان سے ہی نہیں شائستہ خالہ لوگوں سے بھی مگر افسوس خالو کا انتخاب آپ ٹھہریں اور امی کا انتقام۔"

"اسجد بس کرو...... بس۔" انہوں نے اسے روکنا چاہا تھا مگر وہ تمسخر سے ہنستے ایک پل رکا تھا اور پھر شروع ہو گیا تھا۔

"انہوں نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت آپ کو سعود انکل کی طرف راغب کیا......"

"اسجد بس کرو۔" اسجد کے منہ سے یہ سب سن کر ان کا صرف سر ہی نہیں جھکا تھا وہ خود بھی اپنی نظروں سے گرنے لگی تھیں۔

"خالہ! مجھے آج بولنے دیں یہ برسوں کا غبار ہے جو میرے اندر اکٹھا ہو چکا ہے اگر آج بھی نہ نکلا تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔ آپ کی طرح میں بھی امی کی صلاحیتوں کے زیر اثر رہا تھا اور پھر جب حقیقت کا پردہ ایک ایک کر کے مجھے اصل چہروں سے روشناس کرواتا گیا تو میرے اندر سے رشتوں کا رہا سہا بھرم بھی اٹھ گیا ہے۔ میں نے بارہا کوشش کی کہ آپ کو آنے والی تکلیف سے بچالوں مگر افسوس میں ایسا نہ کر پایا۔" وہ بڑے دکھ سے رکا تھا۔ "امی سے برداشت ہی نہیں ہوا تھا کہ ایک دبو، بے وقوف اور اپنی دنیا میں مگن رہنے والی ان [illegible] لے جائے [illegible] انکل [illegible] طرف راغب [illegible] اور پھر شائستہ آنٹی [illegible]
دل میں بات [illegible] ڈال دی [illegible] آپ کے جذبات [illegible] بھڑکا [illegible]
قسمت تھی کہ امی کی ہزار کوششوں اور آپ کی جذباتی حرکتوں کے باوجود سعید انکل سے آپ کی شادی ہو گئی تھی۔ آپ نے حالات کو قبول نہیں کیا تھا مگر مجبوری نبھا رہی تھیں۔ ہیں نا۔"

"تمہیں یہ سب کس نے بتایا ہے؟" اسجد کے سوالیہ انداز پر انہوں نے غصے سے پوچھا تھا۔ وہ ہنس دیا۔

"حالات نے خالہ جان! وقت و حالات نے سب بتا دیا کہ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ۔ دولت اور خوب سے خوب تر کی جستجو کا لالچ صرف امی کی فطرت کا حصہ نہ تھا۔ بدقسمتی سے یہ ہمارے ابو کے خون میں وراثت کے طور پر شامل تھا۔ امی کے سسرال یعنی ہمارا ددھیال سعید انکل جیسی ٹھاٹھ باٹ کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھا اور امی ابو کو ہر وقت اس بات کا احساس دلاتی رہتی تھیں اور ابو کی لالچی فطرت احساس کمتری کا شکار ہو کر انہیں دولت سمیٹنے کے اسرار و رموز سے آگاہ کرتی تھی۔ ان دونوں نے مل کر آپ کے ذہن کو ساری عمر جکڑے رکھا۔ انہوں نے آپ کو خود سے بھی سوچنے نہ دیا۔ مٹی کا مادھو بنا کر رکھ دیا آپ کو۔ آپ انکل کو شادی کے بعد قبول کر لیتیں مگر انہوں نے ایسا نہ ہونے دیا ہر وقت کوئی نہ کوئی ایسی بات چھیڑے رکھتیں کہ آپ کی شائستہ آنٹی سے نفرت انتہا کی حد تک پہنچ گئی۔"

اور یہ سچ تھا۔ طاہرہ کو اب بھی یاد تھا سعید احمد ان کے ساتھ کس قدر سچے تھے ان کے خلوص پر وہ خود سے شرمندہ ہو جاتی تھیں اور آپا ہر بار ان کی شرمندگی کو ختم کرنے کے لیے شائستہ کو درمیان میں لا کر نفرت کی وجہ



بنا دیتی تھیں۔

"خالہ! وقت نے امی کی سوچ کو شکست دی تھی اور انکل کی محبت جیتی تھی۔ آپ کے دل میں گزشتہ جذبات پر ندامت کے ساتھ نئے احساس پیدا ہونے لگے تھے اور امی کی ہزارہا کوششوں کے باوجود آپ سعید انکل سے ایک مخلص بیوی کا ثبوت دینے لگی تھیں اور امی کو یہ گوارا نہ تھا کہ آپ ایک خوش باش ٹھاٹھ باٹ والی زندگی گزاریں اور وہ آپ کے ہی ہر ماہ دیے گئے ہزاروں روپے پر زندگی گزاریں۔"

طاہرہ نے حیران ہو کر اسجد کو دیکھا واقعی ہر ماہ بہت چپکے سے سعید احمد ان کے ہاتھ میں جو بھی رکھتے تھے آدھے سے زیادہ آپا کو دے دیتی تھیں۔ بھائی صاحب شروع سے ہی فارغ البال تھے۔ ساری عمر نہ کوئی کام کیا نہ کوشش کی۔ باپ دادا کی جائیداد سے ان کے حصے میں ایک گھر اور کچھ دکانیں آئی تھیں۔ جن کا کرایہ ان کی کل آمدنی تھی۔ ایسے میں وہ ہر ماہ آپا کے ہاتھ پہ کچھ نہ کچھ ضرور رکھ دیتی تھیں اور آپا ہر بار حق سمجھ کر لیتی تھیں۔ بعض اوقات تو وہ خود سے کئی ہزار مانگ لیتی تھیں اور انہوں نے کبھی انکار نہ کیا تھا اور سعید احمد اچھی فطرت کے تھے کہ کبھی دے کر پوچھا نہ تھا کہ وہ روپیہ کہاں خرچ کر رہی ہیں۔

"آپ کی شائستہ آنٹی سے متعلق نفرت ختم ہو رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ کچھ عرصہ بعد حالات نارمل ہو جانے تھے اور اگر ایسا ہو جاتا تو سب کچھ ختم ہو جاتا امی نے ہمیشہ آپ کو اپنے تسلط میں رکھنے کے لیے بہکانا شروع کر دیا تھا۔ آپ کو دو بیٹوں کی ماں ہونے کے اعزاز میں اس غرور و فخر میں مبتلا کر دیا تھا جو فرعون کے دماغ میں سمایا تو وہ فنا ہو گیا تھا اور آپ ان کی ہر بات پر عمل کرتی رہیں۔ انہوں نے انکل کے دل میں آپ کے خلاف شک پیدا کروایا۔ ان سب حالات کے ساتھ آپ کا اپنا مقصد تھا کیوں ہر بات امی اور ابو کی مانی اپنی عقل [illegible]
[illegible] کیا [illegible] اپنی اولاد [illegible]
بھی اس میں گر سکتی ہے۔ خالہ کچھ تو سوچ لیا ہوتا۔"

"اسجد......!" اسجد کے اس قسم کے رویے پر وہ ششدر سی بیٹھی رہ گئی تھیں۔

"آپ نے اپنا گھر برباد کیا اور امی کے پاس آ گئیں۔ قصور شائستہ آنٹی کا نہ تھا۔ قصور آپ کا اپنا تھا۔ چند سال بعد انکل سے اگر آپ کی صلح ہو گئی تو آپ نے وہی روٹین رکھی۔ اگر ایمانداری سے اپنا گھر بساتیں تو امی کی کیا مجال تھی کہ آپ کو بہکا ئیں؟ آپ نے اس دور میں سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ عثمان اور ہادیہ کے معاملے میں امی کی باتوں پر عمل کیا اور انکل کے دل میں آپ کے لیے جو تھوڑا بہت احساس باقی تھا وہ بھی ختم کر دیا آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے پھر شائستہ آنٹی یا ان کی بیٹیوں کو الزام کیوں؟"

وہ سراپا سوال بنا ہوا تھا اور طاہرہ لاجواب ہو کر سر جھکا گئی تھیں۔ ان کے سر جھکا لینے سے اسجد کو بڑی تکلیف ہوئی تھی۔

"آپ نے اپنے بچوں کو خود سے متنفر کر دیا۔ پہلے عثمان اور پھر سمعان اور اس کے بعد علی اور فرح آپ نے ایک ایک کر کے اپنی اولاد کو خود اپنے سے دور کیا ہے۔ آپ کو پتا ہے فوزیہ آپا نے خفیہ شادی کر رکھی ہے۔"

"کیا؟" انہیں لگا جیسے ان کے اردگرد بم ہی تو پھٹا ہے۔

"جی ہاں انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔ جس پیسے سے انسان کی تربیت ہوتی ہے اس روپے کی قیمت انسان کے کردار کو واضح کرتی ہے۔ فوزیہ نے شادی کرلی۔ رابعہ وہ فلمی دنیا کے خواب دیکھ رہی ہے۔ امی کے لیے یہ دونوں باتیں عام سی حقیقت رکھتی ہیں اور ابو انہیں پیسہ چاہیے۔ چاہے وہ فوزیہ کے شوہر کو ہر ماہ بیوی سے ملنے کے لیے ایک معقول رقم کی صورت میں ان کے ہاتھ پر رکھنا پڑے۔ پیسہ کہاں سے آتا ہے انہیں اس سے کوئی غرض نہیں بس پیسا ہونا چاہیے۔ امی کو سب پتا تھا کہ فوزیہ کیا کرتی ہے۔ کس سے ملتی ہے مگر انہوں نے آپ کو اپنے تسلط میں رکھنے کے لیے آپ کو سمعان اور فوزیہ کے معاملے میں الجھائے رکھا اور جب دل چاہا لاکھوں مانگ لیے اور کبھی واپس نہ کیے۔ ایسا ہی کھیل وہ میرے اور فرح کے معاملے میں بھی کھیلنا چاہتی تھیں مگر قسمت سے بڑھ کر کوئی بھی زور آور نہیں۔ ان کو فرح سے زیادہ فرح کے نام کے شیئر اور دولت جائیداد اٹریکٹ کرتی تھی۔ خالہ کیا آپ نے خود سے کبھی نہ سوچا کہ یہ جو اتنے سارے لوگ ایک طرف ہیں اور امی ایک طرف اس میں سچ کیا ہے؟ کیا آپ کا کبھی دل نہ چاہا کہ ایک بار ہی سہی ان سارے لوگوں کی بات ہی مان کر دیکھ لوں صرف ایک امی ہی تو نہیں۔ اپنا گھر برباد کیا۔ اولاد آپ سے اور متنفر ہے۔ بہن بھائی اب آپ کو آپ کے حالات پر چھوڑ چکے ہیں تو اس عالم میں بھی آپ نے گھر چھوڑ کر چلے آنے کی ایک انتہائی سنگین غلطی کی۔ کیوں خالہ؟ کیوں؟"

وہ اتنا بولا تھا کہ آخر میں ایک دم خالہ کے ہاتھ تھام کر سوالیہ نشان بن بیٹھا تھا۔

"آپا غلط نہیں ہوسکتیں۔ میرا دل نہیں مانتا۔ وہ کبھی میرے ساتھ غلط نہیں کرسکتیں۔" یہ پتا نہیں یقین اور اعتبار کی کون سی منزل تھی۔

اسجد کو لگا اس کا [illegible] کہنا فضول گیا ہے۔

"آپ کو ایسے یقین نہیں آئے گا چلیے میرے ساتھ۔" وہ انہیں اٹھا کر سہارا دے کر باہر لے آیا تھا۔

"کہاں لے کر جا رہے ہو مجھے؟"

"ابھی سب حقیقت کی طرح واضح ہوجائے گا۔ بس آپ ادھر رکیں اس کھڑکی سے اندر کی ساری آواز آئے گی آپ نے دھیان سے سب سننا ہے۔ میں اندر جا رہا ہوں۔ یہ آخری موقع ہے خالہ سنبھلنے کا۔ مجھے کیسے علم ہوا یہ وقت نے سکھایا ہے اب وقت آپ کو سکھانے والا ہے حوصلہ رکھیے گا ابھی وقت آپ کے ہاتھ میں ہے مگر یاد رکھیے گا کہ وقت نکل گیا تو پچھتاوہ بھی بے کار رہے گا۔"

وہ انہیں کھڑکی کے پاس کھڑا کر کے اندر چلا گیا تھا۔

"امی آپ کو پتا ہے خالہ کو کتنا تیز بخار ہے؟" یہ اسجد تھا۔

"تو میں کیا کروں؟ مصیبت جان کو ہی آگئی ہے اب تو۔" یہ بے زاریت لیے آواز قیصرہ آپا کی تھی۔

طاہرہ کو لگا جیسے چھن سے ان کے اندر کچھ ٹوٹنے کو ہے۔

"تمہیں ہی بڑا شوق ہو رہا تھا خیر سگالی کا میں تو پہلے دن ہی کہہ رہا تھا کہ اسے مت رکھو ابھی فارغ کرو مگر تم نے میری ایک نہ مانی۔" بہنوئی کی آواز پر چھن سے ان کے اندر پھر کچھ ٹوٹ گیا تھا۔

یہ اعتبار تھا۔



برسوں کا یقین تھا۔

جو آج ریزہ ریزہ ہوا تھا۔

"ہاں تو میں بھی کیا کرتی آپ کے سامنے ہی سب کچھ تھا۔ منہ سے وہ ایک لفظ بھی نہیں کہہ رہی تھی پھر مجھے یہ بھی تھا کہ ناراض ہو کر ہی آئی ہے نا کیا پتا تھا سب ختم کر کے آئی ہے۔" طاہرہ کو آپا کی آواز بڑی اجنبی لگی تھی۔

"مجھے تو یہ تھا کہ ابھی بھی لاکھوں کروڑوں کی مالک ہے۔ مرا ہوا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے مگر کیا پتا تھا کہ بالکل ہاتھ خالی کر کے آئی ہے۔ بریف کیس چیک کیا تو سوائے چند جوڑوں کے زیور نام کی ایک چیز بھی نہیں جو پہنی تھی وہ بھی اتار آئی احمق۔"

"ساری عمر کی وہ احمق اور بے وقوف رہی ہے دبوسی۔ اپنی تو عقل اس میں ہے ہی نہیں نام کی بھی پاگل......!"

"میں آپ سے کیا بات کرنے آیا ہوں اور آپ کیا مسئلے لے کر بیٹھ گئے ہیں۔ ساری عمر خالہ نے آپ لوگوں کو کھلایا ہی ہے۔ یہ عمارت یہ ٹھاٹھ باٹھ سب انہی کی وجہ سے تو ہے ورنہ ابو کانوں کے کرایہ سے ہم گزار چکے ہوتے زندگی۔"

اسجد نے تلخی سے کہا تھا۔

"تمہیں بڑی اس کی سائیڈ آتی ہے۔ چند ہزار کیا کمانے لگے ہو خود کو بڑے افلاطون سمجھنے لگے ہو۔ چپ کر کے بیٹھو اور قیصرہ صاف سن لو اب اپنی بہن کو چلتا کرو کہیں بھی رہے ہماری بلا سے ساری عمر ہم نے ٹھیکہ تو نہیں [illegible] بیٹا [illegible] اور بیاہ دیا۔ [illegible] ہمارے ہاتھ کیا آیا ہوگی خیرات [illegible] ہر ماہ چند نوٹ نکالو اس کو [illegible] اب گھر سے [illegible] یہ مفت خوری کروائی جاتی۔"

کیسی سفاک آواز تھی۔

طاہرہ بیگم کو اپنا سر گھومتا محسوس ہوا تھا۔

"کر تو رہی ہوں بھائی صاحب کو بار بار فون کہ آ کر اپنی چہیتی کو لے جائیں بڑے درد اٹھتے رہتے تھے ہر وقت سب کے پیٹ میں اب وہ سب ختم کر رہی ہے تو کوئی خیر خبر لینے نہیں آیا۔ ورنہ سارا خاندان آگے پیچھے نصیحت ملامت کرنے پہنچ جاتا ہے۔"

یہ وہ آخری الفاظ تھے جو طاہرہ بیگم نے سنے تھے اور پھر ان کو لگا ان کے حواس ان کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔

پہلے اسجد کی باتیں اور اب یہ انکشاف۔

وہ لہرا کر گری تھیں۔

اور پھر ہر چیز ان کی بصارت سے اوجھل ہوگئی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ)

# تھیں قدم قدم پہ حقیقتیں

رشک حبیبہ

ہستی کی فکر کیا ہے جہاں بے ثبات ہے
اک سانس زندگی کی فقط کائنات ہے
تیرے سوا کسی کا کوئی ذکر تک نہیں
خلوت کدے میں دل کے فقط تیری ذات ہے

"نہیں! میں نہیں جاؤں گی۔ مجھے چھوڑیں رفیق بھائی! آپ کو اللہ کا واسطہ۔ رفیق بھائی یہ ظلم مت کریں۔ مجھے چھوڑیں، مجھے نہیں جانا۔ مجھے کہیں نہیں جانا۔ اللہ میاں! مجھے بچاؤ اللہ میاں.....!"

وہ اپنے مخصوص حلیے میں رفیق کے ساتھ گھسٹتی ہوئی ایک ہاتھ سے اپنا حجاب سنبھالے جو اس نے چادر سے کیا ہوا تھا اور دوسرا ہاتھ [illegible] برابر مدد کے لیے پکار رہی تھی۔ رفیق اسے ہاتھ سے پکڑ کے گھسیٹتا ہوا پچھلی کچی بستی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

مجھے اور خاور کو یہ منظر دور سے ہی نظر آ گیا۔ آس پاس کے خیمے کے لوگ بھی متجسس ہو کر باہر نکل آئے تھے۔

"عامر کو کال کرو، فوراً۔" میں نے اس سمت تقریباً دوڑتے ہوئے خاور سے کہا جو میرے پیچھے ہی تھا۔

"چھوڑو اسے....." میں نے برہم لہجے میں چلا کر کہا۔

رفیق چونک کر رکا پھر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ مسلسل اس سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"او بابو! جاؤ اپنا کام کرو۔" اس نے بے پروائی سے کہہ کر آگے قدم بڑھا دیے۔

"میں نے کہا چھوڑو اسے۔" میں نے بپھرے ہوئے انداز میں کہا۔

"[illegible] تو کیا کرے گا؟" وہ برابر اس کی [illegible] مجھے بے قابو کر گیا۔

میں نے آگے بڑھ کے ایک زناٹے دار تھپڑ رفیق کے منہ پہ دے مارا۔ جواب میں اس نے اپنے کمر میں چھپایا ہوا چمکدار خنجر نکال لیا۔

میں ششدر رہ گیا۔ رفیق کے خنجر نکالنے کی وجہ سے نہیں بلکہ جو منظر میری آنکھوں نے دیکھا مجھے اس پر یقین کرنا دوبھر لگا۔ وہ جو اب تک ایک ہاتھ سے اپنے حجاب کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھی۔ دہل کر اس نے اپنا حجاب چھوڑ دیا تھا اور جو سرخ سرخ اور متورم چہرہ حجاب سے برآمد ہوا اس نے مجھے ہلنے کے قابل بھی نہیں چھوڑا۔ رفیق نے اس کا ہاتھ چھوڑا اور خنجر لہراتا میری طرف بڑھا۔ میرے ہوش و

حواس سلب ہو گئے تھے کہ اچانک ”ٹھاہ“ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میرے سامنے کے منظر میں رفیق اپنی خون سے رنگی ہتھیلی لیے زمین پر بیٹھ رہا تھا۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ انسپکٹر عامر پستول رفیق پر تانے کھڑا تھا۔ خاور نے آگے بڑھ کر میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

”تم ٹھیک ہو۔“ میں نے غائب دماغی سے ایک نظر خاور اور دوسری نظر اس پر ڈالی جو گھٹنوں میں سر دیئے زمین پر بیٹھی لرز رہی تھی یا شاید رو رہی تھی۔

❁ ........ ❁ ........ ❁

چٹیل میدان میں تاحد نظر قطار میں کھڑے خیمے نیلے آسمان کی گود میں گرمی برساتا آتشیں تھال سلگ رہا تھا۔ کئی آوازیں میرے کانوں کے در کھٹکھٹا رہی تھیں، کچھ بچے میرے سامنے گول گول گھومتے ہوئے کھیل رہے تھے۔ کہیں کوئی سسک رہا تھا۔ اس کی سسکیوں کی آواز میرے بائیں پہلو میں اتر رہی تھی۔ کچھ والنٹیرز کام کرتے [illegible] کاروں کی ٹیمیں جو امدادی اشیا اور کیمپ کے انتظامات میں مصروف ادھر ادھر پھر رہے تھے۔

”اماں...... اماں...... کھانا دے نا! مجھے بھوک لگی ہے۔“

بچے کی بلکتی آواز پر میں نے سر گھمایا۔ میرے بائیں طرف بنے خیموں میں سے سامنے والے خیمے کا منظر نظر آ رہا تھا۔ وہ کوئی چار، پانچ سال کا بچہ ہوگا۔ جو اپنی ماں سے کھانے کی ضد کر رہا تھا۔ اس کے برابر میں ہی بیٹھی اس کی ماں بالکل جامد تھی۔ ایک میلی سی چادر اوڑھے وہ یوں بیٹھی تھی جیسے کوئی مجسمہ ہو۔ اس کی آنکھوں کی پتلیوں میں زندگی کی کوئی رمق نہیں تھی۔ بنا حرکت کیے اس کی نظریں کسی نادیدہ نقطے پر مرکوز تھیں۔ اس کی طرف چپ، اسی کی طرح بے حرکت، ایک دم مجھے یوں لگنے لگا جیسے وہ مر گئی ہو، یوں ہی بیٹھے بیٹھے، میں مضطرب ہو کے اٹھنے لگا تھا۔

”اماں...... اٹھ جا ناں...... مجھے کھانا لادے۔“ وہ بچہ پھر بلکنے لگا۔

زمین پر دونوں پاؤں پسارے وہ بچہ جس کے ہاتھ پاؤں اور بال مٹی سے اٹے تھے۔ گریبان کے پہلے دو بٹن ٹوٹے ہوئے اس کی بے بسی کی کہانی سنا رہے تھے اور خشک گالوں پر آنسوؤں کے نشانات اس کے ساتھ سسک رہے تھے۔ میں اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا اور اسی بچہ کو دیکھتے دیکھتے میں اس بچے کے ماضی میں جا پہنچا۔ کبھی یہ بھی تو اپنے گھر میں رہتا ہوگا۔ صاف ستھرا، اسکول جاتا، نخرے کرتا، اپنی ماں سے اپنے لاڈ اٹھواتا ہوگا۔ اپنے گھر کے صحن میں دوڑتا ہوا بچہ اور اس کے پیچھے پیچھے ہاتھ میں نوالہ لیے اس کی ماں......

”آجا [illegible] میرا [illegible] اور [illegible] کی مرضی کی [illegible]

ہے، کھا لے [illegible]“

پیار سے پچکارتی ماں۔

”نہیں مجھے حلوہ کھانا ہے میں، میں یہ نہیں کھاؤں گا۔ مجھے حلوہ کھانا ہے۔“

بچہ ٹھنک کے کہتا ہوگا، بھاگ کر چار پائی کے نیچے گھس جاتا ہوگا۔ اپنے تخیل کی وادی میں سیر کرتے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ چمکی اور آنکھوں کے گوشے گیلے ہو گئے۔

”لالا...... لالا......!“ میں چونک اٹھا کسی نے بڑے زور سے میرا کاندھا ہلایا۔ میرے سامنے وہی بچہ کھڑا تھا۔ ننگے پاؤں آنکھوں میں بھوک اور ہونٹوں پر سسکی لیے۔ میرے متوجہ ہونے پر اس کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو اس کے پھولے



پھولے گالوں پر لڑھکنے لگے۔ میں نے بے اختیار اسے اپنے سینے سے بھینچ لیا۔ نمی آنسو بن کر میری پلکوں پہ آٹھہری۔

”بوت بھوک لگی ہے۔“ رندھی سرگوشی میرے کانوں میں سرسرائی تو میں نے اسے خود سے الگ کیا، اس کے آنسو پونچھے اور دانستہ مسکرایا۔

”چلو......!“ میں نے اسے گود میں اٹھالیا اور کھڑا ہو گیا۔

کلائی الٹ کے گھڑی دیکھی تو کھانا ملنے میں ابھی وقت تھا، میں اسے لیے اپنے کیمپ کی طرف بڑھنے لگا۔

”نام کیا ہے تمہارا؟“ میں نے چلتے ہوئے پوچھا۔

”احمد بلال۔“ بچے کی آواز میں بشاشت آ گئی تھی۔

”بہت پیارا نام ہے، بالکل تمہاری طرح۔“ میں نے اس کے رخساروں کو چوما۔

میں کیمپ میں داخل ہوا تو وہاں بیٹھا عادل میرے نزدیک آ گیا۔ میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

”میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔ خاور بھائی کی کال آئی تھی۔ وہ امدادی سامان کے ٹرک لے کر پہنچنے والے ہیں، یہ کون ہے؟“ عادل نے کہتے ہوئے احمد بلال کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

”اسے بسکٹ اور جوس نکال کر دو۔“ میں نے عادل سے کہا۔

”جلدی شے......“ احمد بلال کی بے ساختگی پر میں اور عادل مسکرا اٹھے۔

❁ ........ ❁ ........ ❁

”لائن میں کھڑے ہو۔ سب لائن میں کھڑے ہو۔“ شیراز مسلسل آواز لگا رہا تھا۔

گرم گرم کھانے کی اشتہا انگیز خوش بو چہار اطراف پھیلی تھی۔ لوگ بھوک سے بے تاب ہو رہے تھے۔ بچے بھی کھیل کود چھوڑ کر لائن میں کھڑے اپنی ماں اپنے باپ اور بھائی، بہنوں کی ٹانگوں سے لپٹے کھڑے تھے۔ میں نسیم کے ساتھ تھا جو دیگ سے کھانا نکال کر لوگوں کے برتنوں میں ڈال رہا تھا۔ میری نظر کھانا لینے والے لوگوں کے جھکتے چہروں پر تھی۔ مگر ایک چہرے پر میری نظر ٹھہر گئی۔ وہ آگے آئی اس نے ہاتھ میں بڑی سی تھالی پکڑ رکھی تھی اور ابھی بھی اپنا منہ چادر سے ڈھانپ رکھا تھا۔ صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ میں اس کے آس پاس احمد بلال کو تلاشنے لگا لیکن وہ کہیں نہیں تھا۔ اس نے تھالی نسیم کے آگے کی، نسیم ابھی کھانا ڈال ہی رہا تھا کہ اس نے تھالی ہٹالی تھوڑے چاول زمین پر گر گئے اور تھوڑے تھالی میں۔ میں نے چونک کر اس کا چہرہ [illegible] آنکھیں ہی نظر آ رہی تھیں۔ [illegible] آنکھیں۔ وہ پلٹی اور دوڑتی ہوئی خیموں کی طرف بھاگتی چلی گئی۔ نسیم بھی حیران پریشان اسے ہی دیکھنے لگا۔ میں نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے باقی لوگوں کی طرف متوجہ کیا۔ وہ سر جھٹک کر پھر سے کام میں مصروف ہو گیا اور میرا ذہن ان آنکھوں میں الجھ گیا۔

❁ ........ ❁ ........ ❁

”میں یہاں پاس کی بستی میں رہتی ہوں۔ کچا گھر اپنا مکان ہے میرا۔ گھر والا ٹھیک سے کام نہیں کرتا۔ میں گھروں میں کپڑے برتن دھوتی ہوں۔ غریب لوگ ہیں ہم دو وقت کا کھانا یہاں سے لے جاتے ہیں تو کچھ بچت ہو جاتی ہے۔“

میں ہاتھ میں چاولوں کا تھیلا لیے احمد بلال کے خیمہ کی طرف جا رہا تھا، جب قطار میں کھڑے لوگوں کی طرف سے سرگوشی میں ڈھلی یہ آواز مجھ تک پہنچی۔ میں ٹھٹک گیا اور آواز کی سمت کا تعین کرنے لگا۔ وہ مجھے نظر آ گئی۔ میلے سے کپڑوں میں درمیانی عمر کی سانولی سی عورت تھی۔

"اور میں ہی نہیں میری بستی کے اور بھی بہت سے لوگ کھانا ملنے کے وقت یہاں آ جاتے ہیں۔ کرم ہے رب سوہنے کا یہ خیمہ بستی بنا کے اس نے ہمارے کھانے کا انتظام کر دیا۔" وہ مزید کہہ رہی تھی۔

میں اس عورت کے آخری جملے پر لرز اٹھا۔ بے اختیار نظر آسمان کی جانب اٹھی اور یہ سوال میری روح کو کچوکے لگانے لگا۔ یہ کیسا گورکھ دھندا ہے؟ کسی کے لیے یہ خیمہ بستی باعث نعمت ہے اور کسی کے لیے باعث اذیت۔ "تیری تو ہی جانے۔" [illegible] لب [illegible] آگے بڑھ گیا۔

"احمد بلال!" میں نے احمد بلال کے خیمے کے باہر سے آواز دی۔ جواب خاموشی نے دیا۔ میں نے ایک دو بار آوازیں دیں تو وہی عورت باہر نکلی، اس نے وہی صبح والی چادر بالکل صبح والے انداز میں اوڑھ رکھی تھی۔ صرف آنکھیں عیاں تھیں۔ میرے ذہن میں جھماکا ہوا۔ یہ وہ آنکھیں نہیں تھیں جو کھانا لیتے وقت میں نے دیکھی تھیں۔

"صاحب! وہ سو رہا ہے، تم جاؤ یہاں سے۔" اس نے تیزی سے کہا اور پلٹ گئی۔

"بات سنیں! یہ میں احمد کے لیے لایا تھا۔" میں نے شاپر اس کی طرف بڑھایا۔

"چاول ہیں!" اس کی سوالیہ نظروں کے جواب میں، میں نے کہا۔

"لیکن ہم لوگ نے کھا لیا ہے صاحب، تم یہ لے جاؤ اور جس کو ضرورت ہو اس کو دو۔" وہ عجیب سے لہجے میں کہہ کر جلدی سے اندر چلی گئی۔

"میری بات تو سنیں! یہ لیں۔" ابھی میری بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ عورت دوبارہ پلٹی۔

"تم کیوں اپنی اور میری جان کے دشمن ہو رہے ہو، جاؤ یہاں سے، میرا گھر والا اٹھ گیا تو تمہیں جان سے مار دے گا۔ جاؤ!" وہ بڑے ہی جارحانہ انداز میں کہہ کر اندر غائب ہو گئی اور میں کچھ اور الجھ گیا۔

❁ ❁ ❁

رات کا پرہول سناٹا چار سو اپنے پنجے گاڑ چکا تھا۔ تیرھویں شب کا چاند آسمان کی وسعتوں میں ڈولتا محو سفر تھا۔ میں خیمہ بستی کے تقریباً اختتام پر خاور کے ساتھ بیٹھا شبنم کی نمی اپنے چہرے پر محسوس کر رہا تھا۔

"قیامت کی گھڑی ہے اور ہم اپنے مفادات کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ کوئی کسی کے بارے میں نہیں سوچتا۔ کسی کو کسی کی پروا نہیں ہے۔ ہماری بلا سے سب جہنم میں جائیں۔" خاور کی آواز سناٹے کی چادر چیرتی ہوئی رات کے دامن میں گونجی۔ میں مبہم مسکرا دیا۔ وہ خاصا برہم تھا۔

"کمال ہے تمہیں ہنسی آ رہی ہے میری بات پر۔" وہ چڑ گیا۔

"خاور......" میں نے اپنا دایاں بازو اس کے شانوں پر دراز کیا۔

"مجھے دو سوالوں کے جواب دو۔" وہ مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"کیا تم رزق بانٹنے پر قادر ہو؟" وہ مجھے یوں دیکھنے لگا جیسے میں نے کوئی احمقانہ سوال کیا ہے۔

"میری بات کا جواب دو۔" میں نے اپنی بات پر زور دیا۔

"ظاہری بات ہے نہیں! میں کیا میری ذات کیا۔" اس نے کہا، میں پھر مسکرایا۔

"اب یہ بتاؤ کیا تم نے سیلاب متاثرین کی کسی طرح کی حق تلفی کی ہے۔" میں نے "تم نے" پر زور دیا۔ وہ مجھے الجھ کر دیکھنے لگا۔

"میں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ خلوص کے جتنے سکے میرے کاسہ قلب میں تھے سب اپنے ہم وطنوں کے پھیلے دامن میں ڈال دوں۔" شدت جذبات سے اس کی آواز بوجھل ہو گئی۔

"تب ساری منفی سوچوں کی گرد اپنے ذہن سے جھاڑ دو۔" میں نے نرمی سے اس کا کاندھا تھپتھپایا۔ وہ مجھے یوں دیکھنے لگا جیسے مجھ سے پہلے اور دوسرے سوال کا تعلق پوچھ رہا ہو۔

"دیکھو...... بانٹنے والی ذات اللہ کی ہے وہ جس کو چاہے [illegible] اور جسے چاہے [illegible] معاملات میں [illegible] اندازی نہیں کر سکتے اور جو اس سے لینے والے ہیں یہ بھی ان پر منحصر ہے کہ وہ جیسے چاہے لیں۔ ہمیں تو اپنی نیتوں کا حساب دینا ہے۔ ہم کو اپنے نامہ اعمال کی پاکیزگی درکار ہے۔ اگر کوئی یہاں سے آ کر سیلاب متاثرین کے "نوالوں" میں سے چند "نوالے" لے جاتا ہے تو ہم اسے روکنے والے کون ہوتے ہیں۔ یہ رزق و نعمت ہماری ملکیت نہیں اور جس کی ہے اس سے بڑی نوازنے والی کوئی ذات نہیں۔ بس اپنے ضمیر کی عدالت میں سرخرو ہونے کی بات ہے۔ آج اگر وہ کسی کی حق تلفی کرتے ہیں تو یہ ان کا اور ان کے پروردگار کا معاملہ ہے۔ ہم صرف اپنے عمل کے لیے جواب دہ ہیں۔ کسی نے کیا کہا؟ اور کیوں کہا؟ اس کا ہمیں جواب ......" معاً کسی کے چیخنے کی آواز آئی۔

"آ...... آ...... وہ بچاؤ، بچاؤ...... وہ مجھے......"

میں اور خاور چونک اٹھے۔ عادل بھاگتا ہوا ہم تک پہنچا۔ ہم لوگ خیمہ بستی کے آخری سرے پر بیٹھے تھے جس سے پچھلی کچی بستی قریب تھی اور عادل اسی سمت سے ہی آ رہا تھا۔ اس کی قمیص پسینے سے شرابور تھی وہ شاید کافی دور سے بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔ ہم دونوں کھڑے ہو گئے۔ میں نے خاور سے پانی لانے کو کہا اور عادل کو اسی پتھر پر بٹھا دیا جس پر ابھی کچھ دیر قبل ہم دونوں بیٹھے تھے۔

خاور نے اسے پانی پلایا تو اس کا تنفس بحال ہوا۔ میں نے چند لمحے خاور کو کچھ نہ پوچھنے کا اشارہ کیا۔ پانی پی کر اب گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ میں نے اس کی پیٹھ سہلائی کچھ دیر بعد وہ بولنے کے قابل ہوا۔

"وہاں پچھلی طرف جو کچی سڑک ہے وہاں کچھ [illegible] چاقو لیے گھوم [illegible] راہ [illegible] آتا [illegible] لوٹ لیتے ہیں [illegible] مجھے یہ......" اس نے کہتے ہوئے اپنا بازو آگے کیا۔ جس پر کٹ لگا تھا۔ تقریباً تین انچ آستین پھٹ کر چاقو بنا کسی رکاوٹ کے بازو میں لگا تھا۔ جس سے اب خون رس رہا تھا۔ میں نے زخم کا معائنہ کیا۔ کٹ معمولی تھا۔

"تمہیں وہاں جانے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ بھی اتنی رات کو۔" میرے لہجے میں تھوڑی برہمی در آئی۔

"میں چہل قدمی کی غرض سے پچھلی سڑک تک گیا۔ وہاں ایک خاتون بہت سارا سامان لیے کنارے کھڑے ہانپ رہی تھی۔ میں ان کا سامان ان کے گھر پہنچانے کے لیے کچی بستی تک گیا تھا۔ سامان گھر پہنچا کر واپس پلٹا تو ان لوگوں نے مجھے پکڑ

لیا۔ وہ چار، پانچ تھے اور ان کے ہاتھ میں بڑے بڑے چاقو تھے۔"
اس کی آنکھیں ہراس سے پھیل گئی تھیں۔
"انہوں نے مجھ سے میرا موبائل فون مانگا۔ میں نے کہا میرے پاس نہیں ہے تو انہوں نے مجھے تھپڑ مارا اور میری تلاشی لینے لگے۔ میرے پاس پیسے بھی تھوڑے تھے وہ بگڑ گئے۔ وہ لوگ شاید نشے میں بھی تھے۔ مجھے کہا بھاگو! میں نے خوف زدہ ہو کر انہیں دیکھا تو اور زور سے گرجے اور چاقو لہرائے کہ بھاگو ورنہ سینے میں اُتار دیں گے۔ میں بھاگنے لگا تو میرے پیچھے دوڑنے لگے اور چاقو سے وار کرنے لگے۔ مجھے یہاں تک چھوڑ گئے ہیں۔ اسی بھاگنے میں یہ کٹ بھی لگ گیا۔" میری اور خاور کی نظریں اس کے چہرے پر چپکتے خوف و دہشت پر تھیں۔
"اور...... اور پتا ہے حماد بھائی...... وہ لوگ یہیں [illegible] کیمپ میں [illegible]" وہ [illegible] دے کر بولا۔ تو میں اور خاور دونوں ایک دوسرے کو ٹھٹک کر دیکھنے لگے۔
"یہاں......؟" میں نے اچنبھے سے عادل کو دیکھا۔
"ہاں...... یہیں۔ میں نے کئی بار ان لوگوں کو دیکھا ہے، کھانا لیتے وقت یہاں پھرتے ہوئے۔"
وہ کچھ زیادہ ہی خوف زدہ تھا۔
"عادل بکواس نہ کرو اتنے خطرناک لوگوں کا کیمپ میں کیا کام ہے، تمہیں وہم ہو گیا ہے۔ چلو خیمہ میں، میں تمہاری ڈریسنگ کر دوں۔" میں نے اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کی۔
"نہیں حماد بھائی! میں نے ان لوگوں کو بارہا دیکھا ہے مجھے وہم نہیں ہو رہا۔ وہ یہیں رہتے ہیں۔"

اس کے لہجے نے ضد کا چولا پہنا اور میں نے ہتھیار پھینک کر اس کی بات مان لی۔
"اچھا چلو، ٹھیک ہے۔ اب جب تمہیں وہ لوگ نظر آئیں تو مجھے بتانا۔ اب چلو رات کافی ہو چکی ہے۔"
میں نے اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کر دیا اور خاور کی طرف دیکھا وہ پوری گفتگو کے دوران ایک لفظ نہیں بولا تھا اس کا چہرہ گہری سوچ کا غماز تھا۔

❁ ........ ❁ ........ ❁

"گڑیا! تم نے احمد بلال کو دیکھا ہے؟" میں نے مٹی میں کھیلتی ایک بچی سے پوچھا۔ کل دوپہر کے بعد سے مجھے احمد بلال دکھائی نہیں دیا۔ اب دوسرے دن شام ہونے کو آئی تھی۔
"اس کی طبیعت خراب ہے، کھیلنے نہیں آ رہا۔" وہ معصومیت سے کہہ کر پھر کھیل میں مصروف ہوئی۔
میں احمد کے خیمہ کی طرف چلنے لگا۔
"خاموش ہو جا [illegible] گرجدار [illegible] کی لڑکی [illegible] واپس [illegible] غائب ہوئی تو تیری اور تیرے بچے دونوں کی جان لے لوں گا۔ سمجھا دینا اس کو بھی۔"
کسی مرد کی بھاری اور خوف ناک آواز میرے کانوں میں پڑی میں ابھی احمد بلال کے خیمہ کے باہر کھڑا تذبذب کا شکار تھا کہ احمد سے کیسے ملوں۔ اس کو باہر بلانا ٹھیک نہیں کہ وہ بیمار ہے اور خود بھی منہ اُٹھا کر اندر نہیں جا سکتا۔ میں بھی کشمکش میں تھا کہ ان آوازوں پر چونک اُٹھا۔ اچانک خیمہ کا پردہ اُٹھا کر کوئی باہر نکلا۔ میں نے تیزی سے اپنا رُخ تبدیل کیا جو بالکل احمد بلال کے خیمہ کی طرف تھا اور کن انکھیوں سے نمودار ہونے والے کا جائزہ لیا۔ غالباً وہ احمد بلال کا باپ تھا۔



بکھرے بال جو پسینے کی نمی سے پیشانی پر چپک گئے تھے۔ سانولا رنگ، میلی دھوتی اور نیلے رنگ کی قمیص میں ملبوس جس کے سامنے کے بٹن کھلے ہونے کی وجہ سے گردن میں پڑی سونے کی چین جھانک رہی تھی۔ مجھے وہ آدمی کچھ عجیب اور کچھ مشکوک بھی لگا۔ وہ چند لمحے کھڑا انگڑائیاں اور جمائیاں لیتا رہا جیسے بہت لمبی اور بھرپور نیند لے کر اُٹھا ہو۔ چند لمحے بعد وہ ایک سمت کو چل دیا۔
"احمد بلال!" اس کے جانے کے بعد میں نے احمد بلال کو آواز دی۔
"صاحب اس کی طبیعت خراب ہے وہ باہر نہیں آ سکتا۔" وہ ہی عورت ٹھیک اسی حلیے میں چلی آئی۔ البتہ اب کے اس کا لہجہ کچھ عاجزانہ تھا۔
"کیا ہوا اسے؟" میں نے جانتے ہوئے بھی سوال کیا۔
"کل یہاں بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے گر گیا تھا۔ سر پھٹ گیا اس کا۔ بہت رو رہا تھا [illegible] بخار ہو گیا ہے۔" وہ تفصیلاً مگر جلدی جلدی بتا رہی تھی۔
"دوا وغیرہ......؟" ابھی میری آدھی بات منہ میں ہی تھی۔
"جی...... جی، سب لے لی تھی۔ کل ہی ڈاکٹر جی نے دے دی تھی۔" وہ واقعی گھبرائی ہوئی تھی یا مجھے لگ رہی تھی۔ کچھ تو تھا جو میری چھٹی حس بار بار مجھے کلک کر رہی تھی۔
"میں اسے ایک نظر دیکھ لوں۔" میں نے اس اُلجھی ریشم کو سلجھانے کا فیصلہ کر لیا۔
"دیکھ لیں...... ایک منٹ۔" وہ مجھے کہہ کر اندر چلی گئی۔ "آ جائیں......" چند لمحوں بعد مجھے بلا لیا۔
میں اندر چلا آیا۔ خیمے کا حال تقریباً باقی سارے خیموں جیسا ہی تھا۔ کچھ سامان بندھا ہوا ایک طرف پڑا تھا۔ ایک چارپائی اور کچھ برتن بھی ایک طرف رکھے تھے۔ احمد بلال چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔ عالم غنودگی میں تھا۔ کبھی کبھار آنکھیں کھول کے مجھے دیکھ لیتا تھا، میں نے اس کی پیشانی پر اپنے ہاتھ کی پشت رکھی۔ حرارت تھی پیشانی کے کنارے پر چھوٹی سی بینڈیج کی ہوئی تھی میں جانے کو پلٹا تو میری نگاہ بندھے سامان کے ساتھ رکھی ایک گٹھری پر پڑی۔ میں ایک لمحے کو ٹھٹک گیا۔ وہ گٹھری نہیں تھی۔ کوئی کالی چادر میں اپنے زانو کو بازوؤں میں بھینچے، گھٹنوں پر سر رکھے یوں بیٹھا تھا کہ پہلی سرسری نظر میں بندھے سامان کے ساتھ وہ بھی گٹھری معلوم ہوتی تھی۔ میں رُکنے پر احمد بلال کی ماں (غالباً وہی اس کی ماں تھی) میری نظروں کا مرکز تلاش کرنے لگی۔
"یہ میری بہن ہے۔" اپنی تلاش کے اختتام پر اس نے کہا۔
میں چند لمحے اسے دیکھتا رہا کہ شاید وہ سر اٹھا [illegible] لیکن اس نے سر نہیں اُٹھایا۔ مجھے مجبوراً لوٹنا پڑا حالانکہ تجسس مجھے اُکسا رہا تھا کہ میں چند لمحے اور رُک جاؤں۔
باقی سارا وقت میرا بڑا گم صم گزرا۔ میں عجیب اُدھیڑ بن میں تھا۔ احمد بلال کے گھر والوں کی بہت سی باتیں مجھے اُکسا رہی تھیں۔ ان دونوں خواتین (ایک احمد کی ماں اور دوسری بقول اس کے اس کی بہن) کا رویہ بہت عجیب تھا اور احمد بلال کے باپ کی باتیں مجھے اور پریشان کر رہی تھیں۔
وہ کس کے غائب ہونے کی بات کر رہا تھا اور کسی کے غائب ہونے سے وہ اپنی بیوی کی جان کیوں لے گا؟ کیا وہ اس لڑکی کے غائب ہونے کی بات کر رہا تھا جسے احمد بلال کی ماں اپنی بہن کہہ رہی تھی؟ اگر وہ واقعی اس کی بہن ہے تو غائب کیوں ہونے

گی۔ وہ تو ان لوگوں کے ساتھ ہی رہے گی۔ تو پھر وہ کس کے بھاگنے کا ذکر کر رہا تھا؟ میں سوچ سوچ کر تھک گیا مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں آیا۔

"حماد بھائی! حماد بھائی......" میں نے پلٹ کر دیکھا عادل بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔ پھولی پھولی سانسوں کے درمیان مجھے پکارتا۔ دن کا دوسرا پہر شروع ہو چکا تھا اور میں خیمہ بستی سے باہر کچے علاقے میں کھڑا تھا۔ سورج آگ برساتا میرے سر پر چمک رہا تھا۔ عادل مجھ تک پہنچتے پہنچتے پسینے میں نہا گیا۔ میرے قریب آ کے وہ رُکنے کے بجائے میرا بازو تھام کر مجھے واپس اپنے ساتھ گھسیٹنے لگا۔

"کیا ہوا؟ ہوا کے گھوڑے پر کیوں سوار ہو؟" میں نے اس کے ساتھ تقریباً بھاگتے ہوئے پوچھا۔

"وہ...... وہ یہیں ہیں، میں نے ابھی...... دیکھا اس کو۔" وہ ہانپتے ہوئے بولا۔

"کون......؟" میں نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"آپ چلیے تو میرے ساتھ......" اس نے گویا مزید کچھ بتانے سے انکار کر دیا۔

تب تک ہم عادل کی مطلوبہ جگہ پر پہنچ گئے تھے۔ کھانا ملنے کا وقت تھا اور لوگ اپنی تھالیاں لیے لائن میں کھڑے تھے۔ ایک طرف پانی کی بوتلیں تقسیم کی جا رہی تھیں۔ عادل نے چند لمحے متلاشی نگاہیں دوڑائیں۔ پھر مجھے جھنجوڑ کر ایک طرف اشارہ کیا۔

"وہ دیکھیے، اس رات یہ ان آدمیوں میں تھا جو مجھے بھگا رہے تھے اور میرے بازو پر چھری بھی اس کی ہی لگی تھی۔"

"ارے! یہ......" میں نے اسے دیکھا تو میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ عادل نے چونک کر مجھے دیکھا۔

"کیا......؟" وہ متجسس ہوا۔

"یہ احمد بلال کا باپ ہے۔" اب کہ عادل نے بے یقینی سے احمد بلال کے باپ کو دیکھا۔

"کچھ کرنا پڑے گا اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے۔ ہم بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تو ہمارے یہاں آنے کا کیا فائدہ۔ تمہیں پتا ہے کل نسیم کچھ اشیاء خورد و نوش اور نقد رقم لے کے خیمہ بستی آ رہا تھا۔ راستے میں ہی اس سے کچھ لوگوں نے سامان چھین لیا ساتھ نسیم کے اپنے پیسے بھی ہتھیا لیے۔ مجھے لگتا ہے ہمیں پولیس سے مدد لے لینی چاہیے۔" خاور بے چینی سے اِدھر اُدھر چکراتے ہوئے تیز تیز بولتا جا رہا تھا۔

"اور پولیس کیا کرے گی؟ تمہیں لگتا ہے کہ یہ کام صرف احمد بلال کے باپ کا ہے اور ہم اسے گرفتار کروا دیں گے تو مسئلہ ختم ہو جائے گا۔"

"تو پھر کیا تماشا دیکھتے رہیں ہم بھی؟"

"نہیں! ہمیں اپنے [illegible] معاملے کی تہہ تک پہنچنا ہوگا تب ہی ہم کوئی [illegible] قدم اٹھا سکتے ہیں۔ بغیر کسی ثبوت کے تو پولیس بھی کوئی اقدام نہیں کرے گی اور ذرا سوچو چند لوگوں کی وجہ سے پوری بستی کو پریشان ہونا پڑے گا۔ لوگ الگ خوف زدہ ہو جائیں گے۔ پہلے ہی وہ صدمے سے دوچار ہیں مزید ہراساں ہوں گے۔"

"اب چلو! سامان لوڈ بھی کرنا ہے اور زیادہ آب علاقوں میں بھی پہنچانا ہے۔" میں نے کہتے ہوئے باہر کی طرف قدم بڑھائے تو خاور سر ہلاتے ہوئے پیچھے ہو گیا۔

❁......❁......❁

"اب کیسی طبیعت ہے بابا!" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔



"کرم ہے مولا کا بابو۔ وہ جس حال میں رکھے۔" نحیف و نزار وجود کا ضعیف آدمی اپنا آپ ہشاش بشاش ظاہر کرتے ہوئے بولا۔

"پیٹ کا درد پریشان تو نہیں کرتا؟ پانی زیادہ پیا کریں اچھا ہے آپ کے لیے۔ ڈاکٹر سے چیک اپ کرواتے رہیے گا۔ اللہ بہتر کرے گا۔" میں ان کے سرہانے تک گیا۔

"بس بیٹا، اس سے ہی امیدیں ہیں۔ وہ خیر دینے والا ہے، اس نے آزمائش میں ڈالا ہے تو نکالنے والا بھی وہی ہے۔" ان کا نم لہجہ مجھے بھی آبدیدہ کر گیا۔

وہ بوڑھا شخص جو اپنے دو بیٹوں کے ساتھ یہیں خیمہ بستی میں رہائش پذیر تھا۔ اپنے زیرِ آب آ جانے والے گاؤں میں دو ایکڑ زمین کا مالک تھا۔ جس میں اس کے بیٹے ہی فصل کاشت کیا کرتے تھے۔ تیار فصل سیلاب کی نذر ہو گئی [illegible] ہجرت کرنا [illegible] یہاں [illegible] پہنچے تھے۔ اپنے ان دنوں کو یاد کرتا وہ بوڑھا اکثر غمگین ہو جاتا تھا۔

میں نے کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے معاً میرا سیل فون بجنے لگا، میں معذرت کرتا فون کان سے لگاتا اس کے خیمے سے باہر آیا۔

"وعلیکم السلام! کیسے ہو یار؟" میرا موڈ یک دم خوش گوار ہو گیا۔ صارم کی کال تھی۔ میرا پھوپی زاد اور خاور کا جڑواں بھائی جسے میری اور خاور کی طرح شہر آ کے پڑھنے کا کوئی شوق نہیں تھا سو وہ دسویں کے بعد سے زمین داری سنبھالنے لگا تھا۔

"مجھے کیا ہونا ہے؟ ایک دم فٹ فاٹ ہوں۔ تو سنا طبیعت کیسی ہے؟ سنا ہے آج کل تو 007 بن گیا ہے۔" اس کا شوخ لہجہ میری سماعتوں میں گونجا۔

"تجھ سے خاور نے بکواس کی ہوگی۔" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"بات کو گھما مت، صحیح صحیح بتا کیا سوچا ہوا ہے تو نے؟ دیکھو میرے بھائی کسی سے اُلجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو نے جو کچھ دیکھا، سنا سب پولیس کو بتا دے پھر وہ جانیں اور ان کا کام۔ ایسے لوگ خطرناک ہوتے ہیں۔ تجھے نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں اور پھر لوٹ مار یہ سب تو سارے ملک میں چل رہا ہے۔ وہاں خیمہ بستی میں کچھ نیا نہیں ہو رہا۔ تو کہے تو میں عامر بھائی سے بات کروں؟" اس نے اپنے دوست کے بھائی کا نام لیا جو مقامی تھانے میں انسپکٹر تعینات تھا۔

"بات صرف لوٹ مار کی ہوتی تو آرام سے نمٹا جا سکتا تھا۔ تجھے خاور نے احمد بلال کے گھرانے کے بارے میں نہیں بتایا؟" میں نے گھرانے پر زور دیا۔

"او یار! تو بھی نا...... ہوگی کوئی لڑکی۔ ان کا آپس کا کوئی معاملہ ہوگا۔ تجھے [illegible] کی کیا پڑی ہے؟" وہ جھنجلایا۔

"صارم! میری بات سن کوئی یونہی کسی کو جان لینے کی دھمکی نہیں دیتا۔ بات کی تہہ تک تو میں جا کے رہوں گا۔ اگر ضرورت پڑی تو عامر سے بھی بات کرنی پڑے گی۔ خیر تو سنا گاؤں میں سب ٹھیک ہے؟ ابا کیسی ہیں؟" میں نے بات کا رُخ بدل دیا۔

"بوا ٹھیک ہیں، گاؤں میں بھی سب خیریت ہے۔ بے جی تجھے اپنا خیال رکھنے کو کہہ رہی ہیں۔ اب کب گاؤں آئے گا تو؟"

"جب فرصت ملے گی۔" میری پیشانی پر شکن پڑی۔

"کمال ہے یار! جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ تو کب تک گھر سے بھاگے گا۔ اب اس تماشے کا کیا

فائدہ؟" اس نے مجھے جھاڑ پلائی۔
"صارم! میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔" میں نے جھنجلاتے ہوئے انداز میں کہا۔
"تجھے پریشان ہونا بھی چاہیے میرے بھائی۔ اس کا ابھی تک کچھ پتا نہیں چلا ہے۔" صارم کا لہجہ پر تفکر تھا۔
"اپنی بہن کے ہی گھر گئی ہے نا۔" میں نے بے زار لہجے میں کہا۔
"حماد تو بات کو اتنا ہلکا مت لے۔ ان کا حویلی سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ ان کے بہنوئی نے جو فون نمبرز دیے تھے سب کے سب بند ہیں۔ لاہور والا ایڈریس بھی غلط ہے......"
"مجھے ان کی فکر ہو رہی ہے۔"
"اچھا ہے، میری ہی جان کا عذاب بن گئی تھی۔" میں نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا۔ صارم ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔ مجھے بھی اپنے الفاظ کی سنگینی کا احساس ہوا۔
"میرا مطلب ہے کہ......" آف...
ابھی میں اپنی صفائی میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ میری پشت سے کوئی وجود ٹکرایا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ احمد بلال کی ماں اپنے مخصوص حلیے میں کھڑی حواس مجتمع کر رہی تھی۔ وہ غالباً تیزی سے جا رہی تھی اور اندھیرے کے باعث مجھ سے ٹکرا گئی۔ رات کا پہلا پہر تھا، مجھے تشویش ہوئی۔
"آپ ٹھیک تو ہیں، اتنی جلدی میں کہاں جا رہی ہیں؟" میں نے اس کی حالت کے پیش نظر پوچھا۔
"احمد کو بہت تیز بخار ہے۔ وہ بے ہوش ہو گیا ہے۔ میں ڈاکٹر کو بلانے جا رہی تھی۔" رندھی ہوئی آواز نقاب سے برآمد ہوئی۔
"میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔" میں نے صارم سے کہہ کر لائن کاٹ دی۔
"آپ واپس جائیے، میں ڈاکٹر کو لے کر آتا ہوں۔ بلکہ میں کال کر دیتا ہوں وہ آ جائے گا، چلیے۔" میں کال ملاتے ہوئے اس کے ساتھ چل پڑا۔
ڈاکٹر ندیم کو کال ملا کر احمد کے خیمہ کا راستہ سمجھا کے میں نے کال ڈسکنیکٹ کی اور خیمہ میں داخل ہو گیا۔
سب کچھ اس روز جیسا ہی تھا۔ پر وہ آج احمد بلال کے سرہانے چار پائی پر بیٹھی تھی۔ منہ ہنوز ڈھانپا ہوا تھا بس آنکھیں عیاں تھیں۔ جو رونے کے باعث سرخ اور متورم تھیں، میں نے احمد کی نبض ٹٹولی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر حرارت دیکھی تب تک ڈاکٹر ندیم اپنا فرسٹ ایڈ باکس اٹھائے چلا آیا۔
"ان شاء اللہ احمد صبح بالکل فریش اور ٹھیک اٹھے گا۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" ندیم نے چیک اپ کرنے کے بعد [illegible] لگتے ہوئے کہا۔ پھر دوا اس کو دے کر اور ان کا وقت سمجھایا اور چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے بھی جانے کا قصد کیا۔
"صاحب! تمہارا بہت شکریہ۔" احمد کی ماں پر تشکر لہجے میں بولی۔
"ارے نہیں آپ مجھے شرمندہ نہ کریں۔ احمد کا خیال رکھیے گا۔" میں نے ٹھہر کر مسکراتے ہوئے کہا۔
"احمد کے ابو کہیں گئے ہیں کیا؟" میں نے لہجے کو سرسری رکھتے ہوئے پوچھا لیکن میرے سوال سے وہاں موجود دو نفوس کو جیسے کرنٹ لگا۔ وہ جو احمد کے سرہانے بیٹھی چپ چاپ اسے تک رہی تھی۔ اب چونک کر مجھے دیکھ رہی تھی۔
"وہ تو جی گئے ہیں کام پر...... کام پر گئے ہیں۔
ان کی رات کی نوکری لگ گئی ہے یہاں۔" وہ واقعی بوکھلائی تھی یا مجھے محسوس ہوا بہرحال یہ تو سمجھ آ گیا کہ اس کی کون سی نوکری لگی ہے۔
"اوہ! اچھا......" میں ایک نگاہ دونوں پر ڈالتا ہوا باہر نکل آیا۔
"احمد بلال کے باپ کا نام رفیق تھا اور رجسٹریشن آفس میں اس کے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی نہیں ہے۔ اس کا کہنا ہے سیلاب کی وجہ سے اس کا شناختی کارڈ کھو گیا۔ لہٰذا اس کا ایڈریس وغیرہ بھی صحیح سے درج نہیں ہے، نہ ان کے سچا ہونے کا کوئی ثبوت ہے۔"
عادل سیلاب متاثرین کے رجسٹریشن آفس سے معلومات لے کر آیا تھا۔
"ہنہ......" میں نے ہنکار بھرا۔ میرا سیل فون بجنے لگا۔ اسکرین پر "خاور" کالنگ جگمگا رہا تھا۔
"ہوں!" میں نے سیل آن کر کے کان سے لگایا۔
"بابا سائیں یہاں آ [illegible] گئے ہیں [illegible] گھر بلایا ہے۔ جلدی پہنچو۔" وہ خاصی عجلت میں تھا۔
"آ رہا ہوں۔" میں نے فون آف کر کے عادل کو دیکھا۔ وہ میری طرف ہی متوجہ تھا۔
"میں گھر جا رہا ہوں۔ تم چلو گے یا تھوڑی دیر میں آؤ گے؟" میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
"ابھی یاسر واپس جائے گا تو میں اس کے ساتھ آ جاؤں گا۔" عادل نے پڑوس کے فلیٹ میں رہنے والے لڑکے کا نام لیا۔ جو ہماری ہی طرح دن کا بیشتر حصہ خیمہ بستی میں گزارتا تھا۔ میں اثبات میں سر ہلاتا جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

❁......❁......❁

یونیورسٹی میں میرا آخری سمسٹر چل رہا تھا۔ جب مجھے گاؤں سے عجلت میں بلاوا آیا تھا۔ آخری کے دو پیپرز سے پہلے میں گاؤں پہنچا تو وہاں مصیبت میری منتظر تھی۔ میرے بابا سائیں پنچایت کے اہم رکن تھے، گاؤں کا کوئی بھی فیصلہ ان کی منشاء کے مطابق ہی طے پاتا تھا۔ قصہ کچھ یوں ہوا کہ ہماری حویلی میں ہم نے جب سے ہوش سنبھالا ہے بوا جی کو دیکھا۔ تھی تو بڑی چاک و چوبند خاتون۔ بابا سائیں بتاتے ہیں کہ ان کی دور پار کی پھوپی ہیں۔ حویلی کے اہم اور اندرونی امور کا سارا اختیار بوا جی کے پاس تھا۔ ان کی نواسی کا مسئلہ زیر بحث تھا۔ ان کی نادیہ نامی نواسی کا بہنوئی اس کا بیاہ اس سے دگنی عمر کے مرد سے کرنا چاہ رہا تھا۔ بقول نادیہ کی بہن کے وہ اس نکاح کے بدلے پیسے وصول کر رہا ہے۔ اسی وجہ سے نادیہ کی بہن اسے ہماری بوا جی کے پاس چھوڑ گئی تھی۔ بابا سائیں نے اس مسئلے کا حل یہ نکالا کہ میرا نکاح اس سے کروا دیا جائے۔ کیونکہ بغیر کسی مضبوط جواز کے نادیہ کو زیادہ عرصے تک گھر نہیں رکھا جا سکتا۔ اس کا بہنوئی کسی بھی وقت زبردستی نادیہ کو لے جا سکتا ہے، سو انہوں نے مجھے قربان کرنے کا فیصلہ سنا دیا۔ اس خبر نے میرے دماغ کو ماؤف کر دیا۔ میں جلد سے جلد وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔ میں انکار نہیں کرنا چاہتا تھا مگر پیپرز کی ٹینشن اور زبردستی کے فیصلے اور غصے نے میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت خبط کر لی اور میں اپنی فطرت کے خلاف نہایت جارحانہ انداز میں بابا سائیں کی حکم عدولی کا مرتکب ہو کر شام تک واپس شہر آ گیا۔ یہ اور بات ہے کہ اس وقت سے اب تک پچھتاووں میں گھرا ہوا تھا اور جب سے مجھے نادیہ کے واپس اپنی بہن کے گھر چلے جانے کا علم ہوا تھا ملال اور بڑھ گیا تھا۔
"تمہارے جانے کے بعد نادیہ واپس اپنی بہن

کے گھر جانا چاہ رہی تھی۔ ہم نے اسے بہت سمجھایا مگر وہ بضد تھی اس نے اپنے بہنوئی کو فون کر دیا اور وہ اسے لینے آ گیا۔ ہمارے پاس نادیہ کو زبردستی روکنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اس وقت اس کا بہنوئی بھی بڑی اچھی طرح پیش آیا۔ ہمیں قسمیں کھا کر یقین دلا رہا تھا کہ کچھ غلط نہیں کرے گا۔ اپنے گھر کا پتہ اور فون نمبرز بھی دے کر گیا تھا۔ ہم اس لیے بھی مطمئن تھے کہ تم اور خاور بھی وہیں ہو کچھ گڑبڑ ہوئی تو فاطمہ (نادیہ کی بہن) تم سے مدد لے سکتی ہے۔ بعد میں جب ہم نے نادیہ سے رابطہ کرنا چاہا تو پتہ چلا کہ وہ لوگ گھر چھوڑ گئے ہیں۔ فون نمبرز تو پہلے ہی ٹرائی کیے تھے سارے بند تھے۔''

بوا جی نے مجھے یہ سب بتایا تو میرے پاس سے لفظ کھو گئے۔ میں کچھ کہہ نہیں پایا ان سے۔ نادیہ سے میرا سامنا ایک مرتبہ ہوا تھا۔ جب میں شہر سے گاؤں پہنچا تو وہ برآمدے میں بیٹھی بوا جی [illegible] میں [illegible] ایک سرسری نگاہ اس پر ڈال کر [illegible] نے بوا جی کے سامنے سر جھکایا اور وہ بیل کی بوتل اور کنگھا اٹھا کر کمرے میں چلی گئی۔ اس کے بعد سے میں نے اسے نہیں دیکھا۔ نہ مجھے دیکھنے کی خواہش تھی۔

میں گھر پہنچا تو بابا سائیں لاؤنج میں صوفے پر بیٹھے گہری سوچ میں مستغرق تھے اور وہیں ایک سوٹ کیس بھی پڑا تھا۔

''السلام علیکم! بابا سائیں، خیریت؟'' میں نے سلام کرتے ہوئے سوٹ کیس کی طرف اشارہ کیا۔

''تمہیں معلوم ہے نادیہ کا کچھ اتا پتا نہیں ہے؟'' بابا سائیں کے انداز میں مجھے ملامت محسوس ہوئی۔

''جی.....!'' میں نے سر جھکا دیا۔

''وہ لوگ اسی شہر میں رہتے ہیں۔ اس نے مجھے تین فون نمبرز دیے تھے، سب کے سب بند ہیں۔ گھر کا ایڈریس بھی غلط ہے۔ خدا معلوم وہ بچی کہاں ہے؟ میں اپنے مولا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔'' بابا سائیں کا پُرملال لہجہ مجھے شرمسار کر گیا۔

''میں نادیہ کو ڈھونڈنے آیا ہوں اور کچھ دن یہیں رکوں گا۔'' میں نے چونک کر سر اٹھایا۔

''اور وہاں گاؤں کے معاملات؟'' بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

''تو کیا کروں اس بچی کو چھوڑ دوں۔ نجانے کس مصیبت میں گھری ہوگی۔'' میں چپ رہ گیا۔

''بابا سائیں! میں دیکھ لیتا۔ آپ نے زحمت کیوں کی؟'' میرے کہنے پر بابا سائیں نے مجھے جن نظروں سے دیکھا۔ میں نظریں چرا گیا۔ بابا سائیں کو واپس گاؤں جانے پر رضامند کرنے کے لیے مجھے نادیہ کو تلاش کرنے کی قسمیں کھانا پڑیں۔

''شیراز کالنگ!''

[illegible] ذہن میں [illegible] نے مجھے [illegible] مجبور کر دیا۔ ابھی بابا سائیں کو رخصت کرنے کے بعد میں لاؤنج کے صوفے پر ڈھیر ہوا ہی تھا کہ میرا سیل فون بجنے لگا۔ اسکرین دیکھتے ہوئے میں نے فون آن کر کے کان سے لگایا۔

''حماد بھائی!'' شیراز کے سیل فون پر عادل کی آواز مجھے چونکا گئی۔

''خیریت.....؟'' مجھے تشویش ہوئی۔

''فوراً خیمہ بستی پہنچیں، مجھے یہاں گڑبڑ لگ رہی ہے۔'' میں پریشان ہوا تھا۔

''کیا ہوا؟ مجھے فکر ہو رہی ہے جلدی بتاؤ۔'' میں داخلی اور خارجی دروازے کی جانب بڑھا۔

''حماد یار! یہ.....'' خاور نے اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے مجھے آواز دی۔ پھر مجھے بات کرتا دیکھ کر رُک گیا۔

''پہلے احمد بلال کے خیمے سے چیخنے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں یہاں آیا تو رفیق بے چینی سے خیمہ کے اندر باہر چکر لگا رہا تھا۔ آپ آ جائیے مجھے اس کے ارادے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے۔''

عادل، رفیق سے کچھ زیادہ ہی خوف زدہ تھا۔

''میں آ رہا ہوں۔ تم اس کے خیمہ پر نظر رکھنا۔'' میں نے کہتے ہوئے فون بند کر کے جینز کی پاکٹ میں ٹھونسا اور کار کی چابی کارنس سے اٹھائی۔

''سب ٹھیک تو ہے نا؟'' خاور نے مجھے عجلت میں باہر نکلتے دیکھ کر پیچھے سے پکارا۔

''نہیں! میں خیمہ بستی جا رہا ہوں۔'' میں نے رُک کر کہا۔

''میں بھی چلتا ہوں، ایک منٹ۔'' وہ کہتا ہوا اپنے روم میں گھس گیا اور چند لمحوں بعد ہم خیمہ بستی کی طرف گامزن تھے۔

''کیا خیال ہے عامر بھائی کو کال کر لی جائے؟'' خاور کی آواز نے کار میں چھائی گمبھیر خاموشی توڑی۔

''ہاں، کر لو، پتا نہیں، اب یہ رفیق کیا کرنے والا ہے؟'' میں نے کہا۔ چونکہ عامر کو میں نے پہلے ہی تمام تفصیلات سے آگاہ کر رکھا تھا، اس لیے اس نے فوراً پہنچنے کا کہا۔

''وہ پندرہ منٹ میں پہنچ رہے ہیں۔'' خاور نے فون بند کرتے ہوئے کہا۔

''میں نے آپ کو جس وقت کال کی تھی اس کے 5 منٹ بعد رفیق پچھلی کچی بستی کی طرف چلا گیا تھا اور ابھی تک واپس نہیں آیا ہے، پچھلے راستے پر شیراز نے نظر رکھی ہوئی ہے۔ وہ جیسے ہی یہاں پہنچے گا شیراز ہمیں خبردار کر دے گا۔''

ہمارے خیمہ بستی پہنچنے پر عادل ہمیں سامنے ہی نظر آ گیا۔ وہ غالباً ہمارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ ابھی وہ ہمیں بتا ہی رہا تھا کہ پولیس جیپ آ کر رُکی ہم سب اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''خیریت.....؟'' انسپکٹر عامر نے مصافحہ کرتے ہوئے دریافت کیا۔

''خیریت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ عامر کو رفیق کی غیر معمولی سرگرمیاں بتاتے ہوئے ہم چاروں انتظامیہ کے لیے مختص خیمہ کی طرف بڑھے۔

''وہ یہاں پہنچ گیا ہے اور اپنے خیمہ میں ہے۔'' شیراز کی کال میرے سیل فون پر آئی۔

''اوکے! تم وہیں رکو جب تک میں نہ آ جاؤں۔'' میں نے کہتے ہوئے کال ڈراپ کر دی۔

''میں احمد بلال کے خیمہ کی طرف ایک چکر لگا کر آتا ہوں۔'' میں نے یک بیک تینوں سے کہا۔

''میں چلوں تمہارے ساتھ۔'' انسپکٹر عامر نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''نہیں! آپ کو یونیفارم میں دیکھ کر لوگ متوجہ ہوں گے اور رفیق بھی چوکنا ہو جائے گا۔ کوئی غیر معمولی بات ہوئی تو آپ کو کال کر دوں گا۔ آپ کچھ دیر یہیں ٹھہریئے۔'' میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی خاور بول پڑا۔ انسپکٹر عامر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے واپس بیٹھ گیا۔ میں اور خاور خیمہ سے باہر نکل گئے اور اس کے بعد وہ ہوا جو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ مجھے وہاں ملی جہاں میں سوچا بھی نہیں تھا۔

''اس نے ہم سے کہا تھا کہ وہ اپنے کسی دوست کے گھر لے کر جا رہا ہے، گھر سے ہم سب اسی نیت سے نکلے تھے اور اس نے ہم سب کو یہاں لا پٹخا..... میں کیسے رہتی یہاں میرا خدا جانتا ہے..... گھر

ہوتے ہوئے بھی بے گھروں کی طرح اس کے آنکھوں پر تو پیسوں کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔ اس کو صحیح غلط کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔ میں...... میں کیا کرتی؟ اس کی بات نہ مانتی تو وہ......'' فاطمہ (نادیہ کی بہن) مسلسل رو رہی تھی۔ نادیہ چپ چاپ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ احمد بلال میرے برابر میں میری ٹانگوں سے لپٹا کھڑا تھا۔ انسپکٹر عامر ''رفیق'' کو حوالات میں بند کر کے اب نادیہ اور فاطمہ کا بیان لینے آیا تھا۔

''میں تم سے رابطہ کرنا چاہتی تھی مگر تمہارا پتہ اور فون نمبرز سب گھر میں تھے اور ہم یہاں بے سرو سامانی کی حالت میں تھے۔ اتفاق سے میرا تم سے کبھی سامنا بھی نہیں ہوا تھا کہ تمہیں یہاں دیکھ کر ہی پہچان لیتی اور ویسے بھی ہم یہاں پہ زیادہ میل جول کسی سے نہیں رکھ رہے تھے یہ بھی رفیق نے کہا تھا......''

فاطمہ بھی سسک رہی تھی۔ میں اور خاور جب احمد بلال کے خیمہ میں پہنچے تو وہاں فاطمہ بے ترتیب زمین پر پڑی تھی اور اس کی پیشانی سے خون رس رہا تھا۔ چہرے اور ہاتھ پہ نیل بھی پڑے تھے۔ اس دن پہلی مرتبہ میں نے فاطمہ کا بھی چہرہ دیکھا۔

''آپ نے کہا کہ آپ کو نہیں معلوم تھا کہ وہ آپ کو کہاں لے جا رہا ہے تو یہ سب سامان کہاں سے آئے؟'' انسپکٹر عامر نے اطراف میں پڑے بندھے سامان کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ سب رفیق نے جانے کہاں سے لے کر آیا ہے۔ یہ ہمارے گھر کا سامان نہیں ہے۔ یہ بھی وہ اس لیے لایا ہے کہ کسی کو شک نہ ہو کہ ہم سیلاب متاثرین نہیں ہیں۔'' اتنا کہہ کر فاطمہ رک گئی۔

''وہ کئی دنوں سے مجھے اور نادیہ کو دھمکا رہا تھا کہ چپ چاپ جو کہوں مان لو ورنہ جان سے مار کے پھینک دوں گا۔ کل آ کے کہنے لگا۔ نادیہ کو تیار کرو اور خود بھی تیار ہو جاؤ۔ شام کو نادیہ کا نکاح ہے میرے دوست کے گھر، دو گھنٹے بعد نکلنا ہے۔ میں نے انکار کیا تو مجھ پر...... مجھ پر تشدد کرنے لگا مجھے مار مار کر ادھورا کر دیا۔ میں بے ہوش ہو گئی اور وہ نادیہ کو زبردستی لے جا رہا تھا جب تم آئے......'' وہ اتنا کہہ کر پھر رونے لگی۔

''ٹھیک ہے پھر میں چلتا ہوں۔ تم سے پھر ملاقات ہو گی باقی سب میں سنبھال لوں گا۔'' انسپکٹر عامر گہری سانس بھرتے اٹھ کھڑا ہوا اور مجھ سے مصافحہ کر کے چلا گیا۔

میں نادیہ، فاطمہ اور احمد بلال کے ساتھ حویلی پہنچا تو دن نے شام کا گھونٹ سرکا دیا تھا۔ حویلی میں ہماری آمد سے سب دنگ رہ گئے۔ ملنے ملانے کے جذباتی سلسلے کے بعد سب بڑے کمرے میں بیٹھے تھے۔ جب میرا سیل فون بج اٹھا۔ میں نے بنا دیکھے فون آن کر کے کان سے لگایا۔

''سنا ہے تم نے میری بھابی کو ڈھونڈ نکالا ہے۔'' صارم کا کھنکتا جملہ مجھے محفوظ کر گیا۔

''ٹھیک سنا ہے...... اور کچھ؟'' میرے لہجے میں مسکراہٹ گھلی۔

''تم چاہو تو اور کچھ کیا؟ بہت کچھ ہو سکتا ہے۔'' وہ مزید شریر ہوا۔

''یہی بکواس کرنے کے لیے کال کی ہے؟'' میں نے مصنوعی غصہ دکھایا۔

''حماد تم نے اب کیا سوچا ہے؟'' وہ ایک دم سنجیدہ ہوا۔

''مجھے اب کیا سوچنا ہے، اب تو بس عمل کرنا ہے۔'' میں ہنوز غیر سنجیدہ تھا۔

''بی سیریس حماد!'' وہ شاید میرا اگلا قدم جاننا چاہتا تھا۔

''او کم آن یار! میرا ولیمہ کھانے کی تیاری کرو، سمجھے۔'' صارم ہنس پڑا۔

''میں تو کب سے تیار بیٹھا ہوں۔ تم نے ہی اتنا وقت لگا دیا۔'' ہم دونوں ہی ہنسنے لگے۔

''اچھا حویلی کب تک آؤ گے؟'' میں نے پوچھا۔

''رات تک ان شاء اللہ پہنچ جاؤں گا۔ آج ڈیرے پر کام بہت ہے ورنہ ابھی آ جاتا۔ تم آرام کرو رات کے کھانے پر ملتے ہیں۔''

''خاور اور عادل بھی آ گئے ہیں کیا؟'' صارم نے مزید پوچھا۔

''خاور کو کل بہت اہم ورکشاپ اٹینڈ کرنا ہے اور عادل کو فارم جمع کروانا ہے۔ سو وہ دونوں کل شام تک پہنچ جائیں گے۔''

''اوکے میں فون رکھتا ہوں۔'' صارم نے کہتے ہوئے فون آف کر دیا۔

آج حویلی میں رونق لگی تھی۔ چوہدری سرور فرید کی حویلی کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا کیونکہ آج حماد فرید کے نکاح میں تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔ گہما گہمی اپنے عروج پر تھی۔ زور و شور سے انتظامات کیے جا رہے تھے۔ دیگیں چڑھائی جا رہی تھیں۔ حویلی کے اندر خواتین اور لڑکیوں نے زرق برق کے ملبوسات پہنے ہوئے تھے اور پچھلے صحن میں بچوں نے طوفان بدتمیزی برپا کر رکھا تھا۔ پوری برداری جمع تھی۔ فاطمہ بھی بڑی خوش خوش پھر رہی تھی۔

ایک ہفتے ٹھیک ٹھاک طرح سے مدارت کرنے کے بعد میرے ہی کہنے پر انسپکٹر عامر نے رفیق کو چھوڑ دیا تھا اور تھانے سے میں اسے سیدھا حویلی میں لے آیا تھا۔ جہاں اس نے نادیہ اور بابا سائیں سے معافی مانگنے کے ساتھ ہی مستقل گاؤں میں ہی رہائش اختیار کرنے کا ارادہ ظاہر اور بابا سائیں نے اسے معاف کرنے کے ساتھ اس کی رہائش اور زمینوں پر ملازمت کا انتظام بھی کر دیا۔ آج وہ بھی انتظامات میں مصروف حویلی کے اندر باہر گھوم رہا تھا۔

باقی رہ گئی ''نادیہ'' تو اس کا ردعمل جاننے کے لیے مجھے ابھی انتظار کرنا تھا۔ یقیناً وہ مجھ سے بہت خفا ہو گی کہ بہرحال کچھ غلطی میری بھی تھی۔ نہ میں نے اتنی جلدی بازی دکھائی ہوتی نہ نادیہ ضد میں آ کر اپنی بہن کے پاس جانے کی ضد کرتی نہ ہی اسے اتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔

خیمہ بستی میں مجھے دیکھ لینے کے بعد بھی اس کا مجھ سے مدد نہ لینا بلکہ حتی الامکان اپنے آپ کو مجھ سے چھپانے کی کوشش کرنا مجھے اس کی خفگی کا گراف بتا رہا تھا۔

نکاح کے بعد جب میں اس کے پہلو میں بیٹھا تو اس کا بے ساختہ مجھ سے دور کھسکنا۔ مجھے باور کرا گیا کہ ابھی مجھے ایک اور محاذ سے نمٹنا ہے لیکن ''جلد بازی'' میں نہیں ''آرام سے''۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس کا گھٹنوں پر رکھا مہندی سے مزین ہاتھ تھام لیا۔

عادل جو کیمرہ لیے کھٹا کھٹ تصویریں اتار رہا تھا۔ شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ اس منظر کو کیمرہ میں محفوظ کرنے لگا اور صارم نے معنی خیزی سے کھانس کھانس کے سب کو متوجہ کیا تو محفل کچھ اور زعفران زار ہو گئی۔

# پتھر دل کی پلکوں پہ

نازیہ کنول نازی

غیروں کے ساتھ ان کے کرم دیکھتے رہے
جو کچھ نہ دیکھنا تھا وہ ہم دیکھتے رہے
کتنے ہی زخم کعبۂ دل میں لیے ہوئے
کن حسرتوں سے تجھ کو صنم دیکھتے رہے

سا گر یہ جان جاؤ تم' کوئی کیسے اُجڑتا ہے
کوئی کیسے بکھرتا ہے
تو میرے پاس آنا تم' میری بنجر ہوئی آنکھوں میں
جلتے خواب کو تکنا' تو ان کا مرثیہ سننا
اگر ایسا نہیں ممکن تو میری زندگی کی ڈائری کو کھول کر پڑھنا
اس کے ہر ورق پر آنسوؤں کی داستاں لکھی ہے
جو تم سے کہہ نہیں پائے وہی ہر بات لکھی ہے
اگر یہ ڈائری پڑھ کر بھی تم انجان رہتے ہو
تو اس کا ہے یہی مطلب......
میری سب التجائیں بس ہواؤں میں معلق ہیں
ابھی کچھ وقت باقی ہے بدل جاؤ پگھل جاؤ
کہیں ایسا نہ ہو یہ وقت ہاتھوں سے نکل جائے
ہماری آرزوئیں اپنا رستہ ہی بدل جائیں

"اس شام...... اس شام میں مندر جانے کے بجائے بے سدھ بیٹھی دیوار سے کان لگائے قرآن پاک کی تلاوت سن رہی تھی اور' اور میرے اندر سرور یوں اتر رہا تھا جیسے ساری بے سکونی' تمام تکلیفیں ختم ہوگئی ہوں۔"

بی اماں کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا تھا مگر ان کی آنکھیں خوب روشن تھیں۔

"مجھے پتا ہی نہ چلا کب میرا جیٹھ گھر آیا اور اس نے مجھے اس حال میں بیٹھے دیکھ کر تیوری چڑھائی۔ مجھے تو اس وقت ہوش آیا جب اس نے چٹیا پکڑ کر میرے بال کھینچے اور پھر اندھا دھند مجھ پر تھپڑوں' لاتوں'

گھونسوں کی بارش کردی۔ مسلسل تین چار گھنٹے وہ مجھے مارتا رہا اور گھر کی عورتیں میری درگت کا تماشا دیکھتی رہیں۔ ان کا خیال تھا شاید گاؤں کی دیگر لڑکیوں کی طرح میں بھی شیر محمد کی جوانی پر ڈول گئی ہوں مگر میں کسی کے حسن پر ڈولنے والی ہوتی تو رندھیر کے پانچ بچے کبھی جنم نہ دیتی۔ مجھے تو خود پتا نہیں تھا کہ مجھے کیا ہوگیا تھا۔ وہ رب کہ جس کے وجود سے میں منکر تھی۔ جس کی بے مثال قدرت میں، میں نے اپنی مرضی کے خداؤں کو شریک کرلیا تھا، اس وحدہ لاشریک نے مجھ جیسی گناہ گار کو جانے میری کس اچھائی کے عوض اپنے رحم اور کرم کی انتہا کرتے ہوئے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے چن لیا۔ میں جو مسلمانوں کا مذاق اڑاتی تھی اس کی حقیقی روح سے بے خبر، کچھ ناسمجھ مسلمانوں کی طرز زندگی کو دیکھ کر اسلام سے نفرت کرتی تھی۔ اس پاک بے نیاز نے اپنے ایک معمولی بندے کی محبت میں جکڑ کر ایسا بے بس کیا کہ سارے کس بل نکل گئے۔ اس نے دکھا دیا کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ زبردست پکڑ والا ہے بے نیاز ہے میرا جیٹھ دیور اور سسر تینوں مل کر مجھے اپنے تشدد کا نشانہ بنا رہے تھے اور میں یوں تھی جیسے وہ مار میرے جسم پر نہیں کسی اور کے جسم پر پڑ رہی ہو۔ میں ان کی وحشت برداشت کرتے ہوئے بھی پُرسکون تھی۔ دیوار کے اس پار سے جب تک قرآن پاک کی تلاوت کی آواز آتی رہی۔ میں چپ چاپ خاموشی سے ان کی مار کھاتی رہی پھر جیسے ہی اس سے آواز آنی بند ہوئی میں غش کھا کر گری اور بے ہوش ہوگئی۔

اگلی صبح میری آنکھ کھلی تو پتا چلا کہ رندھیر جس نے ہر سکھ دکھ میں میرا ساتھ نبھانے کی ہزار قسمیں کھائی تھیں جانے کہاں میرے پانچوں بچوں کو لے کر چلا گیا تھا۔ شاید وہ ان پر میرا سایہ بھی پڑنے نہیں دینا چاہتا تھا۔

شیر محمد کو بھی میرے حال کی خبر ہوگئی تھی۔ میرے سسر اور جیٹھ نے برادری کو ساتھ ملا کر اسے وہاں سے دربدر کرنے کی کوششیں تیز کردیں۔ جان سے مارنے کی دھمکیاں بھی دیں مگر وہ کسی سے خوف کھانے والا نہیں تھا۔ ایمان کی روشنی نے اسے بہت مضبوط بنا دیا تھا۔ جب کہ میں، میں تو جیسے اپنا ہوش ہی گنوا بیٹھی تھی۔ میرے ہاتھوں اور پیروں کو رسیوں سے جکڑ کر میرے سسرال والوں نے مجھے گھر میں قید کردیا تھا۔ مسلسل تین تین چار چار دن بھوکا رکھ کر مجھے میری "غلطی" کا احساس دلانے کی کوشش کی جاتی۔ گھر کے افراد کے ساتھ ساتھ برادری کی دوسری عورتیں بھی نفرت کی نگاہ سے دیکھتیں اور تھوک کر چلی جاتیں۔ جن کو اصل معاملے کی خبر نہیں تھی۔ وہ بھوت پریت کا اثر سمجھ کر ترس کھاتیں۔ بہت اذیت بھرے دن تھے وہ پھر پھر ایک روز جب مردوں کے ساتھ ساتھ گھر کی عورتیں بھی کھیتوں کو سدھار گئیں تو مجھے گھر سے بھاگنے کا موقع مل گیا۔ کچھ خبر نہ تھی کہ میں کیسے خود کو رسیوں سے چھڑوا کر شیر محمد کے پاس پہنچی۔ بس اتنا پتا ہے کہ وہ جو اپنے کمرے کی صفائی ستھرائی میں مصروف تھا۔ اس نے پلٹ کر جیسے ہی نگاہ مجھ پر ڈالی۔ میں بے خودی اس کے قدموں میں گر پڑی۔ اس بے نیاز شخص کے قدموں میں کہ جس کے زبردست پکڑ والے خدا نے مجھے ایک معمولی سی محبت میں جکڑ کر بے بس کر ڈالا تھا۔

بہت روئی تھی اس وقت میں اس شخص کے قدموں میں گر کر جو صراط مستقیم کا راہی تھا۔ میری طرح وہ بھی جانتا تھا کہ میں کیوں رو رہی ہوں، مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اگر اس روز میں گھر واپس لوٹ جاتی تو میرے



گھر والے مجھے زندہ چتا میں جلا دیتے۔ مجھے موت کا خوف نہیں تھا، مگر میں اس حال میں مرنا نہیں چاہتی تھی۔ اسی لیے میرا حال دیکھ کر شیر محمد کو مجھ پر ترس آ گیا۔ میری التجا و منت پر وہ مجھے اس علاقے سے نکال لایا۔ اسی نے مجھے کلمہ سکھایا، سچے دین سے متعارف کروایا۔ اسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا میں نے، یوں لگتا تھا جیسے میں نے دل کا سکون پالیا ہو۔ اس دوران مجھے یہ پتا چلا کہ میرے گھر والے کتوں کی طرح سونگھتے پھر رہے ہیں مجھے۔ صرف میرے فرار کے بدلے میں گاؤں کے ہندو نمبردار نے کئی مسلمانوں کے کئی گھروں کو آگ لگوا دی۔ کئی غریب بے کس مسلمانوں کو اس کے غنڈوں نے زبردستی پکڑ پکڑ کر ایسی ایسی سزائیں دیں کہ ذکر کرتے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ علاقے میں ایک عجیب سا خوف پھیل گیا تھا۔ زبردستی مسلمانوں کو ہندو مذہب اپنانے پر مجبور کیا جانے لگا۔ جو انکار کرتا اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ شیر محمد اس علاقے میں واپس جا کر ان جابر ہندوؤں سے لڑنا چاہتا تھا، مگر میں ایک مرتبہ پھر اس کی راہ کی رکاوٹ بن گئی۔ میرا حال ایسا تھا کہ گھنٹوں بے ہوش پڑی رہتی۔ ایک میری وجہ سے کتنے بے قصور مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا جا رہا تھا۔ یہی بات مجھے مارے دے رہی تھی۔ شیر محمد کو پہلی بار بہت بے بس دیکھا تھا میں نے، پھر انہی دنوں جب میں نئی نئی ہدایت کے راستے پر گامزن ہوئی تھی علیحدہ وطن کی باتیں ہندوستان کی سرزمین میں سر اٹھانے لگیں۔ ہندوؤں کے لیے مسلمانوں کی ذرا سی خوشی و راحت، برداشت کرنا محال تھا۔ وہ انہیں آزاد فضاؤں میں اپنی مرضی سے سانس لیتے کیسے دیکھ سکتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے مسلمانوں کا قتل عام کردیا۔ جہاں نظر اٹھتی تھی لاشیں ہی لاشیں نظر آتی تھیں۔ اس سے پہلے مجھے بھی مسلمانوں پر ہندوانہ مظالم برے نہیں لگتے تھے، مگر اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے کے بعد میرا دل ان کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں پر پھٹ رہا تھا۔ مجھے اپنی درس گاہ کے وہ تمام سبق یاد آنے لگے تھے جن میں ہر ننھے بچے کو مسلمانوں سے نفرت کا درس دیا جا رہا تھا۔ میں کیا کرتی کچھ نہیں سوائے رونے کے اور سچے رب سے دعا مانگنے کے۔ لاکھوں زندگیوں کے چراغ گل ہوئے ہزاروں ولوں کی بستیاں اجڑیں اور یوں سرکاری کاغذوں میں علیحدہ سرزمین کا فیصلہ ہوگیا۔ لٹے پٹے خالی ہاتھ لوگوں کے ساتھ۔ پاک سرزمین کی جانب ہجرت کرنے والوں میں، میں بھی شامل تھی۔"

ماضی کے دھندلکوں میں کھوئی اماں بی کی آواز مدھم ہوگئی تھی۔

گوری نے آہستہ سے اپنا ہاتھ مائی حاجن کے بائیں ہاتھ پر رکھ دیا۔

"پھر، پھر کیا ہوا اماں......؟"

"پھر...... پھر وہ قافلہ جس میں، میں اور شیر محمد شامل تھے۔ اچانک راستے میں روک دیا گیا یہ کہہ کر آگے ہماری یعنی مسلمانوں کی جانوں کو خطرہ ہے، وہ چند ہندو سپاہی تھے اور انہوں نے قافلے کے تمام لوگوں کو جو اپنا سب کچھ لٹا کر اپنے پیاروں کی لاشوں کے دریا پار کرکے نئے وطن کو جا رہے تھے اپنی حراست میں لے کر جیل میں بند کردیا۔ سب پریشان تھے کہ جانے اب کیا ہو، جس ہندو افسر کے کہنے پر یہ سب ہو رہا تھا۔ وہ بھی جانے کہاں روپوش ہوگیا تھا۔ تین دن یونہی گزر گئے تھے۔ ہمیں کھانے پینے کے لیے کوئی مناسب چیز نہیں مل رہی تھی۔ چوتھے روز ہمیں روٹی دی گئی اور وہ بھی کانچ پیس کر وہ کم ظرف ہندو۔ کہیں بھی

مسلمانوں کو نقصان پہنچانے سے باز نہیں آ رہے تھے۔ اس وقت وہاں جیل میں جتنے بھی لوگ تھے سب چلا رہے تھے ان کے چلانے پر وہ ہندو افسر وہاں آیا تھا جس نے ہمارے قافلے کو روکا تھا۔ اسے جب پتا چلا کہ ہمارے کھانے میں کانچ پیس کر شامل کیا گیا ہے۔ وہ بہت شرمندہ ہوا۔ بہت برا بھلا کہا اس نے اپنے عملے کو اور ہمیں آزاد کر دیا۔ آزاد ہونے کے بعد قافلے کے لوگ مزید دو ٹولیوں میں بٹ گئے۔ میں جس ٹولی میں تھی شیر محمد اس میں شامل نہیں تھے۔ اسی لیے اس ٹولی کی کچھ عورتیں اوباش ہندو لڑکوں کے ہاتھ چڑھ گئیں۔"

مائی حاجن کے لہجے میں پھر ٹھہراؤ آ گیا تھا۔

گوری کی دل چسپی ان کی داستان میں مزید بڑھ گئی۔

☆☆☆
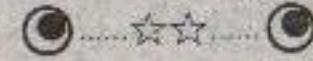
"میں نے کچھ پوچھا ہے امامہ......؟"

امامہ کے گالوں پر بہتے آنسوؤں کو بغور دیکھتے ہوئے وہ بولا تھا۔ جب اس نے آہستہ سے رخ پھیر لیا۔

"نہیں، میں کسی سے محبت نہیں کرتی کسی سے بھی نہیں۔"

کہتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تو شجاع نے آہستہ سے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

"کس سے ڈر رہی ہو امامہ، ایک دوست سے؟"

وہ اسے گھیر رہا تھا۔ امامہ تڑپ کر اس کے بازوؤں سے نکل آئی۔

"میں نہیں ڈرتی کسی سے آپ سے تو بالکل نہیں۔"

آنسو صاف کرتے ہوئے وہ قدرے اعتماد سے بولی تھی۔

شجاع کے لبوں پر دھیمی سی مسکان بکھر گئی۔

"اچھا چلو یہ تو اچھی بات ہے۔"

"اب سو جائیں۔ آج گڑیا کے کان میں درد تھا میں ذرا اسے دیکھ آؤں۔"

نظریں چرا کر کہتی وہ فوراً کمرے سے بھاگ گئی تھی۔

شجاع لب بھینچ کر کھڑکی بند کرتا بیڈ پر چلا آیا۔

رات کے کسی پہر اچانک اس کی آنکھ کھلی تھی اور اس نے امامہ کو اپنے پہلو میں قدرے سائیڈ پر سمٹ کر لیٹے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ نہ صرف رو رہی تھی بلکہ بہت دھیمی سی سسکیاں بھی اس کے حلق سے برآمد ہو رہی تھیں۔

"امامہ......!" ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے پاس کرتے ہوئے اس نے اپنائیت سے پکارا تھا۔

امامہ کو جانے کیا ہوا وہ اس کے کشادہ سینے میں منہ چھپا کر بلک اٹھی۔

"امامہ کیا ہوا۔" شجاع اچھا خاصا پریشان ہو گیا تھا۔

امامہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس سے اپنا درد کیسے کہے؟ سو چپ چاپ کسی ننھی سی بچی کی طرح اس کی پناہ میں بلک بلک کر روتی رہی اور شجاع اس کا سر سہلاتا اسے چپ کرانے کی کوشش کرتا رہا۔ تھوڑی دیر



بعد اس کے آنسوؤں کی شدت میں کمی ہوئی تو شجاع نے آہستگی سے اسے خود سے علیحدہ کیا۔

"چلو اب بتاؤ شاباش کیا بات ہے؟ گڑیا تو ٹھیک ہے ناں؟"

"ہوں۔"

"پھر کیا الجھن ہے؟"

اس بار وہ اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کر رہا تھا۔ امامہ نے اندر کی تھکن سے بے حال اپنا سر اس کے مضبوط بازو پر ٹکا دیا۔

"شجاع، میں...... میں بہت اکیلی ہوں...... پوری دنیا میں اللہ رب العزت کے سوا کوئی میرا نہیں ہے۔ نہ میری خوشی میں خوش ہونے والا نہ میرے دکھ میں دکھی ہونے والا۔ میرا وجود کسی کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا، میں جیوں یا مر جاؤں، کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مجھ سے کسی کو محبت نہیں ہے کسی کو بھی نہیں۔"

وہ جذباتی ہو رہی تھی۔

شجاع یک ٹک اسے دیکھتا خاموشی سے سنتا رہا۔

"بس اتنی سی بات پر رو رہی ہو؟"

امامہ کے خاموش ہونے کے بعد گہری سانس بھرتے ہوئے وہ بولا تھا۔

"یہ اتنی سی بات نہیں ہے۔"

"اتنی بڑی بات بھی نہیں ہے کیونکہ رشتوں کا نہ ہونا اتنا تکلیف کا باعث نہیں ہوتا۔ جتنا رشتوں کے ہوتے ہوئے احساس کا مر جانا تکلیف کا باعث ہوتا ہے اور پھر...... امامہ کے پاس تو شجاع ہے ناں جو اس کی عزت کرتا ہے اسے اپنی زندگی میں اہمیت دیتا ہے بنا کسی غرض کے اس سے بے لوث محبت کرتا ہے اس کا خیال رکھتا ہے بتاؤ کیا ایسا نہیں ہے۔"

کروٹ کے بل لیٹے وہ اس کا احتساب کر رہا تھا۔

امامہ کی نگاہ جھک گئی۔

"کیا تمہیں میری ننھی گڑیا کی محبت پر بھی شک ہے امامہ؟"

"نہیں۔"

"بس پھر آج کے بعد کبھی خود کو اکیلی مت سمجھنا، میں ہوں ناں تمہارا ہر سکھ دکھ کے موسم میں ساتھ نبھانے والا۔ اور ان شاء اللہ تم بھی مجھے میرے کسی بھی قول و فعل میں جھوٹا نہیں پاؤ گی، میں تمہارا دوست ہوں امامہ۔ کبھی مت سوچنا کہ تم میری بچی کی گورنس تھیں یا میں پولیس لائن سے وابستہ ہوں تو تم پر سختی کروں گا۔ عورت خواہ کسی بھی روپ میں ہو میرے لیے اس کی مثال اک پھول سی ہے۔ تمہاری طرح بدقسمتی سے میرا بھی کوئی دکھ بٹانے والا نہیں تھا۔ مگر اب تم ہو ناں۔ میری ہم سفر۔ ہر دکھ سکھ کے موسم میں میرا ساتھ نبھانے والی۔ کبھی اکیلا چھوڑ کر نہ جانے والی ہے ناں۔"

شہادت کی انگلی امامہ کی جانب اٹھا کر وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

امامہ کا سر اثبات میں ہل گیا۔ اس کی پلکیں بدستور جھکی ہوئی تھیں۔

"آج سے ہم دوست ہیں امامہ! اپنا ہر سکھ دکھ بلاجھجک ایک دوسرے سے شیئر کرنے والے ٹھیک ہے؟"

"ہوں۔"

شجاع کے اپنائیت بھرے لہجے پر اس نے پھر اثبات میں سر ہلایا تھا۔ جواب میں اس نے پھر سے امامہ کو اپنے حصار میں لے لیا۔

"تھینکس امامہ۔"

☆......☆☆☆☆......☆

عباد کی آنکھ کھلی تو طبیعت کا بوجھل پن قدرے کم ہوا تھا۔

آنکھ کھلتے ہی اس نے سب سے پہلے ہاتھ مار کر تکیے کے نیچے سے اپنا سیل برآمد کیا اور ایک مرتبہ پھر جماہی لیتے ہوئے صاعقہ کا سیل نمبر پریس کر ڈالا۔

ابھی کل رات ہی اس کی پاکستان واپسی ہوئی تھی اور سب سے پہلی کال وہ صاعقہ کو ہی کر رہا تھا۔

پہلے جو بے چینی تھی وہ اب اچھی خاصی پریشانی میں بدل رہی تھی۔ ایک کے بعد کئی بار اس نے نمبر پریس کیا تب کہیں جا کر اس کی کال پک ہوئی۔

"ہیلو۔" کال پک ہوتے ہی بے قراری سے کہتا وہ اٹھ بیٹھا تھا۔

دوسری طرف صاعقہ آنسو پونچھ کر اپنی ماں کے کمرے سے باہر نکل آئی۔

"جی؟" اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ وہ تڑپ کر رہ گیا۔

"زرنیل جی آپ ٹھیک تو ہیں پچھلے کئی روز سے میں کال کر رہا ہوں مگر آپ ریسپانس نہیں دے رہیں۔"

"ہوں...... وہ...... میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔"

"کیا ہوا؟"

"پتا نہیں بس دنیا میں دل نہیں لگ رہا۔"

دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے وہ پھر رو پڑی تو عباد کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔

"مم...... ملنا چاہتا ہوں آپ سے فوری۔"

"سوری...... فی الحال میں آپ سے نہیں مل سکتی۔"

"کیوں؟" وہ مچلا تھا۔ صاعقہ لب کچل کر رہ گئی۔ اب وہ اسے کیا بتاتی کہ کیوں؟

تھوڑی دیر خاموشی کے بعد وہ بولی تھی۔

"میں ان دنوں ملک سے باہر ہوں۔"

عباد اس کے اس جھوٹ سے جان گیا کہ وہ ضرور کسی بڑی الجھن میں ہے تبھی گہری سانس بھرتے ہوئے بولا۔

"میں آپ کے لیے پریشان ہو رہا ہوں زرنیل جی۔ بہت زیادہ مس کر رہا ہوں آپ کو۔ پلیز وطن واپسی پر مجھ سے ضرور ملیے گا۔ میں شدت سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" مختصراً کہہ کر صاعقہ نے لائن کاٹ دی تو عباد کی اس کے لیے پریشانی مزید بڑھ گئی۔



جانے وہ کس الجھن کس پریشانی کا شکار تھی۔ بہت بے کل ہو کر وہ بستر سے نکلا تھا اور بددلی سے کپڑے اٹھا کر واش روم میں بند ہو گیا۔

☐......☆☐☆......☐

عباد انڈسٹری میں اس کی اور آمنہ کی جاب پکی ہو گئی تھی۔ وہ بے تحاشہ خوش تھی مگر گھر کے حالات اور سب سے بڑھ کر ماں کی بیماری نے اسے خاصا غم زدہ کر رکھا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس سے مدد کی درخواست کرے۔ کس سے قرض مانگے؟ ڈاکٹر عارف جو اس کی ماں کا علاج کر رہے تھے ادھیڑ عمر بزرگ تھے۔ صاعقہ کے حالات ان کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں تھے۔ اسی لیے اس روز جب وہ فیکٹری سے واپس آئی تو چیک اپ کے بعد انہوں نے اسے اپنے آفس میں بلا لیا۔

"السلام علیکم ڈاکٹر صاحب۔" تھکی تھکی سی وہ بہت شکستہ لگ رہی تھی۔ وہ اسے بغور دیکھ کر رہ گئے۔

"وعلیکم السلام آیئے بیٹھیے۔"

"آپ نے بلایا، خیریت؟" وہ جھجکتی آگے بڑھ آئی۔

"ہوں اصل میں، میں آپ کی والدہ صاحبہ کے بارے میں آپ سے تفصیلاً بات کرنا چاہ رہا تھا۔ جو وہاں روم میں ممکن نہیں تھی۔"

"کیسی بات؟" ابرو اچکاتی وہ ان کے مقابل کرسی پر ٹک گئی تبھی وہ بولے۔

"دیکھیے مس صاعقہ چند روز قبل میں نے آپ کی والدہ کے جو چند ضروری ٹیسٹ کیے تھے ان کی رپورٹ آ گئی ہے۔ رپورٹس کے مطابق آپ کی والدہ مجھے بہت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ کینسر کی ابتدائی اسٹیج پر کھڑی ہیں۔ گلے کا کینسر ہے انہیں۔ تاہم فوری آپریشن ہو جائے تو اس پر سو فیصد قابو پایا جا سکتا ہے۔"

ڈاکٹر عارف کا لہجہ نارمل تھا مگر صاعقہ اندر سے سن ہو کر رہ گئی۔

"آپریشن......!"

"جی ہاں آپریشن ہی اس کا واحد حل ہے۔ آپ کو فوری طور پر پانچ لاکھ روپے کا انتظام کرنا ہوگا کیونکہ اس آپریشن میں تاخیر کسی صورت مناسب نہیں۔"

ڈاکٹر عارف کی زبان فراٹے بھر رہی تھی۔ صاعقہ کے چہرے کا سارا خون جیسے نچڑ گیا۔

"پانچ لاکھ......؟"

خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے ڈاکٹر عارف کی طرف دیکھا تھا جب وہ بولے۔

"جی ہاں میں سمجھ سکتا ہوں آپ جیسی معمولی ملازمت کرنے والی لڑکی کے لیے یہ رقم بہت زیادہ ہے مگر اپنی والدہ کی زندگی چاہتی ہو تو فوراً اتنی رقم کا انتظام آپ کو کرنا ہی ہوگا۔ میں تو آپ کی مدد کے لیے اتنا ہی کر سکتا ہوں کہ اپنی فیس کے پیسے نہ لوں۔"

صاعقہ کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے وہ کہہ رہے تھے۔

"ویسے آپ مناسب خیال کریں تو ایک اور آپشن بھی ہے۔"

اسے سن بیٹھی دیکھ کر انہوں نے پلان کے مطابق پہلا پتہ پھینکا۔

صاعقہ نے چونک کر سر اٹھایا۔

''کیسا آپشن؟''

''میں آپ کی مدد کرسکتا ہوں آپریشن کے تمام اخراجات اٹھا سکتا ہوں۔ بہ صورت دیگر آپ بھی میری مدد کریں۔''

''مم...... میں کیسے مدد کرسکتی ہوں آپ کی؟''

اس کا دل معمول سے ہٹ کر دھڑک رہا تھا۔

ڈاکٹر عارف چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولے۔

''مس صاعقہ......! مجھے ایک ساتھی کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دھن دولت کے انبار لگے ہیں۔ اربوں کی پراپرٹی کا مالک ہوں۔ مگر ذہنی سکون نہیں ہے۔ بیوی تو ہے مگر اسے اپنے فرائض کا خیال نہیں۔ شکل و صورت بھی ایسی ہے کہ نظر اٹھا کر دیکھنے کو دل نہ چاہے۔ ایک بیٹا ہے وہ سمندر پار پڑھ رہا ہے۔ اسے مہینوں کال کرکے خیریت دریافت کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ بیٹی ہے تو اس کی شادی بھی دیارِ غیر میں ہوئی ہے۔ کوئی حال پوچھنے والا ہے نہ خیال رکھنے والا۔ ایسے میں کل شب یونہی آپ کی والدہ کے چیک اپ کے لیے جب میں روم میں آیا۔ تو آپ کرسی پر بیٹھی بیٹھی سو رہی تھیں۔ میں نے اسی لمحے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ آپ کو اپنی زندگی میں شامل کرلوں۔''

بڑھاپے کی حدود کو چھوتے ''انسانی مسیحا'' کی ساری کہانی کا پسِ منظر صاعقہ کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ اس لمحے اسے اپنے سچے دین کی سچی تعلیمات میں عورت کے لیے پردے کے احکام کی اہمیت بھی شدت سے یاد آگئی۔

یک لخت اس کی آنکھیں اپنی بے بسی پر آنسوؤں سے بھر آئی تھیں۔

''میں آپ کے جذبات کی قدر کرتی ہوں ڈاکٹر صاحب مگر معذرت کہ میں آل ریڈی انگیجڈ ہوں۔''

''تو کیا ہوا آپ پڑھی لکھی' سمجھ دار لڑکی ہیں۔ خود مختار ہیں انگیجمنٹ ایسا تعلق تو نہیں جو ٹوٹ نہ سکے۔''

صاعقہ کے ہاتھ پیر سرد پڑ گئے۔

''اچھی طرح سوچ لیجیے۔ کل اپنے جواب سے آگاہ کردیجیے گا۔ میں انتظار کروں گا۔'' فوراً ہی خود کو مصروف ظاہر کرتے ہوئے اس نے صاعقہ کو جانے کی اجازت دی تھی۔

''اور ہاں اتنا یاد رکھیے گا مس صاعقہ آج جو وقت چل رہا ہے اس میں لڑکی کا حصول بے حد آسان اور سستا ہے مگر دولت کا حصول بے حد مشکل' ضروری نہیں میرے علاوہ بھی کوئی نوجوان لڑکا آپ کے حصول کا اتنا ہی ضرورت مند ہو آپ سمجھ رہی ہیں ناں میری بات۔''

اپنا شکستہ وجود سمیٹتے ہوئے وہ کرسی سے اٹھ رہی تھی جب وہ اسے متنبہ کرتے ہوئے بولے۔ صاعقہ کا سر ایک مرتبہ پھر اثبات میں ہلا اور اس کے ساتھ ہی اس کی پلکوں پر لرزتا آنسو پھسل کر اس کے گریبان میں جذب ہوگیا۔

زندگی کبھی کبھی ایسے کڑے امتحان بھی لیتی ہے اسے گمان نہیں تھا۔

❖☆......❖......☆❖

اسے خبر ہی نہیں تھی کہ پچھلے چار گھنٹے سے وہ کہاں تھا اور کیوں تھا؟

وقت کا گھوڑا تیزی سے آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ تبھی وہ گاڑی کے بونٹ سے اٹھا تھا اور بے دلی سے دروازہ کھول کر فرنٹ سیٹ پر آ بیٹھا۔

ابھی کل عبدالصمد نے اس کے سامنے اس کے بیٹے کو تھپڑ مارا تھا اور وہ اچھا خاصا الجھ کر رہ گیا تھا۔ کیسی بے بسی تھی یہ کہ وہ کھل کر دنیا کو اپنے گناہ کے بارے میں بتا بھی نہیں سکتا تھا۔

اندر کی گھٹن تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

وہ گھر میں داخل ہوا تو اچانک لائٹ چلی گئی۔ یو۔ پی۔ ایس بھی شاید اپنا چارج کھو چکا تھا۔ اسے اپنے سیل کی لائٹ سے کام چلانا پڑا۔ تھکن اتنی تھی کہ جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ اس کا ارادہ پہلے کچن میں جا کر چائے بنانے کا تھا لہٰذا سیل کی روشنی میں وہ سیدھا اسی طرف چلا آیا۔ تبھی اس کی نگاہ وہاں پہلے سے موجود انوشہ پر پڑی اور اس کے قدم دہلیز پر ٹھٹک گئے۔

''تم...... اور اس وقت یہاں؟''

رات گہری ہو رہی تھی بھی وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

انوشہ نے خاموشی سے پلٹ کر ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر سے اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔

''میں نے کچھ پوچھا ہے انوشہ اتنی رات کو یہاں کیا کر رہی ہو تم؟''

وہ پلٹ کر قریب آیا تھا تبھی وہ سرد لہجے میں بولی۔

''کچھ بھی کروں، تم سے مطلب؟''

''مطلب ہے تبھی پوچھ رہا ہوں۔''

وہ تپا تھا اور انوشہ کا بازو پکڑ کر اسے اپنی طرف گھمایا تھا۔

''بازو چھوڑو میرا۔''

''کیوں اتنی پتھر ہو گئی ہو تم ایک صنف نازک کو اتنی سختی زیب نہیں دیتی۔''

ضد میں آ کر بنا اس کے احساسات کی پروا کیے اس نے اس کے بازو پر اپنی گرفت سخت کی تھی۔

تبھی وہ سلگ کر بولی۔

''تمہارے گھرانے کی لڑکیوں کو زیب نہیں دیتی ہو گی اس لیے وہ......''

''چٹاخ۔''

اس سے پہلے کہ وہ اپنا جملہ مکمل کرتی۔ شاہ زر کے زوردار تھپڑ نے اس کی زبان کو بریک لگا دی۔

''بات بات میں میرے گھرانے کی عورتوں تک مت پہنچا کرو۔ بہت پاکباز ماں تھی میری، صرف دو ننھے منے بچوں پر اپنی ساری جوانی وار کر رکھ دی تھی انہوں نے ستائم نے۔'' اسے غصہ بہت کم آتا تھا مگر اب مسلسل ذہنی پریشانی نے اسے نیم پاگل سا کر چھوڑا تھا۔

انوشہ اب دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے رو رہی تھی۔



شاہ زر کو ترس آ گیا۔

''مت غصہ دلایا کرو مجھے انوشہ پلیز۔ کیوں چاہتی ہو تم کہ میں وقت سے پہلے مر جاؤں۔'' پشیمانی سے کہتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھ انوشہ کے کندھوں پر دھرے تھے۔

''میں کل کراچی جا رہا ہوں، دو تین روز کے لیے۔ آتے ہی تمہاری ٹکٹ کنفرم کرانے کا کام کروں گا۔ اب تو خوش ہو جاؤ۔''

''میں کہیں نہیں جا رہی ستائم نے، مر گئے ہیں میرے سب، ازل سے اکیلی تھی اکیلی ہی مروں گی، مت احسان کرو مجھ پر۔''

ترخ کر کہتی وہ پلٹی تھی۔ جب شاہ زر نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''تمہیں رنج ہے ناں کہ میری وجہ سے تم معتوب ٹھہریں اور مجھ پر حرف بھی نہیں آیا۔ چلو آج اس کہانی کو بھی نیا موڑ دے ہی دیتے ہیں۔''

ٹھہرے ٹھہرے سے لہجے میں کہہ کر سسپنس پھیلاتے ہوئے اس نے انوشہ کو حیران کر دیا تھا۔

''آؤ میرے ساتھ۔''

جانے اس کا کیا ارادہ تھا۔ انوشہ غائب دماغی سے اس کے ساتھ کھنچتی گئی۔

''بیٹھو یہاں۔''

لاؤنج میں پڑے صوفے پر اسے بٹھاتے ہوئے وہ خود بھی وہیں اس کے ساتھ جم کر بیٹھ گیا تھا۔ اگلے پل اس نے پاکٹ کی جیب سے سیل نکالا اور زاور حسن کا نمبر پریس کر ڈالا۔

''ہیلو۔''

زاور فیملی کے ساتھ گھر میں ہی بیٹھا تھا۔ شاہ زر کے فون سے خوش ہو گیا۔

''السلام علیکم، کیسے ہو شاہ؟ انوشہ کیسی ہے؟''

''ٹھیک ہے تم کیسے ہو؟'' اس کا چہرہ سپاٹ تھا انوشہ ٹکر ٹکر اسے دیکھتی رہی۔

''میں بھی ٹھیک ہوں اور شافیہ بھی۔ کل ہی مما کو اسپتال سے گھر واپس لائے ہیں۔ بابا اور امی (جمال صاحب اور نزہت بیگم) انوشہ کو بہت یاد کر رہے ہیں۔ کب آ رہی ہے وہ یہاں؟'' اسپیکر آن ہونے کی وجہ سے انوشہ زاور کی ہر بات خود سن رہی تھی۔ اس کی آنکھیں یک لخت آنسوؤں سے بھر آئیں۔

''بہت جلد...... اور سناؤ گھر میں سب کیسے ہیں؟'' اس کا لہجہ بھاری ہو رہا تھا۔ انوشہ سن سی اسے دیکھتی رہی۔

''سب ٹھیک ہیں، بلکہ اس وقت سب اکٹھے ہی بیٹھے ہیں۔''

''اچھی بات ہے...... لاؤڈ اسپیکر آن کر لو...... آج بہت ہی ضروری باتیں کرنی ہیں سب سے۔'' ہنوز سپاٹ لہجے میں کہتا وہ اسے حیران کر رہا تھا۔

تو کیا واقعی وہ شخص سب کے سامنے، اپنے گناہ تسلیم کر کے خود کو سب کی نگاہوں سے گرانے جا رہا تھا؟ اپنا وقار، اپنی ساکھ داؤ پر لگانے جا رہا تھا؟

کس لیے......؟ صرف اس کی نفرت سے ہار مان کر؟
اس کے درد کا ازالہ کرنے کے لیے......؟
اسے یہ دکھانے کے لیے کہ وہ اس کی خاطر کچھ بھی کرسکتا ہے، کچھ بھی......
کیا واقعی اسے محض اس کی نظر میں سرخرو ہونے کے لیے اپنی رسوائی سے بھی کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔
زاور حسن اس کے الفاظ پر ٹھٹکا تھا۔
''ضروری باتیں...... خیریت ہے ناں......؟''
''ہوں...... انوشہ کے بارے کچھ اہم انکشافات کرنے ہیں...... سب یہی جانتے ہیں کہ وہ خطا کار ہے، اس نے کوئی غلط قدم اٹھایا ہے، مگر...... ایسا نہیں ہے...... صرف تمہاری وجہ سے اسے کڈنیپ کیا گیا، اس پر بے جا تشدد کیا گیا...... اس کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا کرکے اسے سب کی نظروں سے گرانے کی کوشش کی گئی، اور تو اور کمال انکل کی موت کا ذمہ دار بھی اسی کو سمجھ لیا گیا...... مگر...... اسے تمہاری بہن ہونے کی سزا ملی، صرف تمہیں سبق سکھانے کے لیے اسے اغواء کیا گیا...... وہ خط جو اس کی رائٹنگ میں تم نے پڑھا اور کسی حد تک جو کمال انکل کی موت کا سبب بنا...... وہ خط بھی اس سے جبراً لکھوایا گیا تھا...... تمہاری بہن ہونے کے جرم میں اپنی عصمت لٹائی اس نے...... اور...... اور اب بھی صرف تمہاری بہن ہونے کی سزا میں وہ پل پل مر رہی ہے کیونکہ جس شخص کے ساتھ تم اسے منسوب کرکے گئے وہ شخص کسی عذاب سے کم نہیں ہے اس کے لیے۔''
جذبات کی رو میں بنا کسی انجام کی پروا کیے وہ بول رہا تھا۔
انوشہ اب تک بالکل چپ تھی کیا اس کا جذبات سے سرخ چہرہ دیکھ رہی تھیں۔
''جاننا چاہتے ہو...... یہ سب کس نے کیا اور کیوں کیا......؟''
زاور حسن کی سماعتیں سائیں سائیں کررہی تھیں...... یہ وہ کیا سن رہا تھا......؟ کیا بتانے جارہا تھا شاہ زر اسے......؟
وہ بولا تو اس کی آواز جیسے کسی گہرے کنوئیں سے برآمد ہوئی تھی۔
''کس نے کیا یہ سب اور کیوں......؟''
زاور کے سوال پر انوشہ کی آنکھ سے یوں آنسو کا قطرہ ٹپکا جیسے کسی پتھر سے بارش کا قطرہ پھسلا ہو، تاہم اس سے پہلے کہ شاہ زر کے لب اس کے سوال کا جواب دیتے، اس کا سکتہ ٹوٹا اور اس نے سرعت سے لپک کر سیل فون اس سے چھین لیا۔

❁ ❁ ❁

عباد کے گھر میں اس کی لاڈلی اکلوتی بہن ہانیہ کی شادی کے سلسلے میں بھی عزیز واقارب پہنچنا شروع ہوگئے تھے۔ مصروفیات اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ اس کا ایک پاؤں گھر پر ہوتا تو ایک گھر سے باہر، اکلوتا بیٹا اور بھائی ہونے کی تمام تر ذمہ داریاں وہ بخوبی نبھا رہا تھا۔ مگر اس کے باوجود اس کا دل سکون میں نہیں تھا۔ صاعقہ کا خیال بار بار اسے ڈسٹرب کررہا تھا۔ سڈنی سے ہادیہ بھی اپنی فیملی کے ساتھ پاکستان پہنچ چکی تھی،



شاہ زر نے البتہ مہندی والے روز آنے کا وعدہ کیا تھا۔ سب کچھ اپنی جگہ ٹھیک تھا مگر وہ انجوائے نہیں کر پارہی تھا۔
کئی بار صاعقہ کے سیل پر رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر ہر بار وہ آف ملتا۔ اس کا دھیان مختلف کاموں میں ہوتے ہوئے بھی وہاں نہیں تھا۔ مگر کیسی عجیب بے بسی تھی کہ نہ اس کے لیے اپنی اُلجھن کسی سے شیئر کرنا ممکن تھا نہ صاعقہ کو اس تقریب میں خود جا کر انوائیٹ کرنا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔
ہادیہ کی شاپنگ ابھی رہتی تھی اسی لیے وہ اس کے سر پر سوار ہوئی تھی کہ اسے مارکیٹ لے کر جائے، خود اس کی مما بھی کئی بار اسے یہی حکم سنا چکی تھیں مگر اس کا دل کہیں جانے کو نہیں چاہ رہا تھا، صاعقہ کا آف سیل اسے بے قرار کیے ہوئے تھا۔
صبح سے دوپہر کا وقت ہوگیا تھا۔ وہ کمرے سے نکل کر نیچے ہال میں آگیا تو ہادیہ کا موڈ خاصا خراب ہوچکا تھا۔ مجبوراً اسے دل نا چاہنے کے باوجود اس کے ساتھ مارکیٹ آنا پڑا۔ عین اس وقت کہ جب وہ گاڑی کا لاک کھول رہا تھا اس کا سیل بجا تھا۔
وہ کال پک نہیں کرنا چاہتا تھا مگر جانے کیا سوچ کر اس نے سیل پاکٹ سے نکال لیا۔
ہادیہ اپنی سیٹ سنبھال چکی تھی۔ عباد کی نظر اپنے سیل کی اسکرین پر چمکتے نمبر پر جونہی پڑی اس کا دل بلیوں اُچھل پڑا۔ کال صاعقہ کی تھی...... اسے کتنی ہی دیر یقین نہ آیا۔
کال بج بج کر اس سے پہلے کہ بند ہوجاتی اس نے فوراً اسے ڈس کنکٹ کرکے خود کال کرلی۔
''ہیلو......'' صاعقہ کی آواز جونہی سماعتوں میں اُتری اس کا دل بے کل ہوگیا۔
ہادیہ اب منتظر نگاہوں سے روٹھی روٹھی سی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔
''جی آج کیا میرا خیال......'' خوشی سے بے حال اس کا دل چاہا وہ رو پڑے...... جبھی وہ بولی تھی۔
''سوری...... میں نے بتایا تھا ناں میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی......''
''اب کیسی طبیعت ہے؟'' اپنی خوشی میں وہ ہادیہ کی موجودگی قطعی فراموش کرچکا تھا۔
''کچھ بہتر ہے...... آپ کیا کررہے ہیں اس وقت......؟''
''کچھ نہیں...... آپ حکم کریں۔''
''میں ملنا چاہتی ہوں آپ سے...... ابھی اور اسی وقت ساحل سمندر پر۔'' وہی اس کا نم سا بھیگا لہجہ، عباد اپنی خوش بختی اور دعاؤں کی اس قدر جلد قبولیت پر حیران رہ گیا۔
''ٹھیک ہے...... میں ابھی آرہا ہوں...... سیل آف مت کیجیے گا پلیز۔'' جلدی جلدی کہہ کر اس نے لائن ڈس کنکٹ کی، پھر دبے دبے جوش سے گاڑی کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے بولا۔
''سوری ہادیہ...... مجھے اس وقت ایمرجنسی کہیں پہنچنا ہے، میں فی الوقت تمہارے ساتھ مارکیٹ نہیں جاسکتا۔'' ہادیہ کو اس کی معذرت اپنے منہ پر تماچے کی صورت لگی تھی۔ تبھی وہ بنا کچھ کہے منہ پھلا کر گاڑی سے نکلی اور واپس پلٹ گئی۔

عباد اس کے موڈ کی پروا کیے بغیر زن سے گاڑی بھگا کر ساحل سمندر کی طرف روانہ ہوگیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ پچھلی بار کی طرح اس بار بھی اسے صاعقہ کا انتظار کرنا پڑے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ ابھی گاڑی سے اُتر کر تھوڑی دور ہی آیا تھا کہ اسے وہ تنہا بیٹھی دکھائی دے گئی۔ سر پر اسکارف کے باوجود اس کے ریشمی بال پشت پر بکھرے اس کی خوب صورتی میں اضافہ کر رہے تھے۔ عباد کے قدموں میں مزید تیزی آ گئی۔

''زرنیل جی......'' پھولی سانس کے ساتھ اس کے قریب پہنچ کر اس نے پکارا تھا۔

صاعقہ جو اپنے ہی خیالوں میں گم تھی اس کی پکار پر فوراً چونک کر پلٹی۔

''آ گئے آپ...... کیسے ہیں......؟'' وہ بے طرح خوش ہوئی تھی۔ عباد دل سے مسکراتا اس کے پہلو میں ٹک گیا۔

''بہت سنگدل ہیں آپ...... اتنے دنوں سے میری جان سولی پر لٹکا رکھی ہے آپ نے...... اور آپ کو اس کا احساس بھی نہیں ہے۔'' وہ شکوہ کر رہا تھا اور صاعقہ کی نگاہیں اس کے شاندار سراپا کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''میں سمجھی نہیں......''

''سمجھ بھی کیسے سکتی ہیں...... دل والوں کی باتوں کو سمجھنے کے لیے دل والا ہونا ضروری ہے، مگر آپ کے پاس تو دل نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں......''

صاعقہ کا سر جھکا تھا اور اس کے لب پھیکی سی مسکان کے حصار میں اس کی آنکھوں کے گوشے نم کر گئے تھے۔

''[illegible] ہیں آپ......''

''[illegible] کر رہا ہوں میں...... کچھ بھی [illegible] نہیں کہہ رہا ہوں۔''

وہ تپا ہوا تھا، صاعقہ سر اُٹھا کر ایک نظر اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''پلیز بتایئے ناں...... کیا ہوا ہے...... پریشان کیوں ہیں آپ......؟''

''پتا نہیں......'' تھکی تھکی سی سانس خارج کی تھی اس نے۔ عباد کی بے کلی مزید بڑھ گئی۔

''اعتبار نہیں ہے ناں مجھ پر......؟'' وہ مضطرب ہو رہا تھا۔ صاعقہ کی پلکیں ضبط کی ہزار کوششوں کے باوجود بھیگ گئیں۔

''ایسی بات نہیں ہے......''

''پھر...... کیسی بات ہے......؟''

''میری موم کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے زین...... انہی کی وجہ سے پریشان ہوں...... بزنس نقصان میں جا رہا ہے اور......''

آگے کچھ کہنے کی اس میں ہمت ہی نہیں تھی۔ عباد کو لگا وہ پُرسکون ہو گیا ہو۔

''بس...... اتنی سی بات پر اتنی پریشان ہو گئیں آپ......؟''

''یہ اتنی سی بات نہیں ہے زین...... آپ نہیں جانتے میں کتنے مسائل کا شکار ہوں...... مم...... میں غلط



نہیں ہوں۔ میرے دل میں آپ کا بہت احترام ہے...... مگر...... ہو سکتا ہے اب بھی میری آپ سے کوئی بات نہ ہو، آپ کا احسان ہے مجھ پر...... اسی لیے۔''

وہ ابھی بول رہی تھی کہ اچانک اس کی نگاہ سامنے سے آتے ڈاکٹر عارف پر جا پڑی۔ وہ عباد کے سامنے اپنا پول کھلتا برداشت نہیں کر سکتی تھی بھی بدحواس ہو کر جلدی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''ایکسکیوزمی...... مم...... میں ابھی آتی ہوں......'' عباد نے پلٹ کر دیکھا اور اسے ڈاکٹر عارف کی طرف بڑھتے دیکھ کر حیرانی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ جانے اس شخص سے کیا بات کر رہی تھی مگر...... وہ سلگ اُٹھا۔

دو منٹ...... تین منٹ...... پانچ منٹ اس نے انتظار کیا، پھر صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو غصے سے آگے بڑھا اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے سائیڈ پر کھینچ لایا۔

صاعقہ اس کی اس جرأت پر دنگ رہ گئی۔

''کون ہے یہ شخص...... اور آپ کیسے جانتی ہیں اسے......؟''

''ڈاکٹر ہے...... میری موم کا علاج انہی کے پاس ہو رہا ہے۔''

''اوکے......'' وہ یوں لب بھینچ رہا تھا گویا ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا ہو۔

''آپ ڈاکٹر تبدیل کریں...... روپیہ جتنا درکار ہوگا میں بندوبست کر لوں گا۔''

''کوئی ضرورت نہیں...... میں کسی کا احسان نہیں لینا چاہتی۔''

''میں احسان نہیں کر رہا...... جو فرض ہے وہ ادا کر رہا ہوں۔''

''[illegible] رشتے سے......؟'' وہ ذرا [illegible] ہوئی تھی۔

ڈاکٹر عارف کے سامنے جو حرکت اس نے کی تھی، اس سے اس کا دماغ کھول رہا تھا۔

عباد اس کے سوال پر مزید سلگ اُٹھا۔

''کل بتاؤں گا کس رشتے سے...... ابھی جا رہا ہوں مگر کل اسی وقت اسی جگہ پر آپ کا انتظار کروں گا...... اگر آپ نہ آئیں تو قسم کھا کر کہتا ہوں، زندگی بھر دوبارہ کبھی آپ میری شکل نہیں دیکھیں گی......''

وہ غصے میں تھا۔ صاعقہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی اور وہ تیز تیز قدم اُٹھاتا اس کی نگاہ سے دور ہوتا گیا۔

......☺......

گاؤں مراد شاہ کی خوب صورت کشادہ حویلی میں بیٹھی، اس وقت وہ بہزاد علی مراد کے ماں باپ سے مل رہی تھی۔ جو مراد علی شیر کے تعارف پر اس سے مل کر بے حد خوش دکھائی دے رہے تھے۔

پانچوں وقت نماز کی ادائیگی اور ایمان کی روشنی نے ان دونوں بزرگوں کے چہروں پر نور ہی نور پھیلا رکھا تھا۔ بابا دیر تک اس سے اس کے بابا کی باتیں کرتے رہے، ماضی کے ہزاروں قصے انہیں ازبر تھے، ازلہ کو وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہو سکا۔

حویلی کے شفاف کشادہ صحن میں جو اینٹوں سے بنا تھا، کبوتروں کا غول، غٹرغوں، غٹرغوں کرتا پھر رہا

تھا۔ ایک طرف کچے احاطے میں، گاؤں کی کچھ لڑکیاں کام کررہی تھیں، کوئی گندم صاف کررہی تھی کوئی لسی میں سے مکھن نکالنے کا فریضہ سرانجام دے رہی تھی تو کوئی ایک سائیڈ پر بیٹھی ساگ اور پالک صاف کررہی تھی۔

انزلہ کی نگاہ براہ راست ان سب پر پڑ رہی تھی بابا خادم علی مراد سے مخاطب ہوتے ہوئے بولی۔

''بابا..... میں اصل میں ایک گزارش لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی۔''

''ہاں کہو بیٹا.....''

خادم علی مراد کی نگاہ ہال کمرے میں داخل ہوتے بہزاد علی مراد پر تھی جو ابھی حویلی واپس پہنچا تھا۔ انزلہ نے پلٹ کر اسے نہیں دیکھا۔

''بابا..... میں اصل میں علم کی دولت عام کرنا چاہتی ہوں..... اس مقصد کے لیے ''شاہ والا'' میں، میں نے ایک اسکول بھی تعمیر کروایا ہے مگر..... وہ لوگ میرے ساتھ تعاون نہیں کررہے..... بہت مایوس ہوکر میں نے آپ کے گاؤں کا رخ کیا..... کیا آپ لوگوں میں یہ دولت بانٹنے میں میری مدد کرسکتے ہیں.....؟'' اس کے لہجے میں عاجزی تھی۔

بہزاد علی مراد بازو کے کف فولڈ کرتے ہوئے بے ساختہ سر اُٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔

خادم علی مراد اب انزلہ سے کہہ رہے تھے۔

''کیوں نہیں بیٹے..... تمہاری طرح بہزاد بھی لوگوں کی فلاح اور بھلائی کے کاموں میں بہت جذباتی ہے، اس نے بھی یہاں ایک اسکول اور کالج کی تعمیر شروع کررکھی ہے..... تم دونوں مل کر جو چاہو کرسکتے ہو۔''

''شکریہ بابا..... بہت بہت شکریہ۔''

وہ بہت خوش ہوئی تھی، تبھی ملازمہ نے رات کا کھانا چن دیا تو وہ سب اکٹھے دسترخوان پر جا بیٹھے، انزلہ ایک عرصے کے بعد بہت خوشی محسوس کررہی تھی۔ کھانا بہت خوش گوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔ حویلی سے باہر شام کے سائے گہرے ہوئے تو وہ واپسی کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''اب میں چلوں گی بابا..... بڑی ماں پریشان ہورہی ہوں گی.....''

''ٹھیک ہے..... لیکن تم اکیلی نہیں جاؤ گی..... بہزاد یا مراد میں سے کوئی چھوڑ آئے گا۔'' بابا بھی اس کے ساتھ ہی اُٹھے تھے۔

بہزاد کی والدہ ماں جی نے کئی چیزیں اس کے لیے گاڑی میں رکھوا دیں۔ مراد کو حویلی میں کام تھا لہٰذا بہزاد اپنی جیپ میں اسے ''شاہ والا'' کے لیے چھوڑنے پر راضی ہوگیا۔ انزلہ بہت سارا پیار لے کر، جلد دوبارہ آنے کا وعدہ کرکے حویلی سے نکلی تھی۔

☆☆☆

''میران یار! تیری کزن تو بڑی کام کی نکلی، پچھلے پانچ سال سے کیس لٹک رہا ہے تیرا..... اب سُنا ہے ڈی آئی جی صاحب کے حکم پر دوبارہ تفتیش ہورہی ہے۔''



وہ نماز کے بعد دیوار سے سر ٹکائے، خاموشی سے کلمہ طیبہ کا ورد کررہا تھا جب اس کے ساتھی قیدی نے جوش سے اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ جواب میں میران نے آہستہ سے آنکھیں کھول لیں۔

''وہ بہت بہادر ہے حفیظ..... جبر کے سامنے سر جھکانا نہیں سیکھا اس نے.....''

''کیا بہت پیار کرتی ہے تم سے.....؟''

''نہیں..... ہاں میں پیار کرتا ہوں اس سے..... اور یہ وہ جانتی ہے اسی لیے یونیورسٹی کے دنوں میں جب میں نے اسے پرپوز کیا تو وہ بہت خوش تھی..... مگر..... اب شاید یہ ممکن نہ ہو.....'' میران کا لہجہ یاس میں ڈوبا ہوا تھا۔

''کیوں..... کیوں ممکن نہ ہو.....؟''

''بس یار..... اب میری ذات پر ایک دھبا لگ گیا ہے..... میں نہیں چاہتا وہ میرے نام سے جانی جائے تو اس کا سر جھکا ہو.....''

''دل کا کیا کرنا ہے یار..... اسے تو جتنی ڈھیل دو اتنا ہی سر کو چڑھتا ہے۔''

وہ سخت اذیت کا شکار تھا۔ حفیظ اس کے بعد ایک لفظ بھی مزید کہنے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔

☆☆☆

''مما جانی.....'' وہ کسی کتاب کے مطالعے میں مشغول تھی۔ جب ثریا کی پکار پر چونک کر سر اُٹھایا۔

''جی بیٹے.....''

''باہر لان میں کھیلیں.....''

ہر وقت ہی سے [illegible] ایک منٹ بھی [illegible] تھی۔ [illegible] سامنے کھلی کتاب بند کرکے سائیڈ پر رکھ دی۔

''پاپا اُٹھ گئے.....؟''

''نہیں.....''

''او کے چلو.....''

بچی کو بانہوں میں بھر کروہ باہر لان کی طرف آئی تو وہاں قدرت اللہ صاحب کو پودوں کے پاس بیٹھے دیکھ کر خوش ہوگئی۔

''بابا..... آپ.....؟''

''ہوں..... ایک عرصہ ہوا، ان پھول پودوں کا حال ہی نہیں جان سکا..... آج سوچا ایک نظر دیکھ لوں، بہت خوش ہیں یہ پھول پودے تم سے۔''

''مجھ سے.....؟ وہ کیسے.....؟'' مسرور انداز میں مسکراتے ہوئے وہ قدرت اللہ صاحب کے پہلو میں کرسی پر ٹک گئی تھی۔ جب کہ ثریا اس کی گود سے اتر کر قدرت اللہ صاحب کی گود میں جا بیٹھی۔

''دیکھو تم نے ان کا کتنا خیال رکھا ہے..... یہ ملازم..... ان کا ویسے خیال نہیں رکھ سکتے جیسے کوئی بے غرض محبت کرنے والا کرسکتا ہے۔''

امامہ دیکھ سکتی تھی کہ وہ اس سے بے حد خوش تھے۔ اسے بے پناہ خوشی ہوئی۔
اسی پل شجاع فل یونیفارم میں تیار ہو کر اسی طرف چلا آیا۔
"السلام علیکم......"
"وعلیکم السلام...... آؤ بیٹھو۔"
قدرت اللہ صاحب کا چہرہ سچی خوشی سے دمک رہا تھا۔ شجاع ایک نظر امامہ کے چہرے پر ڈالتا ان کے قریب بیٹھ گیا۔
"آج بہت خوش دکھائی دے رہے ہیں بابا...... خیر ہے......؟"
"ہوں...... میں واقعی بہت خوش ہوں آج...... پہلی بار تم نے مجھے مطمئن کیا ہے......"
"کیسے......؟" اس کی سیاہ آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔
"اس بچی کو اپنی زندگی میں شامل کر کے...... پچھلے چار سال سے مجھے یہی احساس دلایا جا رہا تھا جیسے میں کوئی پرانی، بے کار چیز ہوں...... جس کی کسی کو کوئی خاص ضرورت نہیں...... مگر...... اس بچی کی خدمت نے مجھے پھر سے زندہ کر دیا ہے...... یہ ہر بات کی، میرا خیال ایسے ہی رکھتی ہے جیسے میں کوئی چھوٹا سا بچہ ہوں...... میری نماز...... وضو...... کھانا پینا...... دل بہلانا...... یہاں تک کہ ان پھول پودوں کی دیکھ بھال کا فرض بھی پوری جانفشانی سے سرانجام دیا ہے اس نے......" قدرت اللہ صاحب کی زبان، امامہ کی تعریف میں فراٹے بھر رہی تھی۔
شجاع کے لبوں پر دھیمی سے مسحور کن مسکراہٹ بکھر گئی۔
"چلیں...... یہ تو اچھی بات ہے...... مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ محترمہ اس گھر میں کیا کیا کام سرانجام دے رہی ہیں...... ویسے بچ کے رہیے گا، ایسا نہ ہو جناب آپ کو بھی اپنا عادی بنا کر پھر کہیں رفو چکر ہو جائیں اور ہمیں ڈھونڈے سے بھی ان کا نام و نشان نہ ملے۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔ امامہ کے مسکراتے لب سمٹ گئے۔
شجاع کے الفاظ پر اس کی نگاہیں بہت دکھ کے ساتھ اس کی طرف اٹھی تھیں۔ تو کیا وہ ابھی تک اس شخص کا اعتماد جیتنے میں ناکام رہی تھی؟
اس سے پہلے کہ شجاع اس کے چہرے سے اس کو ابھی ابھی پہنچنے والے دکھ کا اندازہ کرتا، وہ لان سے ملحقہ ہال کمرے میں رکھے فون کی تیزی سے بجتی بیل پر اٹھ کر ہال کمرے کی طرف بڑھ گئی۔
"ہیلو......"
"ہیلو مون...... کیسی ہو......؟"
اس کے ہیلو کے جواب میں دوسری طرف سے آنے والی خوش گوار آواز ارسلان حیدر کی تھی۔
امامہ کا دل جیسے ایک لمحے کے لیے رک گیا۔
فون کے ریسور پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑی تھی جب کہ زبان یوں گنگ ہو گئی جیسے کچھ بولنا ہی نہ جانتی ہو۔
"چپ کیوں ہو گئی ہو یار...... کیا ناراض ہو مجھ سے......؟"



کیسا بدلا بدلا سا انداز تھا اس کا۔
بے حد خوش گوار...... پر مسرت......
تو کیا اسے اپنی زیادتی کا احساس ہو گیا تھا۔
"نہیں......" جانے کیسے وہ خود کو بولنے پر آمادہ کر پائی تھی۔
"تو پھر اتنے دنوں سے فون کیوں نہیں کیا...... تمہیں پتہ ہے میں تمہیں کتنا مس کر رہا تھا......" وہی بھرپور اپنائیت...... محبت میں ڈوبا لہجہ جس کے لیے وہ ترستی رہی تھی۔
اس کی آنکھیں ایک لمحے میں نم ہوئی تھیں۔ عین اسی پل شجاع اس کے پیچھے چلا آیا۔
"امامہ......" وہ چونکی تھی اور گھبرا کر جلدی سے ریسیور کریڈل پر ڈالا تھا۔
"جی......"
"کس کا فون تھا......"
وہ اب اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ امامہ بھیگی پلکیں بھی صاف نہ کر سکی۔

بچھڑنے کی اذیت کو......
اگر تم جاننا چاہو
تو کچھ پل کو ذرا یہ سانس اپنی روک کر دیکھو
تمہیں محسوس یہ ہوگا
بچھڑنا موت جیسا ہے......!
"عباد......"
وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے آفس سے آیا تھا اور اب پھر سیڑھیاں کراس کرتے ہوئے باہر جا رہا تھا جب آسیہ بیگم نے اسے پکار لیا۔
"جی مما......" تیزی سے اٹھتے اس کے قدم ان کی پکار پر مجبوراً رکے تھے۔
"کہاں جا رہے ہو......؟ کل بھی کہیں غائب ہو گئے تھے...... اچھا پروٹوکول دے رہے ہو گھر آئے مہمانوں کو......"
وہ اس پر خفا ہو رہی تھیں۔ عباد نے سرسری سی اک نظر ان کے پہلو میں کھڑی ہادیہ پر ڈالی پھر قدرے شرمندگی سے بولا۔
"سوری مما...... مجھے ارجنٹ کل کہیں جانا پڑ گیا تھا......"
"او کے...... ابھی کہاں جا رہے ہو......؟"
"کچھ خاص نہیں...... بس ابھی تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔"
"نہیں...... ابھی ہادیہ کو ساتھ لے کر جاؤ...... پھر اس کے بعد جہاں جانا ہو چلے جانا......"
"لیکن مما...... میں......"

''کچھ لیکن ویکن نہیں...... کچھ اخلاقی تقاضے بھی ہوتے ہیں...... کیا تمہیں سڈنی میں ایسا پروٹوکول ملتا ہے......؟''

اس کی سنجیدگی اور پریشانی سے قطع نظر وہ اسے ڈانٹ رہی تھیں۔

عباد بے بسی سے ہادیہ کو دیکھ کر رہ گیا۔

شام گہری ہو رہی تھی وہ جانتا تھا کہ صاعقہ ساحل سمندر پر اس کا انتظار کر رہی ہوگی، وقت جیسے جیسے سرکتا جا رہا تھا اس کی جان پر بن رہی تھی۔

''او کے چلو......''

تھکی تھکی سی اک نظر کلائی پر بندھی رسٹ واچ پر ڈالتے ہوئے اس نے ہادیہ سے کہا اور تیزی سے گیٹ کے باہر کھڑی اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔

اُدھر صاعقہ ساحل سمندر پر تنہا ملول سی بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ کل رات اس کی ماں ایک لمحہ بھی سکون سے نہیں سو سکی تھی۔ گھر میں روٹی کے لالے پڑ رہے تھے جس کے سبب چھوٹے دونوں بھائیوں کو مجبوراً اسے کام پر لگانا پڑا تھا۔ ڈاکٹر عارف جیسے ہم سفر سے بہتر تھا وہ ساری عمر شادی ہی نہ کرتی، مگر۔

اس کا سیل آن تھا مگر...... عباد کی طرف سے کوئی کال نہ آئی!

وہ جس خدشے سے ڈر رہی تھی وہی پورا ہو گیا تھا۔

گہری ہوتی شام کے دھندلکے رات کی سیاہی میں بدلنے لگے تھے جب وہ آہستہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ یوں جیسے اپنا سب کچھ ہار کر جا رہی ہو......

[illegible]

[illegible]

مگر...... اس کا ہر گمان ٹوٹ گیا تھا۔ وہ بھی اپنا ''بھرم'' کھونے کے بعد ٹھکرا دی گئی تھی۔ اس کی خواہش اب ''خوش فہمی'' کا روپ لیے اس کا منہ چڑا رہی تھی۔

شکستہ قدموں سے واپس پلٹتے ہوئے وہ سیدھی گھر جانے کی بجائے اسپتال چلی آئی تھی جہاں ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر عارف جیسے اسی کے انتظار میں بیٹھے تھے۔

''پھر...... کیا سوچا آپ نے مس صاعقہ......؟'' جونہی وہ وارڈ میں داخل ہوئی ڈاکٹر عارف کا ٹکراؤ اس سے ہو گیا۔

اس کی نگاہیں اٹھی تھیں اور پھر بھیگنے سے قبل ہی جھک گئی تھیں۔

''مجھے آپ کی آفر قبول ہے ڈاکٹر عارف...... بس میری امی کا آپریشن کامیاب ہونا چاہیے......'' کوئی اپنے آپ کو کیسے ہارتا ہے اس لمحے اس نے جانا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ)



## آپ کی شخصیت

اے ایس صدیقی

آپ کے مزاج پھول کی عکاس ہوتے ہیں پھولوں میں پھول آپ کا پسندیدہ پھول۔ کسی بھی شخص سے اگر اس کے پسندیدہ پھول کے بارے میں پوچھا جائے تو اکثریت پھول کی پسندیدگی کو اس کی خوش بُو کے لحاظ سے ترجیح دیتی ہے۔

کوئی شخص گلاب کو پسند کرتا ہے تو کسی کو موتیا سے عشق ہے آپ کو شاید معلوم ہو کہ جس طرح ہر پھول الگ شکل اور خوش بُو کا مالک ہوتا ہے۔ اسی طرح ان کو پسند کرنے والوں کے مزاج کا اندازہ بھی ان کے پسندیدہ پھول سے لگایا جا سکتا ہے۔ آپ اپنا پسندیدہ پھول پڑھیے اور دیکھیے کہ یہ حقیقت ہے۔ پھول واقعی آپ کے مزاج کی عکاسی کرتے ہیں۔

گلاب:

پھولوں کا بادشاہ کہلانے والا یہ پھول اکثریت کی پسند ہے۔ اسے پسند کرنے والے جذباتی اور بہت گہرے ہوتے ہیں۔ محبت یا نفرت کے معاملے میں انتہا پسند ہوتے ہیں۔ پُر جوش اور اپنی تعریف سننے کے ہمہ وقت متمنی و نمایاں رہنا پسند کرتے ہیں۔

گیندا:

زندگی کے دکھوں سے انہیں کوئی واسطہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ایسی باتوں کو دل سے لگا کر بیٹھتے ہیں لاابالی طبیعت کے مالک ہوتے ہیں۔

موتیا:

بے تحاشہ حساس لوگ موتیا کے پھولوں سے عشق رکھتے ہیں۔ بے حد رومانٹک پُر خلوص محبت کرنے والے اور دوسروں کے احساسات کا خیال رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اپنی حساس طبیعت کی وجہ سے جلدی رنجیدہ ہو جاتے ہیں لیکن کسی سے دشمنی یا نفرت نہیں رکھتے۔

گل داؤدی:

اس کو پسند کرنے والے بہترین شخصیت کے مالک ہوتے ہیں۔ خوش اخلاق، بات بے بات پر مسکرانے والے، نکتہ چینی اور تنقید بھی ان کی طبیعت کا خاصہ ہوتی ہے۔ کسی بات پر بُرا نہیں مانتے۔ فراخ دل ہوتے ہیں۔

چنبیلی:

دوسروں کے کام آنے والے ان کے دکھ سکھ میں شریک ہونے والے لوگ اس کو پسند کرتے ہیں۔ نازک خیالات کے مالک ہوتے ہیں۔

نرگس:

یہ پھول انتظار کی علامت سمجھا جاتا ہے یا سیت زدہ لوگوں کی پسند ہے۔ زندگی کے منفی پہلوؤں کی طرف ان کا جھکاؤ زیادہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ لوگ ان کو پسند نہیں کرتے۔ محفلوں سے دور رہنا پسند کرتے ہیں۔

گل دوپہر:

سرخ رنگ کے پھول دوپہر کو پسند کرنے والے بچوں کی سی خصوصیات رکھتے ہیں چھوٹی چھوٹی باتوں پر بے تحاشہ خوش یا غم گین ہوجاتے ہیں۔ جلدی بھڑک اُٹھتے ہیں۔ دن کے اُجالے کو پسند کرتے ہیں۔ ان کی طبیعت ہنگامہ پسند ہوتی ہیں۔

گل لالہ:

اس پھول کو پسند کرنے والے روایت پسند ہوتے ہیں پرانی یادوں کو سینے سے لگائے پھرنے والے گل لالہ کے شیدائی ہوتے ہیں، طبیعت میں غرور اور انتہا پسند ہوتے ہیں، دو ٹوک بات کرنے کے قائل ہوتے ہیں۔

کنول کا پھول:

پانی میں کھلنے والا یہ پھول تجسس پسند لوگوں کی پسند ہے۔ ذرا ذرا سی بات کی ٹوہ میں رہنا ان کا مشغلہ ہوتا ہے۔ ہر چیز کو مکمل طور پر حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ کچھ حسد کا جذبہ ان میں پایا جاتا ہے۔

سورج مکھی کا پھول:

سورج مکھی پسند کرنے والے روشن خیال لیکن گرم مزاج کے مالک ہوتے ہیں۔ جلدی غصہ میں آجانے والے، لیکن جلدی نارمل بھی ہوجاتے ہیں۔ پیار و محبت سے ان لوگوں سے کوئی بھی بات منوائی جاسکتی ہے۔

رات کی رانی:

گلاب کا پھول پسند کرنے والوں کی طرح یہ لوگ بھی خودنمائی پسند کرتے ہیں۔ اپنے آپ میں مگن بے پروا اور شہرت کے دلدادہ ہوتے ہیں۔

دن کا راجہ:

سفید رنگ کے ان پھولوں کو پسند کرنے والے ایک حد تک مذہبی خیالات کے مالک ہوتے ہیں، پُرسکون ماحول کو پسند کرتے ہیں ان کی طبیعت میں ٹھہراؤ اور انکسار پایا جاتا ہے۔



## آپ کی صحت

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا

محمد نوید قمر جھنگ سے لکھتے ہیں کہ مسئلہ شائع کیے بغیر دوا تجویز کریں۔

محترم آپ KALIPHOS 6X کی چار گولیاں تین وقت روزانہ کھائیں اور CONIUM 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر آٹھویں دن ایک بار پی لیا کریں۔

مہوش نورین جھنگ سے لکھتی ہیں کہ مسئلہ شائع کیے بغیر دوا تجویز فرمادیں۔

محترمہ آپ FIVEPHOS 6X کی چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں۔ ان دواؤں سے ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔

سعدیہ اصغر گجرات سے لکھتی ہیں کہ میرا اور بھائی کا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج تجویز کردیں۔

محترمہ آپ SULFUR 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر آٹھویں دن ایک بار پی لیا کریں اور بھائی BARIUM CARB 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

صبا حسن سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 30 سال ہے غیر شادی شدہ ہوں مجھے دو تکالیف ہیں جو میں بیان کر رہی ہوں۔

محترمہ آپ کے لیے بغیر دیکھے دوا تجویز کرنا مناسب نہیں ہے کسی مقامی ہومیو پیتھک ڈاکٹر سے رجوع فرمائیں۔

ام ایمن ہارون آباد سے لکھتی ہیں کہ بچی کی پیدائش کے بعد پیٹ بہت بڑھ گیا ہے دوسرا مسئلہ چہرے پر کالے تل ہیں دونوں کا علاج بتائیں۔

محترمہ آپ CALCIUM FLUOR 6X کی چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور THUJA 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر آٹھویں دن ایک بار لیں۔

محمد سعید خانزادہ کراچی سے لکھتے ہیں کہ میرا خط شائع کیے بغیر دوا تجویز کردیں۔

محترم آپ ACIDPHOS 3X کے پانچ قطرے تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔ ان شاء اللہ شفا حاصل ہوگی۔

طیبہ بتول چکوال سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے اور پورے جسم پر بال ہیں۔ دوسرا مسئلہ نسوانی حسن نہ ہونے کے برابر ہے۔

محترمہ آپ OLIUM JACC 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں اور SABALSERU-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک دکان KDAC5 فلیٹ نمبر 4 شادمان ٹاؤن 2 سیکٹر 14-B نارتھ کراچی کے نام پتے پر 550 روپے کا منی آرڈر کردیں منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر مطلوبہ دوا کا نام BREST BEAUTY ضرور لکھیں یہ دوا آپ کے پتے پر ارسال کردی جائے گی۔

ساجد حسین مہراب پور سے لکھتے ہیں کہ بچپن کی غلط کاریوں کی وجہ سے بہت کمزور ہوگیا ہوں دماغ کی قوت یاد داشت بھی بہت کمزور ہوگئی ہے۔

محترم آپ STAPHISAGRIA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

[illegible] کراچی سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج تجویز کردیں۔

محترمہ آپ SABALSERULATUM-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں اور PULSATILLA-200 کے پانچ قطرے ہر آٹھویں دن ایک بار پی لیا کریں ان شاء اللہ دونوں مسئلے حل ہوجائیں گے۔

شبانہ رانا رحیم یار خان سے لکھتی ہیں کہ نسوانی حسن کی کمی ہے بہت سی کریمیں استعمال کی ہیں مگر فائدہ حاصل نہیں ہوا عمر 21 سال ہے۔

محترمہ آپ SABALSERULATUM-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں اور میرے کلینک کے نام پتے پر 550 روپے کا منی آرڈر کردیں منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر اپنا مکمل پتہ اور مطلوبہ دوا کا نام BREAST BEAUTY ضرور

لکھیں۔ آپ کو یہ دوا ارسال کردی جائے گی ان شاءاللہ آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

سیدہ امام حبیبہ لکھتی ہیں کہ بربیرس کوئی فولیم سے میری چھائیاں بہت کم ہوگئی ہیں لیکن ابھی مکمل طور پر ختم نہیں ہوئیں۔

محترمہ چھائیوں کے مکمل خاتمے تک اس دوا کا استعمال جاری رکھیں۔

نوید افتخار اسلام آباد سے لکھتے ہیں کہ بری صحبت کی وجہ سے صحت برباد کر چکا ہوں کوئی علاج بتائیں۔

محترم آپ STAPHISAGARIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

محمد ساحل شاہ کوٹ سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترم آپ AGNUS CAST 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

روبینہ شاہ کوٹ سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ چھائیوں کا [illegible] استعمال کی [illegible] فائدہ [illegible] 15-15 دن [illegible] مسئلہ بالوں کا ہے بڑھتے نہیں ہیں خشکی بہت ہے اور بال بہت گرتے ہیں کیا اس کے لیے HAIR GROWER استعمال کرلوں ساتھ میں کوئی دوا بھی بتائیں۔

محترمہ آپ OPIUM 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت کھانے سے پہلے پی لیا کریں بربیرس کا استعمال جاری رکھیں۔ بالوں کے لیے میرے کلینک سے HAIR GROWER منگالیں آپ کے مسئلے حل ہو جائیں گے۔

عبدالقادر فیصل آباد سے لکھتے ہیں کہ مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترم آپ SALIX NIGRA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

مدیحہ عمر لکھنو سے لکھتی ہیں کہ کئی خط لکھے مگر جواب شائع نہیں ہوتا اب تو میں ناراض ہو چکی ہوں میرے چہرے پر براؤن تل ہیں اس کا کوئی علاج بتائیں۔

محترمہ آپ ناراض نہ ہوں آپ کا کوئی خط ہمیں ملا ہی نہیں ورنہ آپ کے مسئلے کا حل تو تقریباً ہر ماہ شائع ہوتا ہے۔ THUJA-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں اور یہی دوا روزانہ ایک بار مسوں پر لگایا کریں۔

سائرہ شیخ کراچی سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

شاہد علی عباسی ملتان سے لکھتے ہیں کہ میں نے آپ سے دوا پوچھی تھی آپ نے سنافی سگریا تجویز کی تھی مگر میں نے اس کے ساتھ ایسڈ فاس ملا کر استعمال کی مگر اس سے نقصان ہوا۔

محترم آپ اپنی ڈاکٹری چلائیں گے تو نقصان کا اندیشہ لازمی ہے آپ کے لیے جو دوا تجویز کی ہے وہی استعمال فرمائیں۔

[illegible] مشتاق لاہور سے لکھتی ہیں کہ [illegible] بہت پریشان [illegible] مسئلہ کوئی حل [illegible]

محترمہ آپ اب احتیاط کریں۔ ان شاءاللہ ازدواجی زندگی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ بے فکر ہو جائیں۔

کرن فتح جھنگ سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترمہ آپ ORIGANUM 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں اور قطعی احتیاط کریں آپ صحت مند ہو جائیں گی۔

صائمہ شاہ کوٹ سے لکھتی ہیں کہ میرے مسائل شائع کیے بغیر حل بتائیں۔

محترمہ آپ POTHOS-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

عامر خان ملتان سے لکھتے ہیں کہ میرا خط شائع کیے بغیر جواب دیں۔

محترم آپ STAPHISAGRIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ



پی لیا کریں۔

سارہ علی فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ ماہانہ نظام کی خرابی کے لیے آپ نے دوا تجویز کی تھی۔ اس سے بہت فائدہ ہوا ابھی کتنے عرصے دوا لینی ہے۔

محترمہ مکمل آرام آنے تک دوا کا استعمال جاری رکھیں۔

روحا کھاریاں سے لکھتی ہیں کہ مجھے قبض کی شکایت رہتی ہے اور دوسرے چہرے پر دانے نکلتے ہیں نشان چھوڑ جاتے ہیں۔

محترمہ آپ NUXVOM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں اور GRAPHITIS 200 کے پانچ قطرے آٹھویں دن ایک بار لیں۔

فرح ملک ڈیرہ اسماعیل خان سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترمہ آپ SULFUR 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر آٹھویں دن صبح نہار منہ پی لیا کریں۔

سدرہ سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترمہ آپ PITUITRIN 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

میرا آتش ڈاک چھاں سے لکھتی ہیں کہ میری دوست کا مسئلہ لکھ رہی ہوں اس کا کوئی علاج بتائیں۔

محترمہ اسے کہیں کہ شادی سے ایک ماہ پہلے سے SECALCOR30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں شادی تک دوا جاری رکھیں۔

ساحل ولی ڈیرہ غازی خان سے لکھتے ہیں کہ مجھے پیشاب کے قطرے گرتے ہیں۔

محترم آپ CAUSTICUM30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

نوید اکرم کوٹ ادو سے لکھتے ہیں کہ مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترم آپ AGNUSCAST30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

فاطمہ ناز جھنڈو سے لکھتی ہیں کہ ہاتھوں کی ہتھیلیوں اور تلووں پر بہت زیادہ پسینہ آتا ہے ویسے پورے جسم پر بھی پسینہ زیادہ آتا ہے۔

محترمہ آپ JABORANDI 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیں یہ دوا کسی قریبی شہر کے ہومیو پیتھک اسٹور سے مل جائے گی۔

سمیرا خان لکھتی ہیں کہ موٹاپا دور کرنے کے لیے دوا استعمال کی تھی بہت فائدہ ہوا تھا مگر پھر بڑھنا شروع ہو گیا ہے۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA-Q اور FUCUSVES-Q کے دس دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

عمر حسن جھنگ سے لکھتے ہیں کہ مجھے قبض ہے اور پیشاب کے بعد قطرے آتے ہیں۔ کمزوری بہت ہے۔

محترم آپ STAPHISAGRIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین مرتبہ روزانہ پی لیا کریں۔

[illegible] شوکت میانوالی سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے [illegible] بال ہیں اور [illegible] ہوں بہت پریشان ہوں [illegible] کا طریقہ [illegible]

محترمہ آپ APHRODITE میرے کلینک سے منگالیں اس کے استعمال سے ان شاءاللہ چہرے سے بال ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گے۔ منی آرڈر کرنے کا طریقہ قریبی ڈاک خانے سے معلوم کرلیں۔

شاہ احمد جہلم سے لکھتی ہے کہ جوابی لفافہ ارسال ہے میرا جواب اس کے ذریعے دیں۔

محترمہ براہ راست جواب دینے سے معذرت چاہتا ہوں۔ جواب رسالے میں ہی دیے جاتے ہیں۔

محمد عدیل بہاولپور سے لکھتے ہیں کہ بری صحبت سے صحت برباد کر بیٹھا ہوں بہت پریشان ہوں۔ دوسرا میرے بال بہت روکھے اور بے رونق ہیں۔

محترم آپ COBALTUM 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں اور میرے کلینک سے HAIR GROWER منگوالیں بالوں کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔

سدرہ اورنگزیب راولپنڈی سے لکھتی ہیں کہ میری تھوڑی پر بال ہیں علاج بتائیں کہ بال ختم ہوجائیں۔
محترمہ آپ 650 روپے میرے کلینک کے نام پر منی آرڈر کردیں۔ اپنا پتا مکمل لکھیں APHRODITE ارسال کردیا جائے گا۔اس کے استعمال سے بال مستقل طور پر ختم ہوجائیں گے۔
فرزانہ بتول بھکر سے لکھتی ہیں کہ میرا مٹاپا بہت زیادہ ہے اور قد چھوٹا ہے اس کی دوا بتائیں۔
محترمہ آپ PHYTOLACCA-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیں اور CALCIUM PHOS 6X کی پانچ گولیاں تین وقت روزانہ کھائیں۔ BARIUMCARB 200 کے پانچ قطرے ہر آٹھویں دن ایک بار لیں یہ ادویات کسی بھی ہومیو پیتھک اسٹور سے مل جائیں گی۔
شمائلہ غفار نارووال سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر چھائیاں ہیں بہت علاج کیا مگر فائدہ نہیں ہوتا دوسرے میرے بال بہت چھوٹے خشک کھردرے ہیں اور گرتے ہیں اس کا علاج بتائیں۔
محترمہ آپ BERBARISAQUIES-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں اور بالوں کو خوب صورت بنانے کے لیے 550 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں۔ آرڈر فارم کے آخری کوپن پر اپنا مکمل پتا اور مطلوبہ دوا کا نام HAIR GROWER ضرور لکھیں دوا آپ کے گھر بھیج دی جائے گی۔
زینت نور پیر محل سے لکھتی ہیں کہ مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔
محترمہ آپ EUPION-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔ مکمل شفایاب ہونے تک جاری رکھیں یہ پرانی مرض ہے۔
زیبا نوبہ ٹیک سنگھ سے لکھتی ہیں کہ میرا وزن زیادہ ہے اور قد چھوٹا ہے آپ نے جو دوا میں لکھی ہیں وہ مختلف نام سے مل رہی ہیں اس میں صحیح کون سا ہے۔
محترمہ یہ ایک ہی دوا ہے مختلف کمپنی فرق سے نام لکھتی ہیں آپ استعمال جاری رکھیں۔

کے کے انچ سرگودھا سے لکھتے ہیں کہ مسئلہ شائع کیے بغیر جواب دیں۔
محترم آپ ACIDPHOS 3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔
رفعت رحانہ سے لکھتی ہیں کہ میں نے چہرے کے دانوں کے لیے گریفائٹس استعمال کی تھی مگر فائدہ نہیں ہوا۔ کوئی اور اچھی دوا بتائیں۔
محترمہ آپ KALIBROMTUM 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں ان شاءاللہ دانے ختم ہوجائیں گے۔
نفیس احمد کراچی سے لکھتے ہیں کہ مجھے یرقان ہوا تھا وہ تو ٹھیک ہوگیا مگر بھوک بالکل نہیں لگتی بھاری پن محسوس ہوتا ہے۔
محترم آپ CHELIDONIUM 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔
نرگس خان جلالپور جٹاں سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر کوئی علاج بتائیں۔
محترمہ آپ SEPIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔
[illegible] خان [illegible] سے لکھتے ہیں [illegible] آپ کا HAIR GROWER استعمال کیا میرے بال بہت اچھے خوب صورت گھنے ہوگئے کیا میرا بھائی بھی یہی استعمال کرلے۔
محترم بھائی کو بھی یہی استعمال کرائیں ان شاءاللہ فائدہ حاصل ہوگا۔

معائنہ وباقاعدہ علاج کے لیے تشریف لائیں۔
صبح 10 تا 1، شام 6 تا 9 بجے۔ فون 021-36997059
ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک دکان C-5 KDA فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن 2 سیکٹر 14-B نارتھ کراچی۔
(سخی حسن وناگن چورنگی کے درمیان مین روڈ)
خط لکھنے کا پتہ: آپ کی صحت ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس 75 کراچی۔



# ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

اسپاکسی اچاری آلو

ضروری اشیاء:

| | |
|---|---|
| نئے آلو | 6 عدد (موٹے سلائس کرلیں) |
| پیاز (سلائس 2 عدد (درمیانے سائز کی) کرلیں) | |
| [illegible] | 3 عدد (چوپ کرلیں) |
| اورک | (کدوکش کیا ہوا) ایک چائے کا چمچ |
| کڑھی پتے | 3 عدد |
| نمک | حسب ذائقہ |
| لال مرچ | (کٹی ہوئی) ایک چائے کا چمچ |
| کلونجی | 1/2 چائے کا چمچ |
| رائی | 1/2 چائے کا چمچ |
| میتھی دانہ | 1/2 چائے کا چمچ |
| زیرہ | 1/2 چائے کا چمچ |
| سونف | 1/2 چائے کا چمچ |
| ہرا دھنیا | (چوپ 1 کھانے کا چمچہ کرلیں) |
| ہری مرچ | (چوپ 1 چائے کا چمچ کرلیں) |
| تیل | 3 کھانے کے چمچ |

ترکیب:
ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں۔ اس میں زیرہ کڑھی پتے، کلونجی، رائی، میتھی دانہ، سونف، کٹی لال مرچ، لہسن، اورک شامل کرکے 1 منٹ تک بھونیں۔ پیاز ڈال کر گولڈن براؤن کرلیں اس کے بعد اس میں آلو، نمک، ہرا دھنیا اور ہری مرچیں شامل کریں اور ڈھکن ڈھک کر ہلکی آنچ پر 10-15 منٹ تک پکائیں آلو گل جائیں تو گرم گرم سرو کریں۔

درخشاں بی...... چوالہ

لاشوئی گوشت

| | |
|---|---|
| [illegible] | [illegible] |
| بکرے کا گوشت | ایک [illegible] |
| پیاز | دو کپ (باریک کٹی ہوئی) |
| کڑھی پتا | دو عدد |
| اورک | ایک کھانے کا چمچ |
| لہسن | ایک کھانے کا چمچ |
| ٹماٹر | ایک کپ |

| | |
|---|---|
| ہلدی | آدھا چمچ |
| سرخ مرچ، دھنیا | ڈیڑھ چمچ |
| ہری مرچ | ڈیڑھ چمچ |

نمک حسب ذائقہ
کوکنگ آئل ایک کپ
گرم مسالا ثابت ایک چائے کا چمچ
پسا ہوا گرم مسالا ایک چائے کا چمچ
ہرا دھنیا ایک گٹھی

ترکیب:

ایک دیگچی میں آئل گرم کریں، پھر اس میں کڑھی پتا اور ثابت گرم مسالا ڈالیں۔ تھوڑی دیر تلنے کے بعد پیاز شامل کردیں۔ پیاز براؤن ہوجائے تو لہسن ادرک اور ہری مرچیں شامل کردیں۔ ایک منٹ بعد گوشت بھی شامل کرلیں۔ پانچ منٹ چمچہ چلائیں پھر دھنیہ پاؤڈر سرخ مرچ اور ہلدی شامل کرکے مزید دو منٹ پکائیں پھر تین کپ پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر آدھا گھنٹہ پکائیں۔ جب گوشت گل جائے تو ٹماٹر اور گرم مسالا [illegible] [illegible] شامل [illegible] منٹ پکائیں پھر ذرا بھون کر ہرا دھنیا اور [illegible] کے جوئے اوپر ڈال کر گرم گرم سرو کریں اور دوستوں مجھے مت بھولنا۔

کرن حسین ...... پیر بخاری ملتان

## آئس کیک

اشیاء:

مکھن 100 گرام
انڈے 4 عدد
چینی 1 کپ
میدہ 2 کپ
بیکنگ پاؤڈر 2 چائے کے چمچے
پائن ایپل آئس 1 چائے کا چمچ
آئسنگ کے لیے:
فریش کریم 500 گرام
پائن ایپل 1 ٹن
چیری 8 عدد
آئسنگ شوگر 1 کپ

ترکیب:

انڈہ پھینٹ لیں۔ جھاگ بن جائے تو چینی ڈال کر پھینٹ لیں۔ آئس اور مکھن نرم کرکے ڈال کر پھینٹ لیں۔ میدہ میں پاؤڈر مکس کرکے ہلکے ہاتھ سے فولڈ کرکے 8 انچ کے گول سانچے میں ڈال کر 180c پر 30 منٹ بیک کرلیں۔ کیک تیار ہوجائے تو ٹھنڈا کرکے پائن ایپل کا جوس ڈال کر کیک نرم کرلیں کریم میں شوگر ڈال کر

پھینٹ لیں پھر کیک کو 2 تہہ میں کاٹ کر کریم لگا کر پائن ایپل ڈال کر دوسری تہہ رکھ لیں اور کریم سے کور کرکے چیری اور کریم کا پھول کا بنا کر سجائیں۔ 3/2 گھنٹے فریج میں رکھ لیں ٹھنڈا ہوجائے تو گرمی کی دوپہر میں ٹھنڈے کیک کا مزا لیں (کیونکہ گرمی کی شام تو خوش گوار ہوتی ہے) اور مجھے دعائیں دیں۔

نائلہ مسلم ...... اورنگی ٹاؤن کراچی

# بیوٹی گائیڈ

روبین احمد

## فیشل کے لیے ضروری سامان

اسکارف یا تولیہ جو آپ کے بالوں کو لوشن وغیرہ سے بچائے۔ چکنا کلینزر یا آدھا کپ دودھ، چند قطرے لیموں ملائیں۔ اسٹیمر یا اُبلتے ہوئے پانی کی دیگچی تولیہ اور فیشل ٹشوز عام ٹشوز بھی استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ اسکن ٹونر، اپنی جلد کی مناسبت سے فیس ماسک۔

فیشل کا طریقہ:

اپنے بالوں کو سمیٹ کر ہیئر بینڈ لگالیں یا تولیہ و اسکارف سے انہیں [illegible] لیں۔ کلینزنگ کریم یا کلینزنگ ملک لیں اور چہرے پر اس کا مساج کریں، مساج کرنے میں آپ جتنا وقت لیں اتنا اچھا ہے لیکن اس بات کا خیال رکھیں کہ چہرے پر سختی سے یا رگڑ سے مساج نہ کریں زائد کریم پونچھ کر دوبارہ یہ عمل کریں، مساج کرتے وقت ہاتھوں کی حرکت نیچے سے اوپر کی طرف رکھیں۔ کلینزنگ کرنے کے بعد ٹشو سے اچھی طرح چہرے کو صاف کرلیں۔ پھر ٹشو یا روئی کی مدد سے ٹونر لگالیں (کلینزنگ کے بعد ٹونر لگانے سے جو تھوڑے بہت کھلے مسام رہ جاتے ہیں وہ بھی بند ہوجاتے ہیں) ٹونر کرنے کے بعد دانے دار اسکرب فیس پر لگائیں اور تین سے چار منٹ اسکرب سے مساج کریں (جب اسکرب سوکھتا محسوس ہو تو ہاتھ گیلا کرکے دوبارہ سے مساج کریں) پھر ٹائم مکمل ہونے پہ فیس واش کرلیں گیلے فیس کو ٹاول کے ساتھ ہلکے سے صاف کرلیں (سختی سے کرنے سے جھائیاں پڑنے کا اندیشہ ہے) اسکرب کے بعد اسٹیم (بھاپ) لیں۔ گرم پانی یا اسٹیمر کے بالکل قریب نہ جائیں یہ چہرے کی جلد کی رگوں کے لیے مضر ہوسکتا ہے اگر اسٹیمر نہیں ہو تو ایک دیگچی میں پانی گرم کریں زیادہ ابلتا پانی نہ کریں جب پانی گرم ہوجائے تو دیگچی کو اپنے سامنے رکھیں، خیال رکھیں کہ آپ نے اپنے چہرے کو دیگچی سے ڈیڑھ فٹ دور رکھنا ہے دیگچی کو سیٹ کرنے کے بعد کوئی موٹا کپڑا اپنے سر اور دیگچی کے اوپر اس طرح لیں کہ بھاپ ڈائریکٹ آپ کے فیس پر لگے۔ کپڑے کو اس طرح ڈھانپیں کہ بھاپ کپڑے کے باہر نہ آنے پائے جتنا آپ برداشت کرسکتے ہیں اتنی بھاپ لیں۔ پھر بھی بھاپ کا دورانیہ چار سے پانچ منٹ ہونا چاہیے۔ بھاپ لینے کے بعد فوراً سے ٹشو

کے تھر وا پنی ناک پہ آئے بلیک ہیڈز نرمی کے ساتھ صاف کرلیں۔ بھاپ کی وجہ سے چہرے کے مسام کھل جاتے ہیں اور مردہ جلد کو آسانی سے صاف کیا جاسکتا ہے۔ بھاپ لینے کے بعد ٹھنڈے پانی سے چہرے کو دھولیں، لیکن رگڑنے کی کوشش ہرگز مت کریں۔ چہرے کو اب ٹاول کے ساتھ ہلکے سے صاف کرلیں پھر فیس ماسک لگائیں آنکھوں اور آنکھوں کے گرد کی جگہ اور ہونٹوں کو چھوڑ کر سارے فیس پر فیس ماسک لگالیں، ماسک لگاتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ ماسک کے دوران اپنے چہرے کو کسی قسم کی حرکت نہ دیں۔ مثلاً بولنے اور ہنسنے سے پرہیز کریں، ورنہ جھریاں پڑنے کا خطرہ ہے، ماسک کو نیچے سے اوپر کی طرف لگائیں، ماسک کو تقریباً 20 سے 25 منٹ تک لگائیں اور جب ٹائم پورا ہوجائے تو ٹھنڈے پانی سے فیس واش کرلیں پھر دل چاہے تو برف سے فیس پر ٹکور بھر کرلیں اب آپ کا چہرہ ایک دم فریش اور تقریبات کے لیے تیار ہے۔ ماسک آپ بازار سے بھی تیار حالات میں لے سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے کچن میں موجود چیزیں بھی گھریلو ماسک بنانے میں کام آئیں گی۔ پھول یا شہد کا ماسک آپ کی بڑھتی ہوئی عمر کی جلد کے لیے مناسب رہے گا۔ اس کے علاوہ کچھ ماسک بنانے کے طریقے بتا رہی ہوں۔

ککڑی کا ماسک:

ککڑی کے چند ٹکڑے لے کر میش کریں دو چمچے پاؤڈر ملک اور ایک انڈے کے ساتھ اسے پھینٹیں، خوب اچھی طرح پھینٹنے کے بعد چہرے اور گردن پر اچھی طرح ملیں سوکھنے پر اسے پانی سے دھولیں اور برف کی ٹکور کرلیں۔

✿ بھٹے کے چند دانے لے کر ان کا جوس نکال لیں جوس میں سے نکلنے والا سفید مادہ چہرے اور گردن پر لگا کر اسے سوکھنے دیں اور پھر ٹھنڈے پانی سے دھولیں۔

✿ ایک انڈے کی سفیدی لیں اس میں تھوڑا شہد اور ایک چمچہ لیموں کا رس ملالیں پھر سب چیزوں کو اچھی طرح پھینٹ لیں پھر ہاتھ کی مدد سے ماسک کو چہرے پر لگائیں سوکھنے پر ٹھنڈے پانی سے دھولیں، چہرہ تروتازہ ہوگا۔

دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

(فرح طاہر ...... ملتان)

## غزل

پھر سے اجل نے زخم لگایا ہے کیا کہیں
یہ کس "بلا" کا وطن پہ سایہ ہے کیا کہیں
ہر روز اک نئی ہی قیامت ہے منتظر
ورثے میں درد ہم نے یہ پایا ہے کیا کہیں
جو گوہر نایاب تھے سب خاک میں ملے
اب "پتھروں" نے راج جمایا ہے کیا کہیں
پتھرا گئی ہیں آنکھیں، تو شل ہوچکے بازو
ایسا یہ دیس خوں میں نہایا ہے کیا کہیں
ٹوٹے ہوؤں پہ کب تلک ٹوٹیں گی آفتیں
کیسا نصیب ہم نے یہ پایا ہے کیا کہیں؟
اب تو ملے نجات نحوست سے غیر کی
جس نے تماشا ہم کو بنایا ہے کیا کہیں
[illegible]
[illegible]
نازی کو بھی اس دکھ نے رلایا ہے کیا کہیں

(نازیہ کنول نازی)

## غزل

دیپ یادوں کے کیا جھلملائے بہت
اشک میری نگاہوں میں آئے بہت
ہم کسی موڑ پر بھی نہ پیچھے ہٹے
ہم نے وعدے وفا کے نبھائے بہت
جسم جلتا رہا دھوپ کی آگ میں
میرے ہمراہ تھے غم کے سائے بہت
درد کا ایک طوفان سینے میں تھا
پھر بھی تیرے لیے مسکرائے بہت

پیار میں بھی ملا درد رانا ہمیں
بے وفائی کے بھی زخم کھائے بہت

(قدیر رانا ...... راولپنڈی)

## غزل

میری آنکھوں میں ایک خواب ہے
اور وہ اک سراب جیسا ہے
اس سے ملنے میں اک قباحت ہے
اس کا ملنا سحاب جیسا ہے
مجھ کو چھاؤں کی کس قدر ضرورت ہے
اور اس کا ساتھ آفتاب جیسا ہے
زیست جب اس کے بغیر گزرے گی
تو پھر یہ اضطراب کیسا ہے
[illegible]
[illegible]
ہم یاراں کی بات رہنے دو
سامنے ہے جو سراب کیسا ہے
ہم سفینے کے ڈگمگانے پہ نہ گھبرائے
مگر بھنور یہ زیر آب کیسا ہے
زیست کی راکھ رت میں
کس کا چہرہ ہے جو گلاب جیسا ہے
میرے سارے سوالوں کا انجام
اس کے بس اک جواب جیسا ہے
اسے بھولنے کی جسارت ہوگئی ہے
ہمارے دل میں یہ انقلاب کیسا ہے

(زینت عبدالصمد ...... میرپور ساکرو)

## غزل

کوئی خیال مجھے راہ سے بھرنے نہیں دیتا
اک شخص ہے جو پھول کو کھلنے نہیں دیتا
میں ساحل کی لہروں پر اس کا نام لکھتی ہوں
مگر پانی سمندر کا اسے اُبھرنے نہیں دیتا
محبت میں بہت سی منزلیں ایسی بھی آتی ہیں
بہت سے زخم لگتے ہیں جنہیں وقت سلنے نہیں دیتا
اپنے وجود سے ہر کسی کو پیار ہوتا ہے
ٹوٹا ہوا تارا، آسمان بھی گرنے نہیں دیتا
کوئی پیاسا محبت کا، اگر فریاد کرے تو
خالی وہ کاسے کو پھر گزرنے نہیں دیتا
اگر سزا دے بھی تو تڑپنے کی سزا دیتا ہے
پھر یہ بھی ادا اس کی کہ رونے نہیں دیتا
عقاب ہمیشہ گردن اکڑا کر چلتا ہے
ہما شکار وہ اپنا کبھی گرنے نہیں دیتا

(ہما ایوب شیخ......عارف والا)

### مجھے رسوا نہیں کرنا

مجھے رسوا نہیں کرنا
کبھی ایسا نہیں کرنا
جدائی بھی جو آ جائے
تم دل بے زار نہ کرو
بہت سا کرو تم مجھ کو یاد
مجھے سوچو تم ہر دم یار
تو بھی مجھ کو اپنی دعاؤں میں
یونہی آباد کیے رکھنا
خود کو مصروف کر لینا
اور مجھے سوچا نہ تم کرنا
مگر اک بات سن لونا
تم مجھے رسوا نہیں کرنا

(مریم ماہ منیر......لاہور)

## غزل

سپنوں کی بارات سجائی جاسکتی ہے
دل میں میٹھی آس جگائی جاسکتی ہے
دیواریں کب سنتی ہیں احوال مرا؟
پھر بھی کچھ تفصیل بتائی جاسکتی ہے
اس کو پیار کا تحفہ بھیجا جاسکتا ہے
[illegible] میں تصویر سجائی جاسکتی ہے
اک دوجے کے درد بٹائے جاسکتے ہے
نفرت کی دیوار گرائی جاسکتی ہے
پانی پر جب چاند اُتارا جاسکتا ہے
پانی پر تصویر بنائی جاسکتی ہے
اک لمحے کو آجائے وہ ملنے کو
آنکھوں کی یہ پیاس بجھائی جاسکتی ہے
جس نے خواب چُرائے میری آنکھوں کے
اس کی بھی تو نیند اُڑائی جاسکتی ہے
اس کے ایک اشارے پر بھی اے راشد
دل کی یہ جاگیر لٹائی جاسکتی ہے

(راشد ترین)

# بیاضِ دل

میمونہ تاج
biazdill@aanchal.com.pk

سویرا احمد......گوجر خان

تم سے ملے، مل کے بچھڑے، بچھڑ کر پھر ملے
ایسی بھی رہیں دوریاں ایسے بھی فاصلے رہے
تو بھی نہ مل سکا زندگی بھی رائیگاں گئی
تجھ سے تو خیر عشق تھا خود سے بڑے گلے رہے

اریبہ شاہ ہاشمی......بہاولپور

بچھڑتے لمحے بڑی دیر تک وہ رویا تھا
وہ اس سے بڑھ کر میرا اعتراف کیا کرتا
یہاں تو پل بھر میں بدل جاتے ہیں لوگ بھی کئی
وہ ساری عمر ہی میرا دیدار کیا کرتا

درخشاں لی......چونالہ

کتابوں میں رکھ کر سُلا گیا ہم کو
آنکھیں بند کیں اور بھلا گیا ہم کو
کھویا عجیب مسافر تھا
جو بارشوں کے موسم میں کچی دیواروں پر بنا گیا ہم کو

انا احب......فیصل آباد

محبت میں نہ ایسا بھی کوئی مجبور ہو جائے
کہ سینے سے لگا کر موت کو منصور ہو جائے
منا کر اس کو لے آؤں مگر اس بات کا ڈر ہے
کہیں ایسا نہ ہو وہ اور بھی مغرور ہو جائے

عفت قریشی......بہاولپور

شدتِ عشق میں رنجش کو بھی راحت جانا
ہم بگولوں کو بھی مستی میں صبا مان گئے
بات صرف اتنی تھی کہ ہم نے اسے چاہا دل سے
کچھ نے اچھا کہا اور کچھ بُرا مان گئے

ارم گل......ملتان

یہ بارِ فلک ہم نے زمیں پر نہیں رکھا
تھک کر کسی بھی کاندھے پر سر نہیں رکھا
کیوں ٹھوکریں لگتی ہیں کہ جب ہم نے کبھی
رستے میں کسی کے کوئی پتھر نہیں رکھا

حرا چوہدری......بورے والہ

بہت دور کہیں اندر تباہی مچا دیتے ہیں
وہ اشک جو آنکھوں سے بہہ نہیں پاتے
تمہارے ساتھ رہنا بھی مشکل ہے بہت
اور بن تمہارے ہم رہ بھی نہیں سکتے

کرن حسین......پیر بخاری، ملتان

غیروں میں ہے جو شاد، اسے عید مبارک
جس کو نہیں ہم یاد، اسے عید مبارک
معصوم سے ارمانوں کی معصوم سی دنیا
جو کر گیا برباد، اسے عید مبارک

خواجہ ماہ رُخ تاج......جتوئی

یوں زندگی میں [illegible] گیا کوئی
[illegible] نیندیں میری اڑا گیا کوئی
ہر پل خیالوں میں اس کے کھویا ہے من
کہ احساس دل میں محبت کا جگا گیا کوئی

اقرا اسماء......جنگو، جہلم

خدا کی اتنی بڑی کائنات میں، میں نے
بس اک شخص کو مانگا مجھے وہی نہ ملا
بہت عجیب ہے یہ قربتوں کی دوری بھی
وہ میرے ساتھ رہا اور مجھے بھی نہ ملا

ماریہ خان......حیات آباد

ہر ایک رات ہماری عذاب میں گزری
تمہارے بعد تمہارے ہی خواب میں گزری
میں ایک پھول ہوں وہ رکھ کے جسے بھول گیا
تمام عمر اس کے دل کی کتاب میں گزری

صنا نورین......منڈی بہاؤالدین

روشنیوں کی تلاش میں نکلا ہوں
اُلفتوں کی تلاش میں نکلا ہوں
موت کی کالی وادی میں تنہا
زندگی کی تلاش میں نکلا ہوں
صائمہ نورین...... میلسی

جب گزر جائے گی بہار تو کیا کرو گے
یاد آئے گا میرا پیار تو کیا کرو گے
ستاتے ہو ایسے جیسے اجنبی ہوں میں
روٹھ گیا جو اک بار تو کیا کرو گے
پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

روح میں پھول کھلے میرا مقدر چمکا
وہ جو آیا میرے گھر میں تو میرا گھر چمکا
کسی صحرا کی طرح تھیں میری آنکھیں پھیلی
اس کو چاہا تو ان آنکھوں میں سمندر چمکا
لائبہ ہاشمی...... باغ A.K

مل جاتے ہیں خاموشی سے ترسا نہیں کرتے
ہم اہل وفا بھی ایسا تماشا نہیں کرتے
چاہا تھا کسی کو تو کوئی بات بھی ورنہ
ہم لوگ تو اپنی بھی تمنا نہیں کرتے
عاصمہ امداد علی...... منڈی بہاؤالدین

کہیں دھرتی نہاتی ہے، لہو دریا کی موجوں میں
کہیں بارود کی بارش ہے انسانی ریاست پر
ستارے اشک بن کر بہہ گئے معصوم بچوں میں
فرشتے ہنس رہے ہیں ابن آدم کی سیاست پر
نورین صبا...... لیاری کراچی

محفل میں بات اُن کی رحمت کی چل رہی ہے
دنیا میرے نبیؐ کے صدقوں پہ پل رہی ہے
جس زمین پہ پڑے میری نبی کے قدم
وہ زمین اب تک سونا اُگل رہی ہے
سحرش...... ملتان

کسی کی خوش بُو نے پھول کو کر دیا پاگل
پھر اس کے بعد سماں کا سماں ہوا پاگل
میں نے نائمہ سے کہا مجھے اپنی زندگی بنالو
دھیرے سے اس نے ایک لفظ کہہ دیا "پاگل"
سدرہ اسلم...... کہروڑپکا

جلا کے پہلے اسے میرے نام کر جانا
اسی چراغ کو پھر بانہوں پہ دھر جانا
ہم اپنے گھر میں رہے ہیں مسافروں کی طرح
تمام عمر ہی رستے کو ہم نے گھر جانا
آسیہ عروج...... نوکوٹ

مسکراہٹوں کا کوئی مول نہیں ہوتا
کچھ رشتوں کا کوئی تول نہیں ہوتا
لوگ تو مل جاتے ہیں ہر راہ میں مگر
ہر کوئی تیری طرح انمول نہیں ہوتا
یاسمین کنول...... پسرور

یہ کیوں رک گئے کارواں چلتے چلتے
چلو دیکھتے ہیں نشاں چلتے چلتے
سمندر نہیں ہاتھ آئے گا ان کے
یہ تھک جائیں گی ندیاں چلتے چلتے۔
تسنیم چوہدری...... آکسفورڈ یو کے

یہ دل تو روز پہنچ جائے تیرے پاس یونہی
مگر یہ راہ میں جو اک زمانہ پڑتا ہے
یہ کیا ضروری ہے ہمیشہ کمان ہاتھ میں ہو
کبھی تو خود ہی نشانے پہ آنا پڑتا ہے



# یادگار لمحے

جویریہ طاہر
yaadgar@aanchal.com.pk

جنت میں داخلہ

ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا جی چاہتا ہے کہ میں جنت میں جاؤں مجھے بتایئے میں کیا عمل کروں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "سچ بولو کیونکہ جب آدمی سچا ہوتا ہے تو نیکی کرتا ہے اور جب نیکی کرتا ہے تو اس کے دل میں ایمان کی روشنی پیدا ہوتی ہے جب اسے ایمان نصیب ہوتا ہے تو وہ جنت میں داخل ہوتا ہے۔"

کرن حسین...... ملتان

دعا

کوئی ضبط دے نہ جلال دے
مجھے صرف اتنا کمال دے
میں ہر اک کی صدا بنوں
کہ زمانہ میری مثال دے
تیری رحمتوں کا نزول ہو
میری محنتوں کا صلہ ملے
مجھے مال و زر کی ہوس نہ ہو
مجھے رزقِ حلال دے
میری سانس میں تیرا ذکر ہو
تیرا خوف میری نجات ہو
سبھی خوف دل سے نکال دے (آمین)

سحر...... گوجرانوالہ

کچھ باتیں

♥ اہمیت دُکھ کی نہیں دُکھ دینے والے کی ہوتی ہے۔

♥ خوابوں کے اندر زندہ مت رہو لیکن اپنے اندر خوابوں کو زندہ رکھو۔

♥ ہم کسی کو اپنی مرضی سے چاہ تو سکتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بھی ہمیں چاہے۔

♥ محبت اس سے نہیں کی جاتی جو خوب صورت ہوتا ہے۔ خوب صورت وہ ہوتا ہے۔ جس سے محبت کی جاتی ہے۔

صبا نواز بھٹی...... سانگھڑ (سندھ)

سچے موتی

☆ اپنے لفظوں کی حفاظت کریں کیونکہ لفظ آپ کی عادت بن جاتے ہیں۔

☆ اپنی عادتوں کی حفاظت کریں کیونکہ عادتیں آپ کا عمل بن جاتی ہیں۔

☆ اپنے عملوں کی حفاظت کریں کیونکہ آپ کے عمل ہی آپ کی شخصیت بناتے ہیں۔

مدیحہ حیدر...... دبنی بالا

پھول

گلاب کا پھول...... محبت کے جذبوں کا اظہار کرتا ہے۔

سفید پھول...... پاکیزہ جذبات کا اظہار کرتا ہے۔

زرد پھول...... نفرت کا اظہار کرتا ہے۔

نرگس کا پھول...... انتظار کی کیفیت بیان کرتا ہے۔

نیلے پھول...... نیلے پھولوں کا تحفہ دینے والا مخلص ہونے کا اظہار کرتا ہے۔

لائبہ ہاشمی...... آزاد کشمیر

معلومات پاکستان

⌘ آبادی کے لحاظ سے پاکستان دنیا کے ساتویں

نمبر پر ہے۔

⌘ پاکستان میں ڈاک خانوں کی تعداد ساڑھے آٹھ ہزار ہے۔

⌘ پاکستان کا قومی ترانہ ایک منٹ اور بیس سیکنڈ کے دورانیے پر مشتمل ہے۔

⌘ پاکستان کے قومی ترانے کی موسیقی جی۔ اے چاگلہ نے دی۔

⌘ پاکستان کا قومی پرچم امیر الدین قدوائی نے تیار کیا۔

⌘ پاکستان کے پرچم کا ڈیزائن اقبال احمد نے تیار کیا۔

⌘ پاکستان کا سب سے اونچا مینار "مینار پاکستان" ہے۔ اس کی اونچائی 196 فٹ ہے۔

رانیہ خان رانی...... ڈی۔ جی خان

مجھے تعجب ہے

❖ اس شخص پر جو یہ جانتا ہو کہ ہر چیز مقدر سے ہے پھر بھی کسی چیز کے جانے پر افسوس کرے۔

❖ اس شخص پر جس کو آخرت میں حساب کا یقین ہو پھر بھی مال جمع کرے۔

❖ اس شخص پر جس کو جہنم کی آگ کا علم ہو پھر بھی گناہ کرے۔

❖ اس شخص پر جس کو جنت کی خبر ہو پھر بھی دنیا میں کسی چیز سے راحت پائے۔

❖ اس شخص پر جو شیطان کو جانتا ہو پھر کسی اور چیز کا ذکر کرے۔

مریم جبین...... نکال

آسمانوں تک

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی بندہ ایسا نہیں کہ لا الہ الا اللہ کہے اور اس کے لیے آسمانوں کے دروازے نہ کھل جائیں یہاں تک کہ یہ کلمہ سیدھا عرش تک پہنچتا ہے۔ بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔

اقراُ اسماء...... جنگو، جہلم

دل

◉ دل ایک صاف شفاف کاغذ کی مانند ہے جس پر جو رنگ بھرو گے وہی رہے گا۔

◉ اچھے خیالات دل کو تروتازہ رکھتے ہیں جب کہ برے خیالات دل کو مرجھا دیتے ہے۔

◉ اگر دل میں خلوص اور محبت نہ ہو تو ہر رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔

◉ خوب صورت احساس کے بنا دل ایسا ہی ہے جیسا کہ پھول خوش بو کے بنا۔

◉ دل بہت نازک ہے مگر خیالات اسے پتھر کا بنا دیتے ہیں۔

◉ اچھے خیالات دل کو خوب صورت اور حسین بنا دیتے ہیں۔

سحرش رانا...... پنڈی بھٹیاں

کرنیں

❁ پیار وہ نہیں وہ زندگی بھر ساتھ نبھائے پیار تو وہ ہوتا ہے جو زندگی کے کچھ لمحوں میں زندگی دے جائے۔

❁ لوگ کہتے ہیں دوست زندگی ہوتے ہیں' موت نہیں' مگر وہ لوگ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ دھوکا بھی زندگی دیتی ہے موت نہیں۔

❁ انسان کی لاش ہمیشہ پانی پر تیرتی ہے اس لیے کہ ڈوبنے کے لیے زندگی چاہیے۔

ارم گل مہرو...... باغ A.K

انمول موتی

☆ کسی پر اتنا خلوص مت نچھاور کرو کہ وہ آپ کے جذبات کو مذاق سمجھ لے۔

☆ بارش کا ایک قطرہ یوں تو کچھ بھی نہیں' مگر اس کی اصل قدر و قیمت تپتا ہوا صحرا جان سکتا ہے بھرا ہوا سمندر نہیں۔

☆ زندگی وہ سوال ہے جس کو حل کرنے بیٹھیں تو اس کا فارمولا ہی بھول جاتا ہے۔

☆ لمبی دوستی کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں۔ دوست سے غصے میں بات مت کرو' دوست کی کوئی بات جو وہ غصے میں کہے اسے دل پر مت لو۔

☆ پیار اس سے نہیں کرو جو دنیا میں سب سے خوب صورت ہو بلکہ اس سے پیار کرو جو تمہاری زندگی کو خوب صورت بنا دے۔

☆ اپنی بات کی وضاحت مت کرو' تمہارے دوست کو اس کی ضرورت نہ ہوگی اور تمہارے دشمن اس پر یقین نہیں کریں گے۔

اریبہ کائنات...... چونیاں

لفظ لفظ خوشبو

☽ کوئی اپنا ناراض ہو تو یہ نہ سوچو کہ خود ہی مان جائے گا کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی اور اس کی اداسی کی وجہ اتنے پیار سے پوچھے کہ وہ اسی سے دل لگا بیٹھے۔

☽ زندگی دو دن کی ہے ایک دن تمہارے حق میں' ایک دن تمہارے خلاف۔ جب تمہارے حق میں ہو اس دن غرور نہ کرنا اور جب تمہارے خلاف ہو اس دن صبر کر لینا۔

☽ زندگی میں کوئی خوشی' کوئی رشتہ' کوئی جذبہ بھی مستقل نہیں ہوتا۔ ان کے بھی پاؤں ہوتے ہیں ہمارا سلوک اور رویہ دیکھ کر کبھی یہ بھاگ کر قریب آجاتے ہیں اور کبھی آہستہ آہستہ دور چلے جاتے ہیں۔

☽ جس کی امید اللہ کے ساتھ وابستہ ہو وہ ناکام نہیں ہوتا' ناکام وہ ہوتا ہے جس کی امیدیں دنیا والوں سے وابستہ ہوں۔

شنیلہ شاہم...... جھمرہ سٹی

خوب صورت لفظ

+ جو کام کر اپنے خدا کے لیے کر اس میں بندوں سے خوف نہ کر۔

+ بدگمانی کو اپنے اوپر غالب مت کر کہ تجھے دنیا میں کوئی ہمدرد نہ مل سکے۔

+ قبر میں نہ کھانا ملتا ہے نہ پانی لہٰذا موت کے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے اپنے گھر سے (زندگی ہی میں) اعمال حسنہ اور ذکر الٰہی کا متاع ذاتی ساتھ لے کر جا۔

+ لوہے کا ایک کلہاڑا لکڑی کے جنگل سے ایک چھلکا نہیں اتار سکتا جب تک اس کے ساتھ لکڑی کا دستہ شامل نہ ہو۔

+ گناہ اتنے کرو جن کی تم تاب لا سکو یعنی جتنی تم سزا بھگت سکو۔

+ دوست تو وہ ہے جو تنہائی میں تجھے تیرے عیب بتائے اور تیری غیر موجودگی میں تیری تعریف کرے اور مشکل وقت میں تیرے ساتھ ہو۔

نسیم چوہدری...... آکسفورڈ یو کے

ایک کانسٹیبل نے بچاؤ بچاؤ کی آواز سن کر کنوئیں میں رسی ڈالی تو ایک آدمی کا سر نظر آیا دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ ایس پی صاحب ہیں۔

کانسٹیبل نے فوری طور پر رسی چھوڑ دی اور سلیوٹ کرتے ہوئے کہا۔

"السلام علیکم سر۔"

(ثوبیہ شہزادی...... کھڈیاں خاص)

# آئینہ

شہلا عامر

aayna@aanchal.com.pk

سیدہ امبر اختر' چندی پور السلام علیکم شہلا آپی اینڈ آنچل اسٹاف! کیا حال چال ہیں۔ خدا کرے آپ ہمیشہ خوش رہیں۔ آنچل سے میرا تعلق تین سال سے ہے۔ میں نے پہلی مرتبہ آئینہ میں حاضری دی۔ خدا آپ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے آمین۔ اللہ حافظ۔

فرزانہ فیصل' فیصل آباد۔ سویٹ شہلا آپی آنچل اسٹاف تمام رائٹرز اور ریڈرز کو میرا محبت بھرا سلام۔ اللہ تعالیٰ پاکستان اور اس میں رہنے والوں کو اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین۔ اب آتے ہیں اس ماہ کے آنچل کی طرف جس کو پانے کے لیے اس دفعہ بڑی محنت کرنی پڑی۔ بھائیوں کو کافی چکر لگانے پڑے لیکن آنچل نہیں ملا۔ پھر اویس کی بڑی منتیں کیں پھر وہ گیا تو رسالہ لے کر ہی گھر آیا۔ ٹائٹل گرل دیکھ کر دل خوشی سے جھوم اٹھا اتنی سادہ سی ٹائٹل گرل پھر میرے فیورٹ کلر میں سادگی اُف کیا بتاؤں بہت خوشی ہوئی۔ پھر سرگوشیاں پڑھیں۔ نازیہ آپی اور سمیرا آپی کی بیماری کا پڑھ کر دکھ ہوا اللہ پاک انہیں جلد از جلد صحت یابی عطا فرمائے وہ بالکل تندرست ہو جائیں آمین۔ اس کے بعد جمپ لگا کر سمیرا آپی کے پاس گئے وہاں کا منظر دیکھ کر ایک لمحے کے لیے تو ہم بھی گھبرا گئے پھر آہستہ آہستہ سب کچھ سمجھ میں آ گیا وہ زرش عقل مند ہو گئی ہے کہ وہ واپس کراچی نہیں گئی۔ بلکہ وہیں رو کر [illegible] جائے ہم سے بہت خوشی ہوئی ہے سمعان اور زرش کا پڑھ کر جیسے وہ دونوں خوش ہوتے ہیں اب تو یہی دعا ہے کہ زرش سمعان کو سمجھ جائے اس سے پہلے پیار کرتی تھی اب بھی ویسا ہی پیار دے دوسری طرف نوریہ اور شارق کے درمیان کشیدگی کو پڑھ کر افسوس ہوا اور ذہن سوچ میں پڑ گیا کہ کوئی شارق جیسا بندہ یہ سب کیسے کر سکتا ہے کہ پہلے طوفانی محبت پھر نہ ختم ہونے والی اذیت دیتا ہے' اگر اس نے ایسا ہی کرنا تھا تو کیوں اس کو برباد کیا اس کو لوگوں کی نظروں میں گرایا میرے خیال میں شارق کو سچے دل سے معافی مانگنی چاہیے۔ نوریہ سے اور نوریہ کو کمپرومائز کر لینا چاہیے۔ اپنے بیٹے کی خاطر سمجھوتا کر لینا چاہیے۔ پلیز اب اس ناول کا اختتام کردیں مہربانی ہوگی۔ عشنا کوثر کے گھر گئے تو وہاں کا منظر دیکھ کر تو بہت حیرانی ہوئی یہ کیا ہو گیا ایسا تو کبھی نہ سوچا تھا کہ معارج جیسا بندہ یہ کام کرسکتا ہے۔ چلیے کہتے ہیں نہ جو قسمت میں لکھا ہو' ہو کر ہی رہتا ہے۔ اب وہ دونوں خوش رہیں۔ باقی سلسلے وار ناول اور افسانے اور مکمل ناول سب اچھے تھے۔ نادیہ فاطمہ رضوی کا (قندیل سے جگنو میں روشنی) زبردست تھی' دکھی بھی۔ بہرحال ساری تحریریں اچھی تھیں۔ عطرِ دبہ کی شاعری اچھی لگی۔ انعم خان کی شاعری بھی اچھی تھی۔ بیاض دل میں نازیہ کنول نازی' انیلا کنول اور مریم کے شعر اچھے تھے۔ اب چلتے ہیں' کہیں یہ نہ ہو کہ شہلا آپی جگہ ہی نہ دیں آئینہ میں شہلا آپی ایسا ظلم نہ کیجیے گا۔ سب کو سلام



اور دعائیں ہم سب کو اور ہمارے آنچل کو اللہ اپنے حفظ وامان میں رکھے اور میری طرف سے آپ سب کو نیا سال مبارک۔ خدا کرے یہ سال ہمارے لیے امن' سلامتی' محبت کا سال ہو۔ اللہ حافظ۔

ثناء شفیق' تاجک (اٹک)۔ ڈیئر رائٹرز اینڈ ریڈرز آنچل اسٹاف السلام علیکم! دسمبر کا مہینہ اپنی اداسیوں سمیت گزر رہا ہے۔ اللہ کرے نیا سال خوشیوں کا پیام بن کر آئے۔ اس ماہ کا آنچل 26 تاریخ کو ہی مل گیا۔ بے تابی سے کھول کر فرحت آنی کی سرگوشیاں پڑھیں۔ ارے بھی یہ کیا؟ نازی بیمار ہیں اللہ ان کو صحت اور زندگی دے ان کے ناول کے بغیر تو آنچل ادھورا ہے سچ میں بڑی کمی محسوس ہوئی۔ ''یہ چاہتیں یہ شدتیں'' شکر خدا کا کہ زرش کو عقل آ گئی (تھوڑی بہت) شارق زمان پر حد درجہ غصہ آتا ہے۔ اتنی اچھی پاک باز بیوی کو بدکردار کہلواتا ہے۔ خود ایسا ہے تو اس لیے نا۔ ایسے گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے والے مردوں کو اگر پاک باز بیوی مل جائے تو یہ اپنے کردار کے رنگ اس میں ڈھونڈنے کی کوشش میں ہوتے ہیں ان کے دل میں شک بیٹھا ہی ہوتا ہے۔ اس کے لیے تو اسی جیسی کوئی ہونی چاہیے تھی۔ ''اور کچھ خواب'' عشنا جی ویلڈن ناول زبردست طریقے سے آگے بڑھ رہا ہے۔ معارج کے مزاج کے کتنے رنگ ہیں ہر دفعہ دھماکا اور نشانہ بھی ہر دفعہ انایا ہی بنتی ہے۔ ''جان جاں تو جو کہے'' راحت وفا نے بالآخر تانیہ کو خرم کے گھر پہنچا ہی دیا۔ تانیہ یہ سمجھتی ہے کہ ماڈرن اسٹائل میں کوٹھی تعمیر کرنے اور شہر بدل لینے سے انسانی اقدار اور تہذیب بھی بدل جاتی ہیں۔ ادھر اماں جی سے تنگ تھی وہاں خرم کی ماں بھی اماں جی کی کاپی۔ ویلڈن اب اس کو آئے گی عقل۔ ویسے اس کے ماں اور باپ [illegible] بہت حساس ہوتی ہے اس معاملے میں سیمین انجم انصاری کا ناول بیسٹ رہا بہت پسند آیا اس کے علاوہ انعم خان اور نادیہ فاطمہ رضوی نے بھی بہت اچھا لکھا۔ انعم خان کا تبصرہ بہت زبردست تھا۔ اور ثمینہ ناز کا تبصرہ بھی شاندار لگا۔ آپ کی پسند میں مریم جبیں اور اویس روا کا انتخاب پسند آیا۔ زندگی رہی تو اگلے ماہ پھر حاضر ہوں گے فی امان اللہ۔

شاہینہ خان شانی...... لانڈھی کراچی۔ السلام علیکم! شہلا آپی امید کرتی ہوں آپ ہمیشہ کی طرح خوش باش اور فٹ فاٹ ہوں گی اور آنچل کا پورا اسٹاف بھی خیریت سے ہوگا۔ خاص کر فرحت آنٹی او کے اس ماہ کا شمارہ 2 تاریخ کو ہاتھ لگا۔ دوپہر میں اور شام تک ختم بھی ہو گیا۔ تو جی ٹائٹل اچھا تھا پھر بھاگ کر فرحت آنٹی کی سرگوشیاں سنیں تو یہ کیا نازیہ جی نے ٹلا مار دیا پھر پتا چلا کہ ان کی طبیعت ناساز ہے۔ تو تہہ دل سے دعا کی اور فٹ سے پہنچے ''یہ چاہتیں یہ شدتیں'' اُف زرش کم عقلی کر رہی ہے اور سمعان کو بھی زرش کو تھپڑ نہیں مارنا چاہیے تھا وہ پہلے سے اپ سیٹ تھی طاہرہ کی وجہ سے پھر جلدی جلدی عشناء جی کے پاس پہنچے۔ عشنا جی زبردست ناول ہے تھوڑا فلمی ہے مگر پھر بھی بہت اچھا ہے۔ ناول میں سب کچھ رئیل تھوڑی نا ہوتا ہے۔ اس طرح تو ناول ڈیفرینٹ ہوتا ہے تو کیا ہوا کہ تھوڑا سا فلمی ہے۔ ہم فلمیں بھی تو پسند کرتے ہیں۔ ہمیں ناولوں سے مختلف چیزیں سیکھنے کو ملتی ہیں۔

ہمیں ناول سے پوزیٹو پوائنٹ کو نوٹ ڈاؤن کرنا چاہیے۔ اوکے راحت جی آپ کا ناول بھی اچھا جارہا ہے۔ میں پھر سے کہہ رہی ہوں سامعہ کو قربانی کا بکرا مت بنائیے گا پلیز اور تحسین انجم کا ''تیرے پہلو کے سمن اور گلاب'' بہت خوب صورت ناول تھا اور انعم خان کا ''محبت جان لیتی ہے'' ناولٹ بہت افسوس ناک تھا۔ اور نادیہ فاطمہ رضوی کا ''قندیل سے ہے جیون میں روشنی'' بڑا ہی دل گداز اور دل کو چھو جانے والا ناول تھا۔ بیاضِ دل میں تو لگتا ہے جی مقابلے پر اُترے ہوئے تھے ایک سے بڑھ کر ایک زبردست جی۔ یادگار لمحے بھی سوپ تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مجھے اور ہمارے اس ملک کو اپنے حفظ و امان میں رکھیں اور ہماری پیاری دھرتی سے قتل و غارت گری کا نام و نشان مٹادے (آمین ثم آمین)۔

انا احب...... فیصل آباد۔ السلام علیکم! ہاؤ آر یو۔ ہوپ سو یو ول بی فائن۔ آئی ایم پرفیکلی آل رائٹ۔ ٹائٹل بالکل پسند نہیں آیا۔ ''سرگوشیاں'' پڑھ کے بے چین ہوا گئی۔ اللہ تعالیٰ نازیہ کو صحت کاملہ عطا فرمائے (آمین)۔ نبیلہ خان، سلمٰی اور عاصمہ سے ملاقات اچھی رہی۔ عاصمہ اور نبیلہ کی شاعری پسند آئی۔ نادیہ نے اچھا لکھا۔ تحسین انجم انصاری بازی لے گئیں۔ زبردست لکھا۔ بہت مزہ آیا۔ عشنا آپی کہانی ہماری مرضی کے مطابق چل رہی ہے۔ تھینک یو سو مچ۔ انعم خان اچھا لکھا آپ نے۔ بلکہ بہت اچھا۔ سمیرا آپی اب تیزی سے فارورڈ کریں۔ فریدہ جی ہمارا دل آپ کے نام۔ ہما شاہ، بہت خوب صورت لہجہ ہے آپ کا۔ ''بیاضِ دل'' میں نازیہ، بشریٰ، عنبرین، پروین، فرح، کرن وفا، [illegible] شاہ، کرن شاہ، عابدہ، ظل ہما، حیا امیر، اقراء، رشیدہ نورین اور [illegible] کا انتخاب اچھا تھا۔ یادگار [illegible] [illegible] اللہ [illegible]

شمائلہ اکرم...... شاہین آباد۔ السلام علیکم! فرواوت [illegible] سویٹ شہلا آپا اینڈ ریڈرز! کیسی ہو آپ سب؟ یقیناً مزے میں ہوں گی۔ دسمبر کا آنچل 29 کو ملا۔ ٹائٹل گرل، آئی مین ماڈل نے کچھ خاص متاثر نہیں کیا۔ آپ لوگوں سے ریکوئسٹ ہے۔ پلیز ٹائٹل کچھ اچھا دیا کریں۔ آؤٹ لک سے بہت اچھا تاثر پڑتا ہے۔ مجھے ان ریڈرز پر بہت رشک آتا ہے۔ جنہیں آنچل 24 کو ہی مل جاتا ہے۔ بہت لکی ہو یار، مجھے کافی لیٹ ملتا ہے۔ بہرحال چھوڑیے تبصرے کی جانب بڑھتے ہیں۔ سب سے پہلے ''حمد و نعت'' سے مستفید ہوئے۔ اس کے بعد ''در جواب آں'' میں قدم رکھا۔ فرحت آنی آپ کی تو کیا ہی بات ہے۔ سب کے لیٹرز کے بہت اچھے جوابات دیتی ہو اینڈ بہت اچھی ہو۔ مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح بہت اچھے تھے۔ اب بڑھتے ہیں سلسلے وار ناولز کی جانب۔ نازیہ جی کا ''پتھروں کی پلکوں پر'' بہت اچھا جارہا ہے۔ ویسے اس کا عنوان ''پتھروں کی لکیروں پر'' ہونا چاہیے تھا۔ نازی اپیا آپ سے ایک شکایت ہے۔ وہ یہ کہ آپ ہر قسط میں ایک نئے کردار کا اضافہ کردیتی ہو۔ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اتنے سارے کریکٹرز یاد بھی نہیں رہتے۔ اسٹوری پڑھ کر ذہن اُلجھن کا شکار ہونے لگتا ہے اور سب کچھ گڈمڈ ہوجاتا ہے۔ میرا اشارہ مراد علی اور بہزاد علی کی طرف ہے۔ مجھے ان کا اضافہ بالکل بھی اچھا نہیں لگا۔ پلیز بہزاد علی کو ازلہ کا عاشق مت بنایئے گا۔ ورنہ



اسٹوری کا چارم خراب ہوجائے گا اور آل آپ کی اسٹوری بہت اچھی ہے۔ ''یہ چاہتیں یہ شدتیں'' بہت اسٹرونگ ناول ہے۔ سمیرا جانی آپ کا قلم بہت خوب صورتی سے چلتا ہے۔ مگر آپ ایک زیادتی کرجاتی ہو۔ شارق زماں اور نوریہ کی اسٹوری بہت کم لکھتی ہو۔ یہ میرے فیورٹ کریکٹرز ہیں۔ اس کے علاوہ رضا اور رمشا آلسو مائی فیورٹ کریکٹرز۔ پلیز ان دونوں کپلز کی اسٹوری زیادہ لکھ کیجیے۔ آئی ہوپ آئندہ آپ شکایت کا موقع نہیں دوگی۔ عشنا جی کا ''اور کچھ خواب'' اپنے نام کی طرح اسٹرینج سا ناول ہے۔ عشنا جی! آپ کی اسٹوری میں ہیرو اینڈ ہیروئن ایک دوسرے کی بات دُہراتے بہت ہیں اور سوال کا جواب دینے کی بجائے اُلٹا سوال کرنے لگتے ہیں۔ سیکنڈلی، آپ کچھ باتیں بہت یوز کرتی ہیں۔ لائک ''وہ مسکرایا تھا، وہ بغور دیکھ رہی تھی، وہ چونکی'' وغیرہ۔ اس کے علاوہ کریکٹرز بہت بے باک ہوتے ہیں۔ خصوصاً معارج تغلق، ایک اور بات اناپا جب معارج تغلق کو پسند نہیں کرتی تو پھر اس کی قربت پاکر زم کیوں پڑجاتی ہے۔ وری اسٹرینج۔ پلیز اسٹوری میں کچھ مزے کی چیزیں ایڈ کریں۔ تاکہ اسٹوری پڑھنے میں من لگے۔ پلیز عشنا جی مائنڈ مت کیجیے گا۔ میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں ہے۔ بلکہ یہ بتانا ہے کہ کچھ امپروومنٹ کے ساتھ آپ کی کہانی اچھی بن سکتی ہے۔ اوکے اللہ حافظ۔

تصویر العین...... اوکاڑہ۔ السلام علیکم! کیا حال ہے؟ آپ لوگوں کی بڑی عید کیسی گزری۔ ٹائٹل پر ماڈل گرل تو نہیں البتہ اس کے بال اور ساڑھی بہت پسند آئی۔ سرگوشیاں میں فرحت آپی کی سرگوشیوں کو سنتے ہوئے [illegible] [illegible] آنچل میں [illegible] خان [illegible] سے ملاقات [illegible] گوار رہی۔ جیون ساتھی پر سرسری نظر دوڑاتے ہوئے ''قندیل سے جیون میں روشنی'' میں داخل ہوئے نادیہ فاطمہ رضوی سے معذرت کے ساتھ کہ یہ کہانی کچھ خاص اچھی نہیں لگی۔ ''جان جاں تو جو ہے'' یہ ناول جہاں شروع ہونے سے پہلے تھا وہیں اب تک یا اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی سوائے عادل کی زندگی میں کرن کے داخل ہونے کے۔ ''اور کچھ خواب'' عشنا کوثر سردار آپ شروع میں کہانی کے پہلے دو کرداروں پر بہت فوکس رکھتی ہیں۔ لیکن بعد میں جاکر انہیں بھول جاتی ہیں اور دوسرے کرداروں کو سامنے لاتی ہیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ انہیں ساتھ ساتھ رکھیں یا بعد میں ان کی اہمیت کم نہ کریں؟ ''یہ چاہتیں یہ شدتیں'' میں زرش میں تبدیلی آرہی ہے۔ اب ہوسکتا ہے کہ جلد ہی طاہرہ بیگم بھی اپنی غلطی کی تلافی کردیں۔ ساتھ ہی اب یہ دیکھنا ہے کہ نوریہ اور شارق کے درمیان بڑھتے ہوئے فاصلوں کو نواز ختم کرپائے گا کہ نہیں۔ بیاضِ دل میں امبر امین، دیا علی، وینا وہاب، شمائلہ میر، اسما کاشف کے اشعار پسند آئے۔ یادگار لمحے میں مریم جبیں کی باتوں نے دل کے تاروں کو چھولیا اور باقی یادگار لمحے تو واقعی میں یادگار ہوتے ہیں۔ آپ کی پسند میں مریم جبیں نکال کی پسند، میرے وطن کے اُداس لوگو، بہت پسند آئی۔ اب آتے ہیں آئینے میں جہاں سب سے پہلا سامنا کنیز فاطمہ سے ہوا وہ شہلا آپی سے شکوہ کررہی تھیں کنیز جہاں تک میرا خیال ہے آپ کے خط کے شائع

ہونے کے بعد اس غزل کی توضیح ویسے ہی ہوگئی ہوگی۔ انا احب سوائے سائرہ کے سب کی تعریف کرتی نظر آئیں۔ طاہرہ بتول سب سے پہلے تو دعائیں دینے کے لیے شکریہ، آپ کا تبصرہ پڑھا یقین مانیے بہت اچھا لگا، ثناء شفیق۔ "یہ چاہتیں یہ شدتیں" پر بڑی تفصیلی روشنی ڈالی۔ باقی کے بارے میں بھی تھوڑا بہت لکھ دیتی تو اچھا ہوتا۔ بینش کھد ریالہ مجھے آپ کے تبصرے میں ایک بات نے بہت حیران کیا کہ آپ آنچل کو دو دن میں ختم کرتی ہیں میں تو ایک گھنٹے میں پورا آنچل پڑھ لیتی ہوں آپ اتنی دیر آنچل کے ساتھ کیا کرتی ہیں۔ انعم خان آپ کا تبصرہ بہت بہت اچھا تھا۔ ماورا شاہ آنچل میں آپ کی آمد کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ امید ہے کہ آئندہ اپنے تفصیلی تبصرے کے ساتھ شامل ہوں گی۔ آخر میں تمام بہنوں کے لیے یہ خبر کہ اقصیٰ صابر بٹ کی شادی ہوگئی ہے اور وہ اب مسز مصطفیٰ ہے یہ خبر مجھے ایک بااعتماد ذریعے سے حاصل ہوئی ہے۔ کوئی غلطی ہوگئی ہو تو معذرت۔ تمام بہنوں کو سلام آئندہ ماہ ملاقات ہوگی، اللہ حافظ۔

مسز نازیہ عابد...... حیدر آباد۔ السلام علیکم! شہلا آپی اور تمام قارئین تو آپ سب کیسے ہیں۔ چلیں اب تھوڑا سا چھوٹا موٹا تبصرہ ہوجائے۔ تو سب سے پہلے ہمیشہ کی طرح سرگوشیاں اور حمد و نعت سے مستفید ہوکر سلسلے وار ناولوں کی طرف دوڑ لگادی۔ کیونکہ آنچل کے سلسلے وار ناولوں کا ہمیں بے صبری سے انتظار ہوتا ہے۔ "پتھروں کی پلکوں پر" بہت اچھا جارہا ہے۔ امامہ کی آخر شجاع کے ساتھ شادی ہو ہی گئی اور اب انوشہ پر بھی نازی جی رحم کھایئے۔ بے چاری بہت ظلم سہہ رہی ہے۔ "یہ چاہتیں یہ شدتیں" واہ بھئی پہلے سمعان کی ماں کے فون کی وجہ سے زرش کو غصہ اور اب زرش اور [illegible] کی فون پر ہونے والی گفتگو نے دونوں کے درمیان دوریاں پیدا کردیں، لیکن مجھے یقین ہے اب آگے سب ٹھیک ہونے والا ہے۔ آخر زرش نے اپنے آپ کو [illegible] کرلیا کیونکہ سمعان زرش کو تکلیف میں کہاں دیکھ سکتے ہیں، اب میرے خیال میں ساری غلط فہمیاں دور ہوجانی چاہئیں۔ باقی سب ناول اور سلسلے ہمیشہ کی طرح بیسٹ تھے۔ آپ سب کے لیے دعا گو اور آپ لوگ بھی دعاؤں میں یاد رکھیے گا، شکریہ۔ اللہ آنچل کو ترقی دے، آمین۔

غزل یوسف...... گجرات۔ السلام علیکم! ڈیئر آپی شہلا۔ کیسی ہیں آپ؟ تمام آنچل اسٹاف اور قارئین کی خیریت مطلوب۔ میں کسی بھی ڈائجسٹ میں پہلی بار شرکت کررہی ہوں اور پہلی بار اس طرح کسی کو خط لکھ رہی ہوں، پتا نہیں کیسا لکھوں آپ کو پسند آئے یا نہ آئے، قبول کرلیجیے گا۔ اب آتے ہیں آنچل کی طرف تو آنچل کی تعریف ہم کیا کریں تو سارا زمانہ کرتا ہے۔ آنچل بہترین تفریح کا ذریعہ اور اصلاحی سرگرمی ہے یہ بہت سے لوگوں کے لیے راہ راست ہے۔ اس کے تمام سلسلے بہترین اور منہ بولتی تعریف ہیں آپ کی شخصیت میں اے ایس صدیقی بہت اچھا کام کررہے ہیں وہ ایسی باتیں بتاتے ہیں جو عام سننے میں نہیں ملتی، ڈاکٹر ہاشم مرزا تو بہت ہی اچھے ہیں کہیں دور ہوکے بھی دنیا کے کونے کونے میں لوگوں کی مدد کررہے ہیں، شکریہ۔ باقی سب بھی بہت اچھے ہیں۔ میرے ہاتھ جب بھی آنچل لگتا ہے، سب سے پہلے بیاضِ دل پڑھتی ہوں پھر مکمل ناول پھر سلسلہ وار



کی طرف آتی ہوں، راحت وفا، عشنا کوثر سردار، سمیرا، سعدیہ اُمل بہت اچھا لکھتی ہیں۔ نازیہ کنول نازی جی کی تو کیا ہی بات ہے شاعری میں ناول لکھنے میں اپنی مثال آپ ہیں۔ مشتاق احمد قریشی بھی دین کو پھیلانے کا کام بخوبی سرانجام دے رہے ہیں۔ کالج جاتی ہوں اس لیے آہستہ آہستہ مہینے میں ناول ختم کرتی ہوں۔ شہلا آپی مجھے آپ کو خط لکھنے کا مقصد بیان کرنا ہے جو بہت ضروری ہے۔ پوچھیے تو کیا؟ ایک تو آنچل کی تعریف کرنا جو مجھے بڑا شوق تھا کروں اور دوسرا سائرہ مشتاق سے دوستی کرنا۔ نومبر کے آنچل میں سائرہ کا انٹرویو پڑھا۔ ہمارا آنچل میں انہوں نے اپنے بارے میں لکھا تھا ان کی کوئی دوست نہیں مخلص اور ان کو تلاش ہے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔ اب ہم اجازت چاہیں گے ڈھیر دعاؤں کے ساتھ جو آپ کو دینا ہیں۔ اللہ آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے۔ اللہ آپ تمام آنچل اسٹاف، ریڈرز کو اپنی حفظ و امان میں رکھے اور ہمارے ملک کو جنگلی بھیڑوں سے بچائے جو اس کو تباہ کرنے کے درپے ہیں، فی امان اللہ۔

رابعہ اکرم...... فیصل آباد۔ السلام علیکم! ڈیئر آنچل فیملی اینڈ فرینڈز امید ہے آپ سب پھولوں کی طرح ہنستے مسکراتے ہوں گے۔ بہت دنوں بعد حاضری دی ہے تو جی امید ہے آپ میں سے کسی ایک گوڈی نے تو سوچا ہوگا کہ یہ رابعہ بی بی کہاں گواچ گئی ہے۔ ہائے رے خوش فہمی۔ اوکے جی اب میں چلتی ہوں تبصرے کی جانب تو جناب آنچل 27 کو رات کے وقت ملا۔ او جی بھائی رات کو آفس سے آتے ہوئے امین چور بازار سے لے آئے تو میں نے جلدی جلدی نازی کا ناول ڈھونڈا جو نہ ملنا تھا نہ ملا۔ افسوس ہے۔ اللہ تعالیٰ نازی آپ کو صحت و تندرستی عطا فرمائے آمین اور آپ دونوں فیملی کی [illegible] پوری کرو۔ پھر جان جاناں [illegible] غرض ہیں اور کچھ خواب چلو یہ بھی ٹھیک ہے۔ جس کا دل کیا ماں باپ کے سامنے اس کی بیٹی کو پکڑ نکاح کردیا واہ کیا بات ہے...... "یہ چاہتیں یہ شدتیں" شارق جیسا گدھا کبھی نہیں دیکھا، ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔ گدھے کا دماغ ہی اُلٹا ہے عقل نام کی چیز نہیں ہے اس میں۔ زرش بھی کمال کرتی ہے اتنی پیاری باتیں سمعان کررہا ہو وہ پھر مرغے کی ایک ٹانگ دل کرتا ہے اسے چٹکی طراان فیتنی لگاؤں اور طاہرہ بیگم تو روبوٹ ہے ان کی بہن نے جو کہا وہ حرف آخر، تحسین آنٹی بہت پیارا آپ کا ناول، نادیہ فاطمہ رضوی بہت پیارا لکھا تم نے۔ انعم کی حقیقت کی عکاسی کرتی اسٹوری بہت اچھی تھی۔ آپ سب کے لیے اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ اب آتی ہوں مستقل سلسلے میں تو نبیلہ خان، سلمٰی اکبر، عاصمہ امداد تم سب سے مل کر اچھا بہت اچھا لگا۔ شوکت علی اعوان حمیرا شوکت سادہ سا مختصر احوال اچھا لگا۔ باقی سب سلسلے ہمیشہ کی طرح بہت بہت پیارے ہیں۔ ٹوٹکے پسند آئے۔ اب اجازت دیں اگر زندگی نے وفا کی تو پھر ملیں گے، ان شاء اللہ۔ اللہ آنچل کو اور ترقی دے اور ہمارے پیارے پاکستان کی حفاظت فرمائے، آمین۔

# دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

dkp@aanchal.com.pk

ڈیئر نوشین اقبال نوشی کے نام

السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟ نوشی اللہ پاک آپ کو خوش اور سلامت رکھے آمین۔ آج آپ سے آنچل کے تھرو مخاطب ہوں، نوشین آج میں آپ سے اپنی بہن کی زندگی کی بھیک مانگتی ہوں پلیز آپ لوٹ آئیے وہ ٹوٹ رہی ہے۔ اسے آپ کے بنا جینا نہیں آ رہا۔ کوئی ایسا دن نہیں گزرتا جب وہ آپ کو یاد کر کے روتی نہ ہو۔ وہ اپنا بالکل خیال نہیں رکھتی، اس کی صحت بہت تیزی سے گر رہی ہے۔ وہ مر جائے گی آپ کے بنا۔ پلیز نوشی واپس آجاؤ اریبہ کے لیے، اس سے پہلے کے بہت دیر ہو جائے اور ہم سب اریبہ کو کھو بیٹھیں۔ پھر شاید آپ کو بھی معاف نہ کر سکوں پلیز دعا گو۔

کرن شاہ...... بہاولپور



سائرہ [illegible] کے نام

السلام علیکم! سائرہ جی کیسی ہیں آپ؟ سائرہ آپ کا تعارف پڑھا۔ جانے کیوں لگا بہت عرصے بعد کسی مزاج آشنا سے ملاقات ہوئی ہے۔ کبھی کبھی میرا بھی دل بھر جاتا ہے، بہت حبس ہے اپنے اندر۔ مجھے لگتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کی اندرونی گھٹن کو کم کر سکتی ہیں۔ مجھے آپ کی دوستی قبول ہے آپ کے جواب کی منتظر۔

ارم گل مہرو...... باغ آزاد کشمیر

ڈیئر سسٹر الوینہ کے نام

السلام علیکم! ڈیئر الوینہ 14 دسمبر کو تمہاری سالگرہ ہے، تمہیں تمام اہل خانہ کی طرف سے سالگرہ مبارک ہو۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں ہمیشہ رحمت کے سائے میں رکھے اور ہمیشہ خوش رہو، زندگی کے ہر امتحان میں کامیابی نصیب ہو (آمین)۔ خدا کرے کہ تجھے کوئی ایسا غم نہ ملے جس کی تدبیر تیرے پاس نہ ہو۔ دعا گو تمہاری بہن۔

درخشاں بی...... چونالہ

صوفیہ ملک کے نام

السلام علیکم! یقیناً آپ ٹھیک ہوں گی اور دعا گو ہوں اللہ آپ کو خوش رکھے آمین۔ پریا 26 دسمبر کو آپ کی برتھ ڈے ہے، سو ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ اللہ پاک آپ کو لمبی عمر دے آپ کا ہر خواب پورا ہو۔ کامیابی سدا آپ کے قدم چومے کبھی آپ کی آنکھوں میں آنسو نہ آئیں آمین۔ اپنا خیال رکھیے گا پریا۔ اللہ حافظ۔

اریبہ شاہ...... بہاولپور

ہما احمد، سائرہ مشتاق کے نام

السلام علیکم! پیاری ہما احمد کیسی ہو؟ دعا ہے ٹھیک رہو، ہمیں آپ کی دوستی قبول ہے۔ جواب دے دیا اب ہما احمد بہتر جانتی ہیں۔ تم ہنس مکھ ہو یہ اچھی بات ہے۔ انسان کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ راہ راست پہ آنا آپ کا اپنا کام ہے، مگر سبب کوئی بھی بن سکتا ہے۔ "ہم بھی" مجھے بہت اچھا لگا آپ نے میرے نام خط لکھا۔ رنگلی ہر بار نظریں اس کالم سے کتراتی تھیں، آج [illegible] ہو گئیں۔ نوشین ڈیئر [illegible] تاوان پر [illegible] دوبارہ شرف قبولیت بخش دیا ہے۔ سائرہ آپ بھی مجھ سے دوستی کر لیں۔ ہما میری دوست ہے سو میں اس کی طرف سے بھی ہاتھ بڑھاتی ہوں۔ نگوں مکمل کر دیجیے، ہما آپی ہر بار کی طرح نہ کیجیے گا۔ خدارا دل رکھیے گا۔ چھاپ دیجیے گا۔ اللہ حافظ۔

انا احب...... فیصل آباد

ساری فرینڈز کے نام

السلام علیکم! دوستو کیا حال ہے؟ کیا ہو رہا ہے؟ سمیرا شادی مبارک بہت زیادہ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ڈھیروں خوشیاں دے۔ شازیہ کو بیٹی مبارک۔ گلناز، عظمیٰ، شازیہ، سمیرا، عائشہ، فضیلت، اسماء اور چاروں ساجدہ کو میری طرف سے سلام۔ کشور بانو کو بھی ڈھیروں سلام، بانو پلیز مجھے رسپانس دیا کرو۔ مجھے پتا ہے کہ تمہارا دل چاہ رہا ہو گا مگر یہ دنیا ایسی ہی ہے۔ ساری دوستوں کو ایک دفعہ پھر سے



دلی سلام قبول ہو۔ نئی دوست انا احب کو بھی سلام، ساجدہ بتول اسپیشل نام لکھا ہے۔ ناراض نہ ہونا، عائشہ ڈارلنگ تم چینج ہو گئی ہو۔

ہما احمد...... فیصل آباد

سویٹ سائرہ مشتاق کے نام

السلام علیکم! ہمیشہ خوش رہو آپ کا تعارف آنچل میں پہلی بار لکھنے کا سبب بنا، ہاں میں آپ سے بات کرنا چاہتی ہوں کوئی جھوٹ نہیں، دھوکا نہیں، زیادہ صفائی نہیں دوں گی ہاں یہ ضرور کہوں گی کہ آپ سے بات کرنا آپ کو جاننا چاہتی ہوں اگر مناسب سمجھیں تو جواب ضرور دیجیے گا "پلیز"۔ گوجرہ میں رہتی ہوں، باقی تفصیل ڈائریکٹ ہی بتا سکتی ہوں، دعاؤں میں یاد رکھنا، ان شاء اللہ آپ کو ضرور خوشی ہوگی مجھ سے بات کر کے، ہمیشہ خوش رہیں دعا گو۔
(منتظر)

پیاری دوست گوہر پری

السلام علیکم! ڈیئر کیسی ہو، میں اپنا پیغام آنچل کے ذریعے اس لیے بھیج رہی ہوں کیونکہ مجھے پتا ہے تم آنچل [illegible] 15 دسمبر کو تمہاری سالگرہ ہے اس لیے میں [illegible] آنچل کے ذریعے وش کرنا چاہتی تھی اس لیے میری طرف سے تمہیں تمہاری سالگرہ کا دن بہت بہت مبارک ہو، سدا مسکراتی رہو۔ کوئی غم تمہیں نہ چھوئے، ہزاروں سال جیتی رہو، ایک بار پھر ہیپی برتھ ڈے اینڈ مینی ریٹرن آف دی ڈے۔ خدا حافظ گوہر پری، مسکراتی رہو۔ مسکراتے ہوئے بہت ہی پیاری لگتی ہو اجازت دو تمہاری دوست۔

طاہرہ غزل...... جتوئی

سویٹ بھانجی مشال اینڈ سویٹ سسٹر شیریں کے نام

مشی آپ کی سالگرہ ہے دسمبر میں، میری طرف سے آپ کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ خوشی ہو رہی ہے ناں، اپنا نام دیکھ کر۔ میری دعا ہے آپ خوش رہو اور ہمیشہ اسکول میں پوزیشن لو اور شیریں آپ کو کالج میں ایڈمیشن کی مبارک باد ہو، میری طرف سے Best Wishes قبول کرو۔ خوب دل لگا کر پڑھو، اللہ تمہیں کامیاب کرے (آمین)۔

ارم گل...... ملتان

اپنوں کے نام!

ڈیئر سدرہ اسلم! تمہیں سالگرہ بہت بہت مبارک ہو، ہمیشہ خوش رہو۔ اسماء ڈیئر تم بہت حضرت چیز ہو، لیکن ہو بڑی سویٹ۔ جب تمہیں میرا پیغام ملے مطلب تم پڑھو اور تمہیں بہت خوشی ہو، تو ایک کام کرنا۔ عظمیٰ کو ایک تھپڑ لگانا، میں بھی خوش ہو جاؤں گی، ہاہاہا۔ اور زنیرہ یار تم نے اچھا نہیں کیا، کمرہ بدل کر میں تمہیں بڑا مس کرتی ہوں تمہاری کمی بڑی محسوس ہوتی ہے اور ہاں شنو تمہارا پیغام تو رہ گیا، شنو Miss U Much گی۔

حرا چوہدری...... بورے والا

کھٹی میٹھی دوستوں کے نام

چندہ مشال صاحبہ ہنی آپ کی بہت خواہش ہے کہ آنچل میں اپنا تعارف [illegible] بیٹی کی مبارک ہو، بہت پیارا نام رکھا ہے (نورین) نورین کو اس کی آنٹی کا پیار۔ اریبہ شاہ تمہاری تو خوش ہو لیتی...... بہت کافی ہے جو میری طرف آ جاتی ہے سدھر جاؤ تم ورنہ روزانہ سینڈلیں پڑیں گی سر تاج سے۔ کرن شاہ تم تھوڑی بے وقوف ہو گئی ہو بٹ مجھے بے وقوفی میں بھی ویسی ہی پیاری لگتی ہو جیسے اول روز سے تھی۔ عطرو بہ ڈیئر بہت زہریلی ہو پر پھر بھی اچھی لگتی ہو، یو آر سو سویٹ۔ کرن وفا تم میں تو میری جان ہے جانتی ہو نا! انعم صبا بہت کول فرینڈ ہو یونہی کول کول رہنا۔ حفصہ ذرہ سدھر جاؤ کیوں کہ پیا کے گھر جانے میں اب تھوڑا وقت رہ گیا ہے۔ اللہ حافظ۔

عفت قریشی...... بہاولپور

آپی کے نام

السلام علیکم! آپی کیسی ہیں آپ؟ آپی میں آپ کی اور آنچل کی بہت بڑی فین ہوں۔ آنچل میں شرکت کرنے

کا بہت شوق ہے۔ اسی لیے آج ہمت کرکے لکھ رہی ہوں۔ آپی میں (ہمارا آنچل) کے لیے اپنا انٹرویو بھیج رہی ہوں، پلیز اسے نومبر کے شمارے میں ضرور شامل کیجیے گا۔ کیونکہ نومبر میں میرا برتھ ڈے بھی ہے۔ اگر ممکن نہ ہوا تو پھر کسی اگلے شمارے میں شائع کردیجیے گا۔ مگر پلیز آپی مجھے مایوس مت کیجیے گا اور ساتھ ایک غزل بھیج رہی ہوں، وہ بھی شائع کیجیے گا، آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔ آپ کی اور آنچل کی فین۔

صبا یاسمین..... فیصل آباد

اپنوں کے نام

السلام علیکم! امی ابو آپ کو اپنے بیٹوں کی کامیابی کی ڈھیروں مبارک ہو۔ اللہ آپ کو ان کی ہر خوشی دیکھنا نصیب کرے، احمد اور جیلانی تم کو بھی اپنی کامیابی مبارک ہو اور 6 نومبر کو احمد تمہاری سالگرہ ہے۔ 26 نومبر کو جیلانی تمہاری سالگرہ ہے تم دونوں کو سب گھر والوں کی طرف سے سالگرہ کی ڈھیروں خوشیاں مبارک ہوں۔ اللہ تم دونوں کو ہر قدم پہ کامیابی عطا کرے اور ہاں جناب کا پیغام [illegible] پریشان [illegible] پلیز [illegible] پریشان کیا کرو [illegible] تمہاری بڑی [illegible] بھائی آپ میرے بہت اچھے بھائی ہو، میری دعا ہے اللہ آپ کو ہر خوشی عطا کرے، جو آپ چاہتے ہو وہ آپ کو مل جائے۔ احمد حسن اور دانیال تم میں تو آپی کی جان ہے تم دونوں مجھے بہت یاد آتے ہو تم سب کے لیے دعا گو۔

نوید مسرت..... جتوئی

پریم نگر کی رانی (نازیہ کنول نازی) کے نام

السلام علیکم! کیسی ہیں؟ امید ہے ہمیشہ کی طرح مصروف ہی ہوں گی، خیریت کہاں ہوگی لیکن! بہت اچھی اور محبت بانٹنے والی دادی اماں ہو اور بے حد پیاری لگتی ہو میرے دل کو۔ جاناں سچ بات کہوں تیری مسکراہٹ میں عقیدت اور معصومیت ہے اور اب تیری محبت میں آنچل میں اپنا محبت کا آنچل پھیلا دیا ہے، سلامت رہو اللہ آپ کی خوشیوں کی خوشیاں بھی سلامت رکھے آمین۔

صدف آرزو..... ننکانہ صاحب

بہت ہی اپنوں کے نام

السلام علیکم! مائی سویٹ فرینڈز "طیبہ اینڈ مسکان" اوئے اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو! اچھا بس بھی کردو گھورنے کو یہ آپ لوگوں کا ہی نام ہے۔ آپ دونوں کی سالگرہ نومبر میں ہے۔ تو سوچا کیوں نا اس دفعہ آنچل کے ذریعے "Wish" کیا جائے۔ مسکان کی 16 نومبر اور طیبہ کی 22 نومبر کو ہے میری طرف سے "ہیپی برتھ ڈے ٹو یو" مائی سویٹ فرینڈز اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو زندگی کے ہر امتحان میں پاس کرے (آمین) اور ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہیں، آمین۔ پلیز ہما آپی میرا یہ پیغام ضرور شائع کرنا میں اپنی فرینڈز سے بہت محبت کرتی ہوں اور انہیں آنچل کے ذریعے وش کرنا چاہتی تھی پلیز، خدا حافظ۔

عنبرین نواز..... اکڑیانوالہ، جھنگ

تمام رائٹرز اور قارئین کے نام

السلام علیکم اور ڈھیروں دعائیں! آج آپ سب کیسے [illegible] سب کی عید اچھی [illegible] کے ساتھ [illegible] بہت اچھی ہوئی ہوگی۔ ویسے بھی عید کا اصل مزہ اور خوشی تو اپنے وطن میں ہی ہوتی ہے۔ پردیس میں بھلا کیا عید کا سواد اور خوشی عید کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ خیر یہ سب بھی ساتھ ہی ہی رہے۔ اب سردیوں کی بھی آمد ہو چکی ہے۔ سردیاں اچھی لگتی ہیں، مگر یہاں نہیں، یہاں تو باہر نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی نکلنا پڑتا ہے اور نادیہ جہانگیر تم سناؤ اب تمہاری صحت کیسی ہے۔ پلیز اپنا خیال رکھا کرو اپنے لیے اپنے بچوں کے لیے گھر والوں کے لیے اور ہم سب کے لیے سب اپنا اور اپنوں کا بہت خیال رکھیے گا۔

تسنیم چوہدری..... آکسفورڈ یو کے



# آپ کی پسند

زہرہ جبیں


akp@aanchal.com.pk


**سمی رانی کی پسند..... قادر پورراں (ملتان)**

جو خیال تھے نہ قیاس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جو محبتوں کی اساس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جنہیں مانتا ہی نہیں یہ دل، وہی لوگ میرے ہیں ہم سفر
مجھے ہر طرح سے جو راس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
مجھے لمحہ بھر کی رفاقتوں کے سراب اور ستائیں گے
میری عمر بھر کی جو پیاس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
یہ خیال سارے ہیں عارضی، یہ گلاب سارے ہیں کاغذی
گل آرزو کی جو باس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جنہیں کرسکا نہ قبول میں، وہ شریک راہ سفر ہوئے
جو میری طلب میری آس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
[illegible]
[illegible]

**ماہ رخ تاج، نگہ رخ تاج کی پسند..... جتوئی**

وہ اوجھل میری نگاہوں سے کہاں رہتا ہے
وہ اشک بن کر آنکھوں سے رواں رہتا ہے
کسی لمحے تنہا ہونے نہیں دیتی اس کی یادیں
میرے آنگن میں میلے کا سماں رہتا ہے
ہر گھڑی دل کا دریچہ کھلا رکھتے ہیں
ہر گھڑی اس کے آنے کا گماں رہتا ہے
لوگ کہتے ہیں زخم بھر جاتے ہیں آخر
زخم بھر جاتے ہیں لیکن نشاں رہتا ہے
وہ ملے تو اتنا بتا دینا اس کو
تجھ بن کوئی بہت پریشاں رہتا ہے

**شگفتہ خان کی پسند..... بھلوال**

ساون کی پہلی بارش تھی اور دل بھی تھا اداس بہت
اس کی بے وفائی کا غم زیادہ اور اس کی محبت کا احساس بہت
اک عرصے بعد جو یاد آیا تو رودی آنکھیں
بادل بھی ٹوٹ کے برسا اور میرے آنسوؤں کی رفتار بہت
سچی محبت کچھ بھی نہیں سب افسانوی باتیں ہیں
ہر دل میں جھانک کے دیکھا سارے لوگ تھے عشق سے بیزار بہت
اک چاند چہرے پہ لٹ جانا اور اس کی خاطر مرجانا
چھوڑو عابد دیکھو دنیا میں حسن کے بازار بہت

**اریج سحر کی پسند..... چونیاں، جہلم**

جو دنیا چھوڑ جاتے ہیں وہ بھی ملتے نہیں
جو شیشے ٹوٹ جاتے ہیں وہ بھی جڑتے نہیں
پھول تو پھول ہوتے ہیں اور خوشبو بھی دیتے ہیں
جو پھول شجر سے کٹ جائے وہ بھی کھلتے نہیں
چاہے دریا بہا دو تم چاہے پہاڑ پگھلا دو تم
لاکھ رونے دھونے سے در قبر بھی کھلتے نہیں
چاہے گزار دو زندگی یا گلے لگا دو میت کو تم
[illegible]
[illegible]

**ارم کمال بھیرو..... باغ آزاد کشمیر**

سنو دسمبر

دسمبر اب کے جاؤ تو
مجھے بھی ساتھ لے جانا
مجھے معلوم ہے تم ہر سال
جب بھی آتے ہو
تو جاتے جاتے اپنے ساتھ
ہماری یادوں، ساعتوں سے
حسین پل اپنے ساتھ لے جاتے ہو
اور ڈھلتے سورج کے ساتھ گمنام کرتے ہو
دسمبر اب کے جاؤ تو
مجھے بھی ساتھ لے جانا
مجھے گمنام ہونا ہے

مجھے بھی شام ہونا ہے
دسمبر اب کے جانا تو
مجھے بھی ساتھ لے جانا
دسمبر مجھے تم ساتھ لے جانا

**صبا خالدہ..... سرگودھا**

لوٹ آؤ کہ حقیقت ہے محبت اپنی
لوٹ آؤ کہ محبت کا زمانہ ہے ابھی
لوٹ آؤ کہ وفاؤں کے دیے جلتے ہی
لوٹ آؤ انہیں بجھنے سے بچانا ہے ابھی
لوٹ آؤ کہ جدائی نہ سہی جائے گی
لوٹ آؤ کہ تمہیں چاہت کی محبت کی قسم
لوٹ آؤ کہ عنایات کو ترستا ہے دل
لوٹ آؤ کہ تمہیں جذبات کی شدت کی قسم
لوٹ آؤ کہ میرا دل کہیں لگتا ہی نہیں
لوٹ آؤ کہ اداسی میں ہیں کٹتے دن رات
لوٹ آؤ کہ میرا خود پہ نہیں اب قابو
لوٹ آؤ کہ بگڑ جائے نہ دل کی حالت
لوٹ آؤ کہ بہت درد ہے سینے میں میرے
لوٹ آؤ کہ تم علاج غم الفت کے لیے
لوٹ آؤ تو میرے دل کو قرار آجائے
لوٹ آؤ کہ میری معصوم محبت کے لیے

**رومان ملک کی پسند..... جھنگ صدر**

وہ شخص کبھی دشت سے گزرے تو اسے کہنا
اک پل میرے گھر میں بھی ٹھہرے اسے کہنا
کچھ لوگ سمندر سے بھی گہرے ہیں اسے کہنا
زرخیز زمیں کبھی بنجر نہیں ہوتی
دریا ہی بدل لیتے ہیں راستے اسے کہنا
کچھ لوگ سفر کے لیے ہوتے نہیں موزوں
کچھ راستے کٹتے نہیں تنہا اسے کہنا
اس شہر میں سچ کہہ کے گناہ گار نہ ہونا
کہ بستی کے بھی لوگ ہیں بہرے اسے کہنا

**دیبا سولی کی پسند..... ٹنڈو الہ یار**

موسم ہے بارش کا اور یاد تمہاری آتی ہے
بارش کے ہر ایک قطرے سے آواز تمہاری آتی ہے
بادل جب گرجتے ہیں، دل کی دھڑکن بڑھتی ہے
اور دل کی ہر اک دھڑکن سے آواز تمہاری آتی ہے
جب تیز ہوائیں چلتی ہیں تو جان ہماری جاتی ہے
موسم ہے بارش کا اور یاد تمہاری آتی ہے

**نکہت یوسف زماں کی پسند..... کراچی**

کچھ تو ہوا بھی سرد تھی، کچھ تھا تیرا خیال بھی
دل کو خوشی کے ساتھ ساتھ ہوتا رہا ملال بھی
بات وہ آدھی رات کی، رات وہ پورے چاند کی
چاند بھی عین چیت کا اس پہ تیرا جمال بھی
سب سے نظر بچا کے وہ مجھ کو کچھ ایسے دیکھتا
ایک دفعہ تو رُک گئی گردش ماہ و سال بھی
اس کو نہ پاسکے تھے جب دل کا عجب حال تھا
[illegible]
میری طلب تھا ایک شخص وہ جو نہیں ملا تو پھر
ہاتھ دعا سے یوں گرا بھول گیا سوال بھی

**سیمی چوہدری کی پسند..... آئکفورڈ یوکے**

سوتے میں بھی
چہرے کو آنچل سے چھپائے رہتی ہوں
ڈر لگتا ہے
پلکوں کی ہلکی سی لرزش
ہونٹوں کی موہوم سی جنبش
گالوں پر رہ رہ کے اترنے والی دھنک
لہو میں چاندر چاتی اس ننھی سی خوشی کا نام نہ لے
نیند میں آئی ہوئی مسکان
کسی سے دل کی بات نہ کہہ دے





## ہم سے پوچھئے

**شمائلہ کاشف**

**انا احب..... فیصل آباد**

س: السلام علیکم! آپی کیسی ہیں آپ؟
ج: وعلیکم السلام۔ الحمدللہ، خیریت سے ہیں۔
س: انا کا یہ دل ہے تیری سرزمیں
تو اس سرزمیں پہ محبت اُگا
ج: اُگا دی، پھول، پھل رہی ہے۔
س: آپی 2 اور 2 چار ہی کیوں ہوتے ہیں، 8 کیوں نہیں ہوتے؟
ج: فضول سوال۔
س: آپی آپ کے لیے ایک شعر لکھا ہے (اپنا ہے)؟
نئے سال کا پہلا لمحہ پیارا سال مبارک کردے
اور ''پھر'' یہ سال تمہیں عنایت کردے
ج: آمین۔
س: کل آپ کو خواب میں دیکھا تو ڈر گئی، وہ کیوں؟
ج: غلطی سے اپنے آپ کو دیکھ لیا ہوگا۔ خواب تو خواب ہوا۔

**شمائلہ اکرم..... شاہین آباد**

س: شمائل آنی کیسی ہو آپ؟ مجھ ناچیز کا سلام قبول کیجیے؟
ج: قبول کیا۔ اللہ کا شکر ہے۔
س: آنی جان میرا دل چاہتا ہے کہ آپ مجھے ہمیشہ یاد رکھو اس لیے نہیں کہ میں آپ کی ہم نام ہوں۔ اس لیے کہ میں اپنے فیورٹ لوگوں کی یادداشت میں رہنا چاہتی ہوں۔
ج: اطمینان رکھو، ہم آپ کو ہمیشہ یاد رکھیں گے۔
س: آنی جی! میں کوئی چار بار آپ کی محفل میں آئی ہوں۔ ہر بار آپ میرا ایک سوال اُڑا جاتی ہو۔ مجھے ہرٹ کر کے آپ کو بہت مزا آتا ہے کیا؟''
ج: عقل مندی کے سوال کیا کرو۔
س: آسمان پر جتنے ستارے ہیں آج سے وہ سب تمہارے ہیں۔ اب جلدی سے مجھے کچھ گفٹ کرویں؟
ج: ستاروں کو دو سے ضرب دو، گفٹ لے لو۔
س: بہت خوب صورت غزل لکھ رہی ہوں۔ آپ کو سوچ کر آج کل لکھ رہی ہوں۔
ج: خوب صورت، سوچ اچھی لگی۔
س: اگر آنی ڈیئر آپ چاہتی ہو کہ میرے دل کے ٹکڑے نہ ہوں تو پلیز میرے سوالات ضرور شامل کیجیے گا، اینڈ اللہ حافظ۔
ج: لیجیے، دل کے ٹکڑوں سے بچالیا۔
س: [illegible]
س: شمائل آپی، السلام علیکم کیسا حال ہیں؟
ج: وعلیکم السلام۔ اللہ میاں کا شکر ہے۔
س: آپی کی محفل میں پہلی دفعہ شرکت کی اجازت ہے اندر آنے کی؟
ج: اجازت ہے۔
س: شانو آپی۔ محبت کی بازی اور تاش کی بازی میں کیا فرق ہے؟
ج: جو محبت اور تاش میں ہے۔
س: شانو آپی بتایئے وقت کو کون روک سکتا ہے؟
ج: کوئی نہیں۔
س: آپی محبت میں عموماً دکھ ہی کیوں ہاتھ لگتے ہیں؟
ج: ضروری نہیں۔
س: آپی عورت اپنے آپ کو عقل مند کب سمجھتی

ہے؟

ج: جب وہ بے وقوفی کے سوالات کرنے لگتی ہے۔

س: آپی کیا بہت سے غموں کا ایک ہی علاج ممکن ہے؟

ج: غموں کا علاج اللہ سے دعا مانگنا ہے، وہی نجات دیتا ہے۔

س: آپی سماج کی نظر میں باعزت انسان کب اپنی اوقات کھو دیتا ہے؟

ج: جب وہ بے عزتی کے کام کرنے لگتا ہے۔

س: عورت کا ہمدرد بننے میں نقصان کب ہوتا ہے؟

ج: جب اس کی آنکھوں میں آنسو نمودار ہوتے ہیں۔

س: سویٹ آپو اب کوئی اچھی سی دعا دیں تاکہ ہم رخصت ہوں۔

ج: اللہ آپ کو عقل سلیم عطا فرمائے (آمین)۔

سمانہ زیدی...... جھنگ صدر

س: آپی السلام علیکم! نئے سال کا آغاز ہے آپ کے لیے ڈھیروں دعائیں؟

ج: وعلیکم السلام۔ نئے سال کی پہلی دعا کا شکریہ۔

س: دل اداس ہے کوئی پیغام ہی لکھ دیں؟

ج: محبت بھرا پیغام قبول کرو۔

س: سب کو خوش رکھنے کا کوئی آسان اور اچھا طریقہ بتا دیں نا؟

ج: خود خوش رہا کرو۔ دوسرے آپ کی تقلید کرنے لگیں گے۔

س: کامیابی حاصل کرنے کے لیے محنت کے ساتھ قسمت کا کتنا حصہ ہوتا ہے؟

ج: محنت بھی قسمت کے تابع ہے۔

س: بہت تنگ کرلیا اتنا ہی کافی ہے آخری بات زندگی مشکل کب لگتی ہے؟

ج: جب خواہش پوری نہ ہو۔

تنزیلہ الرحمن...... جلالپور شریف

س: السلام علیکم! آپی کیسی ہے آپ؟

ج: وعلیکم السلام الحمدللہ خیریت سے ہیں۔

س: آپی جب ہم کسی سے دوستی کرتے ہیں تو پھر نبھاتے کیوں نہیں؟

ج: آپ نے نبھائی؟

س: محبت ایک پاکیزہ جذبہ ہے پھر اس کے نام پر لوگ دغا کیوں دیتے ہیں؟

ج: کس محبت کی بات کر رہی ہیں؟

س: آپی انسان جھوٹ کب بولتا ہے؟

ج: نفع اور ڈر کے سبب۔

س: آپی اگر ہم آپ کو آپی کی جگہ شامل کہیں تو کیسا لگے گا؟

ج: آپی اچھا لگتا ہے۔

س: آپی آپ کو ہماری شرکت کیسی لگی؟

ج: گوارہ ہے۔

رابعہ اکرم...... فیصل آباد

س: السلام علیکم! آپی جی کیا حال ہے؟

ج: وعلیکم السلام، اللہ کا شکر ہے۔

س: بہت سارے دنوں بعد آئی ہوں آپ نے مس کیا؟

ج: ہاں...... کیا۔

س: آپ سوالوں کے جواب دیتے دیتے تھکتی نہیں آپی؟

ج: محبت تھکنے نہیں دیتی۔

س: چینی کے بحران کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ج: چینی لوگ اچھے ہوتے ہیں، وہ بحران کا شکار نہیں ہوتے۔

س: آپ ہمیشہ خوش رہو کوئی غم آپ کے پاس نہ آئے آمین؟

ج: آمین۔ اللہ آپ کی زبان مبارک کرے۔

س: اجازت دیں، دعا میں یاد رکھنا آپ، اللہ حافظ۔

ج: اجازت ہے...... خوش رہو۔

نجم انجم اعوان...... کورنگی کراچی

س: السلام علیکم! پیاری باجی آج پھر ہم آپ کا دماغ کھانے آگئے ہیں، جواب دیں گی یا خالی روانہ کردیں گی؟

ج: جواب دیں گے، دماغ چاٹنے کو کوئی تو ہو۔

س: باجی عید کی مبارک باد قبول ہو اور کیسی گزری یہ عید آپ کی؟

ج: گزر گئی، پرانی ہوئی۔

س: میں عید پر اپنی دوست کا انتظار کر رہی تھی مگر عید ملنے نہیں آئے کیا کروں۔ ناراض ہو جاؤں ان سے؟

ج: نہیں...... کوئی وجہ ہوگی نہ آنے کی۔

س: ہم نے آپ کو عید پر اپنے گھر انوائٹ کیا تھا، بکرے کی ران روسٹ کرکے رکھی تھی مگر آپ نہیں آئیں، آخر کیوں آپ نے ہماری دعوت قبول نہیں کی؟

ج: مجبوری تھی نا، جوابات میں اُلجھے ہوئے تھے، آنا یاد ہی نہیں رہا۔ خیر اگلے سال سہی، زندہ رہے تو۔

س: اگر میں آپ سے ناراض ہو جاؤں تو کیا منائیں گی یا کہیں گی کہ چلو نجم سے جان چھوٹی؟

ج: منائیں گے، سو بار منائیں گے۔

س: شعر کا جواب شعر میں دیں تو مانیں گے؟

پہچان پر ہے ناز تو پہچان جائیے
کیا ہے ہمارے دل میں بھلا جان جائیے

ج: دل کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے، ہم میں قدرت نہیں۔

ہما احمد...... فیصل آباد

س: السلام علیکم آپی! اتنی دیر بعد شرکت کی، کیسا لگا؟

ج: وعلیکم السلام! اللہ کا شکر ہے۔ آنا اچھا لگا۔

س: آپی اگر انسان کو اس چیز سے محبت ہو جائے جو پتا بھی ہو کہ میرے نصیب میں ہے پھر؟

ج: آپ کو بھلا پیشگی اپنے نصیب کی خبر کب سے ہونے لگی، یہ تو ولی اللہ کو خبر نہیں ہوتی۔

س: آپی عورت مجبور ہوتی ہے یا بے وفا؟

ج: نہ مجبور، نہ بے وفا۔ حالات پر رویوں کا انحصار ہوتا ہے۔

س: زندگی میں وہ سب کچھ کیوں نہیں ملتا۔ جو ہم چاہتے ہیں؟

ج: پھر تقدیر کی تو ضرورت ہی نہ رہی۔ ہر کوئی اپنی اپنی چاہتیں پوری کرتا پھرے۔

س: آپی ہمیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ صرف ہمارے ساتھ ہی ایسا کرتے ہیں، باقی لوگوں سے نہیں؟

ج: ایمان کی کمزوری کی وجہ سے۔ کثرت سے استغفار پڑھا کیجیے۔

س: آپی آپ کے خیال میں زندگی کیا ہے؟

ج: زندگی، صرف زندگی ہے۔ خیالی نہیں۔

س: آپی نیا سال مبارک ہو اور میری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کو اس نئے سال میں ڈھیروں خوشیاں دے۔

ج: اللہ تعالیٰ آپ کی دعائیں قبول فرمائے، آمین۔
س: آپی دعا دیں، اچھی سی۔ میرے پیپر اچھے ہوجائیں؟
ج: اللہ میاں، ہما کے پیپر اچھے ہوجائیں۔

سیدہ امبر اختر...... چندی پور

س: السلام علیکم شمائلہ آپی کیسی گزر رہی ہے زندگی؟
ج: وعلیکم السلام، الحمدللہ اچھی گزر رہی ہے۔
س: شمائلہ آپی کیا آپ پانچ وقت نماز پابندی سے پڑھتی ہیں؟
ج: جی ہاں، الحمدللہ۔
س: آپی آپ کتنی خوب صورت ہیں؟ گوری چٹی ہیں یا......؟
ج: چاند کی طرح ہیں۔
س: مجھی جانو یہ رنگ میں بھنگ ڈالنے کا کیا مطلب ہے؟
ج: اچھے رنگ کو بگاڑ کر خراب کر دینا۔
س: مجھے جان سے پیارا ہے میرا راج دلارا ہے، بھلا کون؟
ج: صرف آنچل۔
س: شمو آپ دفتر آنے کے لیے تیار ہونے میں کتنا وقت لگاتی ہیں؟ کیا میک اپ کے بغیر ہوتی ہیں؟
ج: بہت تھوڑا وقت، میک اپ کبھی نہیں کیا۔
س: میری قسمت ڈبونا چاہتا ہے
جدا مجھ سے وہ ہونا چاہتا ہے
بوجھو تو جانے؟
ج: بوجھ لیا۔ بتائیں گے نہیں۔
س: کیا محبت مسکراتی ہے؟
ج: مسکراہٹ محبت کی ہی علامت ہے۔
س: نفرت کی تعریف بتائیے؟
ج: نفی کرنا۔

عاصمہ اشرف...... واسو جھنگ

س: بہارو پھول برساؤ میرا محبوب آیا ہے، محبوب صرف بہار میں ہی کیوں آتا ہے باقی موسموں میں کیوں نہیں آتا، سردیوں میں سردی سے ٹھٹھرتا ہوگا، گرمیوں میں پسینے میں نہاتا ہوگا اور خزاں میں اس کی موٹر بائیک خراب ہوجاتی ہوگی لیکن درست وجہ آپ ہی بتائیں؟
ج: آپ نے خود ساری مجبوریاں بتادیں، ہمارے لیے کیا رہا؟
س: آپ جب اتنے اچھے جوابات دے سکتی ہیں تو پھر کہانیاں کیوں نہیں لکھتیں؟
ج: کہانیاں لکھنا اور جواب دینا الگ الگ بات ہے۔
س: اگر ہم آپ کے پڑوس میں آجائیں تو......؟
ج: [illegible]
س: ہمارا کام تو محبت کی ایلفی سے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنا ہے، اور آپ کا؟
ج: ہمارا بھی یہی کام ہے، مگر ہم خود "ایلفی" نہیں۔



# کام کی باتیں

حنا احمد

## طب نبوی

❁ جو لوگ کھانے سے پہلے تھوڑا نمک کھالیں وہ 30 بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔
❁ کھجور کو ناشتے میں استعمال کرو تاکہ تمہارے اندرونی جراثیم کا خاتمہ ہوجائے۔
❁ غم کا شکار ہو تو کھیرا کھالیا کرو۔ زکام سے مت گھبراؤ یہ تمہیں پاگل پن سے محفوظ رکھتا ہے۔
❁ کلونجی میں موت کے سوا ہر بیماری کا علاج ہے۔ آنکھ کا دکھنا اندھے ہونے سے محفوظ رکھتا ہے۔
❁ کھانسی کے ہونے سے فالج سے حفاظت رہتی ہے۔
❁ چھائیاں اور دانے دور کرنے کے لیے۔ روزانہ دن میں دو دفعہ چہرے کو دھو کر سفید پھٹکری کا ایک ٹکڑا گیلا کر کے چہرے پر ملیں اس سے مسام بند ہوجائیں گے۔ اس کے علاوہ چھائیوں کے لیے لیموں کا رس ایک چمچ ہلدی آدھا چمچ تلی دو چمچے ان اشیاء کو ملا کر پیسٹ بنالیں اور چہرے پر لگائیں دس منٹ بعد چہرہ دھولیں۔
❁ پیٹ کم کرنے کے لیے صبح سویرے فرش پر دری بچھا کر اس پر پیٹ کے بل لیٹ جائیں اور اپنے دونوں پاؤں اوپر کی جانب اٹھالیں اس کے بعد جس طرح سائیکل چلاتے ہیں اس طرح پاؤں کو حرکت دیں اس طرح الٹا لیٹ کر تیز تیز چلائیں چند دنوں میں ہی نمایاں فرق محسوس ہوگا۔
❁ آنکھوں کے حلقے دور کرنے کے لیے روزانہ رات کو سونے سے پہلے حلقوں کے گرد زیتون کا تیل لگائیں اور ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے اس طرح مساج کریں کہ جلد باہر کی طرف کھنچی جائے۔
❁ داغ دور کرنے کے لیے ایک چمچ لیموں کے رس میں ایک چوتھائی چمچ دودھ ڈال کر دونوں چیزوں کو مکس کرلیں پھر ہاتھ کی مدد سے داغوں پر لگائیں۔
❁ عینک کے حلقے دور کرنے کے لیے تازہ لیموں کا چھلکا لے کر گرائنڈر میں باریک پیس لیں اس کو نیویا کریم میں ملا کر پیسٹ بنالیں روزانہ رات کو سوتے وقت آنکھوں کے حلقوں کے گرد لگائیں۔ نمایاں فرق محسوس ہوگا۔
❁ بالوں کا گنجا پن دور کرنے کے لیے ٹاٹ کا ٹکڑا جلا کر اس کی راکھ اصلی مکھن میں ملالیں پھر اس پیسٹ کو جہاں بال اڑ رہے ہوں وہاں روزانہ لگائیں بال نکل آئیں گے (ان شاءاللہ)۔ دعاؤں کی طلب گار

فرح طاہر...... ملتان

السلام علیکم! پیاری بہنوں کام کی باتوں کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ جیسے کہ پہلے آپ کو چھپکلی بھگانے اور اس کو مارنے کے لیے آپ کو بتایا تھا اسی طرح آج میں نے سوچا کہ ہر گھر میں کاکروچ (لال بیگ) وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں تو بہت ساری ڈرپوک بہنیں ان سے ڈرتی بھی بہت ہیں تو اب ڈرنا چھوڑو اور جلدی سے اپنا کاکروچ پیسٹ [illegible]

### کاکروچ پیسٹ

ترکیب: بورک ایسڈ پاؤڈر فریش والا ایک کپ ایک کپ میدہ یا آٹا۔ پسی ہوئی چینی چوتھائی کپ دودھ کوئی سا بھی ڈال کر اسے چمچ کی مدد سے لیکوئیڈ پینٹ بنالیں اور پینٹ برش کی مدد سے کیبنٹ کچن کے اور سینک کی نچلی دیواروں پر برش سے لگادیں اور دو تین دفعہ کے استعمال سے تمام کاکروچ اور ان کے بچوں سے چھٹکارا حاصل ہوجائے گا۔ سب مرجائیں گے تو بھگایئے اپنے ڈر کو اور مجھے دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ شکریہ۔

مسز نازیہ عابد...... حیدرآباد

## ٹوٹکے

### لبابہ احمد

### گھریلو ٹوٹکے

چوٹ لگنے کی صورت میں خون بند نہ ہو تو خون بند کرنے کے لیے نمک کے پانی میں روئی بھگو کر زخم پر باندھیں۔ زخم بہت جلد اچھا ہوجائے گا۔

پیاز کے عرق میں روئی بھگو کر کچھ دیر کے لیے ناک پر رکھیں، زکام ٹھیک ہوجائے گا۔

گلا بیٹھ جائے تو گرم دودھ میں تھوڑی سی ہلدی ڈال کر پئیں۔

ناخنوں کو چمک دار بنانے کے لیے لیموں کا رس ملیے۔

ہاتھوں سے پیاز اور لہسن کی بو ختم کرنے کے لیے ہاتھوں کو پہلے آٹے اور پھر نمک سے ملنے کے بعد ہاتھ پانی سے دھوئیں۔

پیاز کاٹنے کے دوران آنکھوں سے آنسو روکنے کے لیے پیاز کو درمیان میں سے کاٹ کر پانی میں بھگو دیں پھر پیاز کاٹیں۔

اس کے علاوہ پیاز کو اُلٹا کاٹنے سے بھی آنکھوں میں آنسو نہیں آتے۔

سالن میں نمک کم کرنے کے لیے کچا آلو لے کر ہانڈی میں ڈال دیں۔ دس منٹ بعد ہانڈی سے نکال لیں، کچا آلو سارا نمک جذب کرلے گا۔

(میرب..... چونالہ)

### گھریلو ٹوٹکے

چہرے کے دانے ختم کرنے کے لیے: کالی مرچ لیں اور صندل کی مانند رگڑ کے چہرے پر لیپ مل لیجیے، دو چار روز ایسا کرنے سے چہرے کے دانے ختم ہوجائیں گے۔

منہ کی بدبو ختم کرنے کے لیے: دن میں دو تین بار سونف چبائیے اور اس کا عرق پی لیجیے، چند دن میں آپ کے منہ سے بدبو کی بجائے خوش بو آنے لگے گی۔

بال سفید ہونے سے بچانے کے لیے: بال اگر وقت سے پہلے سفید ہونے شروع ہوجائیں تو رات کو سونے سے پہلے ایک پاؤ دودھ میں چند قطرے بادام روغن ملا لیجیے اور حسب ذائقہ چینی اس میں ملا کر پی لیجیے۔ آپ ایسا روزانہ کریں کچھ عرصے بعد بال سفید ہونا بند ہوجائیں گے اور سفید بال بھی سیاہی مائل ہوجائیں گے۔

آواز بیٹھ جائے تو اسے ٹھیک کرنے کے لیے: آدھ سیر پانی میں ایک تولہ سونف ڈال کر پکا لیجیے، چوتھا حصہ رہ جانے پر اسے اُتار لیجیے اور چھان کر اس میں خواہش کے مطابق چینی ملا لیجیے اور اسے استعمال کرلیجیے۔ دو تین بار پینے سے شفا حاصل ہوگی، انشاء اللہ۔

رابعہ اکرم۔ فیصل آباد

☆۔ پھٹی ایڑیوں کو درست کرنے کے لئے چار چمچے گلیسرین میں ایک لیموں کا رس اور دو چٹکی پسی ہوئی پھٹکری ملائیں اور دن میں دو مرتبہ لگائیں۔ پاؤں نرم ہوجائیں گے انشاء اللہ۔

☆۔ چاول ابالتے وقت اس میں ایک کھانے کا چمچہ سرکہ یا لیموں کا رس نچوڑ دیں اور پانی نتھارنے سے پہلے دو گلاس اوپر سے نل کا پانی ڈالیں اور پھر چاولوں کا سارا پانی نکال دیں۔ اس سے نہ صرف بریانی کے چاول بلکہ سادے چاول بالکل سفید اور کھلے کھلے پکیں گے۔

☆۔ روزانہ استعمال کے کپڑوں کو دھوتے وقت لیموں کا عرق شامل کرنے سے سارا میل دور ہوجاتا ہے۔

☆۔ اگر سفید کپڑوں کو دھونے سے پہلے پانی میں لیموں کے چند قطرے اور سفید سرکہ بھی ڈال دیا جائے تو کپڑوں کی پیلاہٹ دور ہوجائے گی اور کپڑے سفید اور چمک دار ہوتے ہیں۔

(دیا علی۔ آزاد کشمیر)